بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

اکرم التفاسیر

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

27

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

اکرم التفاسیر

قَالَ فَمَا خَطْبُکُمْ

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

27

اکرم التفاسیر

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوانؒ

پارہ 27

باراوّل .... جولائی 2017

تعداد .... دو ہزار

قیمت .... -/470 روپے

ناشر .... ملک عبدالقدیر اعوان

ناظم اعلیٰ ادارہ نقشبندیہ اویسیہ

دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال

نے انتخاب جدید پریس لاہور سے طبع کروایا

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

اویسیہ کتب خانہ

اویسیہ سوسائٹی

کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور

بے شمار لوگوں کی اصلاح کا سبب بننے والی حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کی سمجھنے میں انتہائی آسان، فرقہ پرستی سے پاک اور موجودہ زمانہ کے مطابق لکھی ہوئی قرآن اردو تفسیر وٹس ایپ پر فری حاصل کریں۔

یاد رکھیں گناہ جہالت کا پھل ہوتا ہے اور یہ بڑی شرم اور بدبختی کی بات ہے اگر ہم ساری زندگی میں اتنا بھی نہ جان سکیں کہ قرآن میں لکھا کیا ہے۔ لیکن اب آپ کے پاس آسان طریقہ موجود ہے۔ قرآن کی تفسیر ہر وقت آپ کی جیب میں ہوگی اور آپ کو جب بھی دن میں فارغ وقت جہاں بھی حاصل ہو آپ کچھ صفحے روزانہ پڑھتے رہیں اس طرح کچھ ہی وقت میں آپ پورے قرآن کی تفسیر سمجھ سکتے ہیں جس سے آپ کے ہزاروں عقائد و اعمال کی اصلاح ہو کر شریعت کے مطابق ہو جائیں گے اور آپ کی دنیا اور آخرت دونوں جہاں بہترین ہو جائیں گے۔ ہر پارہ کی علیحدہ علیحدہ تفسیر موجود ہے۔

www.QuranTafseer.net

0092 323 520 5255

اپنے وٹس ایپ سے اوپر دیئے گے نمبر پر میسج کریں کہ آپ کو لکھی ہوئی تفسیر چاہیے۔ جبکہ ویب سائیٹ سے بھی آپ یہی تفسیر آڈیو، وڈیو اور تحریر کردہ حاصل کرسکتے ہیں۔

اپنے دوستوں رشتہ داروں سے یہ پوسٹ شئیر کرکے ڈھیروں ثواب حاصل کریں

www.QuranTafseer.net

الحمدُللہ قرآن تفسیر مکمل ہو جانے کے بعد حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی نے دورہ حدیث کا آغاز فرمادیا ہے جس میں مشکوٰۃ شریف احادیث کی شرح کا آغاز ہو چکا ہے جو آپ اس ایپلیکیشن میں سن سکتے ہیں۔

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اپنے دوستوں رشتہ داروں کو بھی بتائیں اور اس نیک کام کا حصہ بن جائیں۔

انسٹال کرنے کے بعد اسی جگہ **Rate this app** میں 5 سٹار کو ٹچ کر کے سبز کر کے **Submit** کر دیں۔

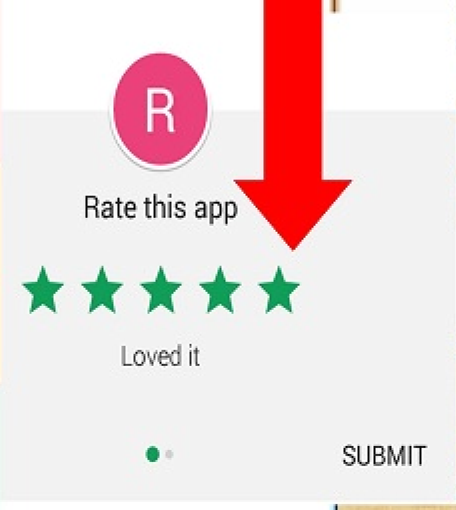

www.QuranTafseer.net

الحمد للہ اس ویب سائیٹ سے ہزاروں لوگ فائدہ اُٹھا رہے ہیں اور مزید آسانی سے لوگوں تک قرآن کا پیغام
پہنچانے کے لیے اب اسی ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی متعارف کروادی گئی ہے۔

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اپنے دوستوں رشتہ داروں کو بھی بتائیں اور اس نیک کام کا حصہ بن جائیں۔

انسٹال کرنے کے بعد اسی جگہ **Rate this app** میں 5 سٹار کو ٹچ کر کے سبز کر کے **Submit** کر دیں۔

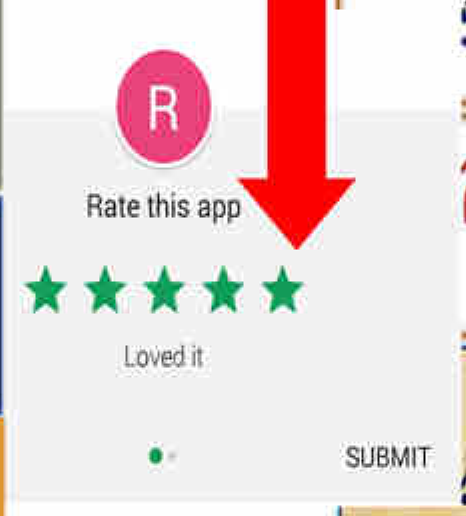

بے شمار لوگوں کی اصلاح کا سبب بننے والی قرآن تفسیر

حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کی

اردو تفسیر آڈیو، وڈیو اور لکھی ہوئی تینوں طرح کی دیکھیں، سنیں یا ڈاؤن لوڈ کریں۔

پنجابی تفسیر وڈیوز دیکھیں ڈاؤن لوڈ کریں۔ قرآن کا اردو ترجمہ اور کتابیں ڈاؤن لوڈ کریں۔

قرآنِ کریم کی تلاوت اور حضرت صاحب کا اردو ترجمہ آڈیو۔ کمپیوٹر اور موبائل پر سننے کے لیے ڈاؤن لوڈ کریں۔ حضرت جی کا کلام حمد اور نعتیں آڈیو وڈیو سنیں اور ڈاؤن لوڈ کریں۔

دلچسپ سوال جواب پر مشتمل ٹی وی پروگرام اَلمرشد کی تمام 125 اقساط کی وڈیوز دیکھیں

www.QuranTafseer.net

حضور نبی پاکؐ کے حضور آج بھی روحانی طور پر حاضری ممکن ہے اور ہزاروں مرد و خواتین یہ سعادت رکھتے ہیں۔ لیکن کیسے؟

تصوف تزکیہ روحانیت ، ذکر، روحانی سلسلہ، روح، کشف، بیعت ان تمام موضوعات کو سمجھنے کے لیے حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کے وڈیو بیانات اور کتابیں موجود۔

طریقۂ ذکر جس سے دل سے لے کر جسم کا ہر باڈی سیل اللہ اللہ ذکر کرنے لگ جائے۔

حضور نبی پاک ﷺ کے حضور روحانی طور پر حاضری کی سعادت۔

یہ سب کچھ سمجھنے کے لیے اور مکمل رہنمائی کے لیے ویب سائیٹ وزٹ کریں۔

اس پوسٹ کو زیادہ سے زیادہ شیئر کر کے آپ بھی اس نیک کام کا حصہ بنیں۔

از دلِ خیزد بر دلِ ریزد

اکثر احباب سوچتے ہوں گے اسرار التنزیل کے ہوتے ہوئے اکرم التفاسیر کے لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس بارے میں عرض کر دوں کہ نہ تو خود ثنائی کی پہلے کوئی تمنا تھی نہ اب ہے اور نہ ان شاء اللہ آئندہ ہوگی۔ نہ ہی یہ خیال دل میں آیا کہ مجھے کوئی بڑا عالم یا مفتی یا مفسرِ قرآن کہے نہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر کبھی اپنا وقت قربان کیا۔ ہاں! یہ خواہش ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور استاد المکرم حضرت مولانا اللہ یار خان علیہ الرحمۃ صاحب کی خصوصی توجہ سے جو علوم و معارف عطا فرمائے انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق تک پہنچاؤں اور اپنا فریضہ ادا کروں۔

ایک اور بات جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اپنے وقتِ نزول سے تا حال اور آئندہ تا قیامت بلکہ اس سے بھی آگے حساب و کتاب' جنت و دوزخ کی بات کرتا ہے اور تمام انسانیت کو راہنمائی اور ہدایت فراہم کرتا آیا ہے اور ان شاء اللہ کرتا رہے گا۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں' قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اب اس کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ رسول اور نہ ہی کوئی کتاب یا صحیفہ اس لیے کہ تمام مخلوق کے مسائل کا حل اس میں موجود ہے۔ ہر زمانے کے لوگ اپنے اپنے حالات کے مطابق استفادہ کرتے آئے ہیں' آئندہ بھی کرتے رہیں گے اور یہ خصوصیت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے کلام ہی کی ہو سکتی ہے۔ پہلے وقتوں میں آج کی طرح نقل و حمل و رسل و رسائل کے مواقع اتنے نہیں تھے اس لیے ایک سے دوسری جگہ علوم و ایجادات پہنچنے میں سالہا سال لگ جاتے تھے۔

زمانہ حال کی جدید ایجادات اور خصوصاً الیکٹرانک ایجادات نے تو پوری دنیا کو ایک گھر کی صورت میں یکجا کر دیا یعنی Global Village اور سالوں کی مسافت سمٹ کر سیکنڈ کے ہزارویں حصہ تک آ گئی ہے اس لیے زمانے اور وقت کی رفتار بھی اتنی ہی تیزی سے تبدیل ہو

رہی ہے۔ آنے والے وقتوں میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوں گی، ان کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی پر ایمان لانے والوں میں بڑی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ خصوصاً جدید علوم کے ماہرین اور سائنسدانوں کی کثیر تعداد اسلام کی حقانیت کا اعتراف کرتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہو رہی ہے اور یورپ میں تو بہت ہی اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔

بات کہاں سے کہاں تک چلی گئی! بات تو ہو رہی تھی اسرار التنزیل کے ہوتے ہوئے اکرم التفاسیر کے منظر عام پر آنے کی لہٰذا اسرار التنزیل کی اپنی ایک افادیت ہے۔ یہ 1971ء کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی معیت میں اپنے گھر کی حاضری کا شرف بخشا جس میں ساتھیوں کی کثیر تعداد بھی مقامِ ملتزم پر حاضر تھی۔ جس دربار سے کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹا' عطاو کرم کی اس بارش میں اہلِ بصیرت نے دیکھا کہ فہمِ قرآن کا پیغام قلب پر وجدان کی صورت میں نازل ہوا۔ اسی پیغام کو اہل دل کی امانت سمجھتے ہوئے سپردِ قلم کر دیا کہ شاید اپنے اہل تک پہنچ جائے۔

اسرار التنزیل کا انداز عام فہم اور اجمالی ہے جبکہ اکرم التفاسیر میں حالاتِ حاضرہ کے مطابق ذرا بحث کو وسیع کیا گیا ہے۔ یہ بات اہلِ علم پر عیاں ہے اور پڑھنے والوں کے لیے رشد و ہدایت کا موجب بنے گی۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے' نجاتِ اخروی کا سبب بنائے اور رضائے الٰہی نصیب فرمائے (آمین)

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف

امیر محمد اکرم

مولانا محمد اکرم اعوان
شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ
دارالعرفان منارہ ضلع چکوال

امیر المکرم بحیثیت مفکرِ قرآن

یہ اعجازِ قرآن ہے کہ بدلتے ہوئے حالات و واقعات اور علوم میں ارتقاء کے باعث مفسرینِ کرام قرآنی علوم کی وہ جہتیں بھی آشکار کر رہے ہیں جو پہلے مفسرین کی نگاہوں سے اوجھل رہیں۔ اگر یہ قرآن و حدیث کی معین کردہ حدود کے اندر اور اللہ کے دین اور شریعت کے مزاج سے ہم آہنگ ہیں تو یہ بھی آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کا ہی پرتو ہے جو بطور علم لدُنّی ان علمائے ربانی کو عطا ہوئے۔ امیر المکرم کے خطابات سے ماخوذ اکرم التفاسیر بھی فی زمانہ حالات و واقعات اور علوم جدیدہ کا احاطہ کرتے ہوئے علم لدُنّی کی ایسی روشن مثال ہے جس میں نہ صرف علوم مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیاء نظر آتی ہے بلکہ برکاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم قلوب کو تحریک بخشتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔

قرآن کے مضامین میں اس قدر وسعت اور تنوع ہے کہ ان کی کسی فہرست کو حتمی قرار دینا ممکن ہی نہیں لیکن قرآن حکیم کا ہر مضمون ایک نظریہ اور فکر کی بات کرتا ہے۔ امیر المکرم سے یہ سوال کیا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ قران میں کثرت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا تذکرہ نظر آتا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ موسیٰ اور فرعون ہر زمانہ، ہر دور اور ہر معاشرے کے دو مرکزی کردار بھی ہیں جن کے مابین حق و باطل کا معرکہ مسلسل بپا ہے اور قرآن میں جا بجا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے حوالے سے حق و باطل کے اسی معرکے کا تذکرہ ہے۔ حق و باطل کا یہی معرکہ قرآن کا مرکزی مضمون ہے۔ گرانقدر علمی مباحث قرآن کی معروف تفاسیر کی زینت تو نظر آتے ہیں لیکن قرآن کے اس مرکزی مضمون یا بالفاظ دیگر ''فکرِ قرآنی'' پر بہت کم بات کی گئی۔

دشمنانِ اسلام آج کھل کر قرآن کی مخالفت پر تل گئے اور اس کے پیغام کو دبانے کے

لیے اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے ہیں لیکن کیا وہ قرآن کے عائلی قوانین سے خائف ہیں، قانون وراثت سے پریشان ہیں، جنت ودوزخ یا ثواب وعذاب سے گھبرا رہے ہیں؟ نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ کفار کا تو ان پر ایمان ہی نہیں۔ آج ساری کی ساری طاغوتی قوتیں اس قرآنی فکر سے لرزہ براندام ہیں جو دائمی غلبہ حق کی نوید دیتی ہے اور امیر المکرم اسی قرآنی فکر کے نقیب ہیں۔ اکرم التفاسیر میں آپ نے اسی فکرِ قرآنی کو اجاگر کیا ہے' جو اس تفسیر کا طرہ امتیاز ہے۔

امیر المکرم کفار کے لیے اللہ تعالیٰ کے اٹل قانون قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ کی روشنی میں طاغوتی قوتوں کو آگاہ کرتے ہیں کہ تمہارے لیے دائمی شکست کا فیصلہ فرما دیا گیا ہے اور ذلت و رسوائی تمہارا مقدر ہے۔ غلبۂ حق کو روکنا اب تمہارے بس کی بات نہیں۔ اپنے خطابات میں آپ بکھری ہوئی ملت کو دعوت دیتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ آؤ پھر کسی یکتائی سے عہد غلامی کرلو۔ تمہاری ذمہ داری کوئی ایک معاشرہ، قوم یا ملک نہیں بلکہ پوری انسانیت ہے۔ قرآن نے انقلاب دشمن سازشوں سے آگاہ کرتے ہوئے یہود کی طویل فردِ جرم بیان کی ہے جس میں انبیاء علیہم السلام سمیت اہلِ حق کے قتل کے جرائم بھی ہیں۔ امیر المکرم نے قرآنی فرمودات کی روشنی میں عالمی حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے عصرِ حاضر میں یہود کے سازشی کردار کو اس طرح بے نقاب کیا ہے کہ صیہونیت صرف عالمِ اسلام ہی کی نہیں بلکہ پوری انسانیت کی دشمن نظر آتی ہے۔

یہ دور اسی فکرِ قرآنی کی پہچان کا دور ہے اور امیر المکرم نے بھرپور انداز میں اسے اجاگر کیا ہے۔ کفر اپنے لیے اس خطرے کو اس حد تک پہچان چکا ہے کہ عملی اقدام پر اتر آیا ہے لیکن حضرت امیر المکرم قرآن کی روشنی میں حالات وواقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے غزوۃ الہند کی نوید دے رہے ہیں۔ آپ سورۃ آلِ عمران کی آیت نمبر 12 کے ضمن میں فرماتے ہیں:

''کفار کے لیے یہ آیۂ کریمہ قیامت تک کے لیے نوید شکست ہے اور میں بڑی بے باکی سے کہتا ہوں، پورے یقین، پورے ایمان سے منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بیٹھ کر کہہ رہا ہوں کہ دنیا کی کافر سپر طاقتیں پھر شکست سے دوچار ہوں گی اور ان شاء اللہ پھر غلبۂ اسلام ہوگا۔''

چونکہ تفسیر کا انداز بیانیہ ہے، تو امیر المکرم کے زوردار اندازِ بیان میں فکرِ قرآنی جب قاری تک پہنچتی ہے تو اس کے دل میں ایک تحریک بپا کر دیتی ہے، یہاں تک کہ اسے آنے والے انقلاب کی چاپ سنائی دینے لگتی ہے۔

امیر المکرم نے فکرِ قرآنی کی بات کرتے ہوئے امت میں ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت پھیلائی گئی اس غلط فہمی کو بھی دور کرنے کی کوشش کی ہے کہ حالات کو بدلنے کے لیے کسی امام مہدی کا انتظار کیا جائے۔ یہ موہوم امید افیون سے کم نہیں جس نے امت کو سلا دیا کہ اب کفر سے نبٹنا ہمارے بس کی بات نہیں اور یہ کام امام مہدی ہی کریں گے۔ حضرت کے خطبات بے عملی کی اس کیفیت سے بیداری کا پیغام ہیں کہ اُمت پہ ابھی بے بسی کا دور نہیں آیا۔ ہر فرد ملت کے مقدر کا ستارہ ہے اور ہر فرد کو امام مہدی کا کردار ادا کرنا ہوگا۔ امیر المکرم امام مہدی کی آمد کی بجائے غلبۂ حق کو بہت قریب دیکھ رہے ہیں۔ یہی قرآنی فکر ہے جو ہر عہد میں حق و باطل کے معرکے کو مہمیز کرتی ہے، جو ہر دور میں خونِ مسلم کو گرم اور اُمتِ مسلمہ کو متحرک رکھتی ہے۔ امیر المکرم نے اکرم التفاسیر میں یہ فکر اس قدر نمایاں طور پر پیش کی ہے کہ وہ مفسرِ قرآن سے آگے مفکرِ قران نظر آتے ہیں اور یاد رہے! ہر انقلاب کے پیچھے کوئی مفکر ہوتا ہے۔

چھ جلدوں پر محیط تفسیر ''اسرار التنزیل'' کے حوالے سے امیر المکرم کی پہچان بطور مفسرِ قرآن تو مسلمہ ہے لیکن اب ''اکرم التفاسیر'' کی صورت آپ نے جس طرح قرآنی فکر کو اجاگر کیا ہے، آپ کا تعارف بطور ''مفکرِ قرآن'' حاوی نظر آتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مفکرِ قرآن امیر المکرم کو صحت اور عمر دراز عطا فرمائے کہ یہ بیانیہ تفسیر نہ صرف مکمل ہو بلکہ آپ انقلاب بپا ہوتا ہوا بھی دیکھیں۔

ابوالاحمدین

ابوالاحمدین

فہرست مندرجات

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
1	سورۃ الذّٰریٰت رکوع 2 آیات 31 تا 46	15
2	تفسیر و معارف	16
3	عبرت حاصل کرنے والے کے لیے دلائل:	16
4	لوط علیہ السلام کی قوم کے واقعے میں عبرت ہے:	17
5	موسیٰ علیہ السلام کے واقعے میں عبرت ہے:	19
6	قومِ عاد:	21
7	قومِ ثمود:	22
8	نوح علیہ السلام کی قوم:	22
9	سورۃ الذّٰریٰت رکوع 3 آیات 47 تا 60	24
10	تفسیر و معارف	25
11	اللہ کے نظام میں کوئی دخل نہیں دے سکتا:	26
12	شعور، عظمتِ الٰہی کو جاننے کا سبب بنایا گیا ہے:	28
13	یاد رہے! دامانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم شریعت کے اندر ہے:	29
14	سورۃ الطور رکوع 1 آیات 1 تا 28	32
15	تفسیر و معارف	34
16	عذابِ الٰہی واقع ہو کر رہے گا:	34
17	طور کی قسم:	34
18	کتاب کی قسم:	34
19	بیت المعمور کی قسم:	35
20	اونچی چھت کی قسم:	35
21	سمندر کی قسم:	35
22	جھٹلانے والوں کا انجام:	36
23	سورۃ الطور رکوع 2 آیات 29 تا 49	42
24	تفسیر و معارف	44
25	بدکار مزاجاً برائی پسند کرتا ہے:	45
26	غیب کیا ہے؟	48
27	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہ ماننا خود کو سخت مصیبت میں ڈالنا ہے:	49

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
28	عالم اور جاہل کا فرق:	51
29	سورۃ النجم رکوع 1 آیات 1 تا 25	53
30	تفسیر و معارف	54
31	ربّ کائنات کا نظام گواہ ہے:	55
32	صَاحِبُکُم سے مراد:	56
33	اسراء اور معراج میں قربِ الٰہی:	60
34	فواد:	61
35	شانِ عبدیت:	61
36	مناصب:	62
37	کفار کو جواب:	62
38	جبرئیل امین کو دوسری بار کہاں دیکھا؟	65
39	حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا استقبال:	66
40	دیدارِ باری:	67
41	علما کی دو رائے:	67
42	کفر کی حقیقت:	68
43	اپنے آپ کو اللہ کے فیصلوں کے مطابق ڈھال کر انسانی ذمہ داریاں پوری کرو:	69

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
44	سورۃ النجم رکوع 2 آیات 26 تا 32	71
45	تفسیر و معارف	72
46	وہم و گمان سے حقیقت تبدیل نہیں ہوا کرتی:	73
47	اللہ کی یاد سے روگردانی کی سزا:	74
48	کارخانۂ قدرت اس لیے چل رہا ہے کہ۔۔۔:	77
49	نیک کون؟	78
50	اپنے پارسا ہونے کا دعویٰ نہ کرو:	79
51	سورۃ النجم رکوع 3 آیات 33 تا 62	80
52	تفسیر و معارف	81
53	ایک حتمی فیصلہ:	83
54	ایصالِ ثواب:	84
55	نافرمانی کا انجام:	86
56	جان لو کہ بعثتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم عظیم نعمت ہے:	87
57	سورۃ القمر رکوع 1 آیات 1 تا 22	89

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
58	تفسیر و معارف	91
59	ہر گناہ کا محرک انسان کے نفس کی خواہشات ہیں:	92
60	دانش مند کون؟	93
61	ہمیں اپنے رویوں پر غور کرنا ہوگا:	93
62	سورۃ القمر رکوع 2 آیات 23 تا40	98
63	تفسیر و معارف	99
64	اعجازِ قرآن:	101
65	قرآن سمجھنے کے لیے آسان:	102
66	عذابِ الٰہی محیط ہے۔ بچنے کے لیے۔۔۔:	102
67	سورۃ القمر رکوع 3 آیات 41 تا55	105
68	تفسیر و معارف	106
69	کفر کا نعرہ دورِ حاضر کی زبان پر:	108
70	ہر شے ایک اندازے پر پیدا کی گئی ہے:	109
71	لفظ شیعہ کا قرآن میں استعمال:	109
72	ہر شے علمِ الٰہی میں موجود ہے:	110
73	سورۃ الرحمٰن رکوع 1 آیات 1 تا25	111
74	تفسیر و معارف	112
75	صفاتِ الٰہی کو دوام ہے:	112
76	علوم قرآن بہت بڑا احسان:	113
77	قوتِ بیانیہ اور اُس کا بہترین مصرف:	114
78	کائنات میں ہر چیز توازن پر قائم ہے:	115
79	توازن قائم رکھنا انسان کی ذمہ داری ہے:	116
80	زمین اور اس میں اللہ کی بے شمار نعمتیں:	117
81	کس کس نعمتِ باری کا انکار کرو گے؟	118
82	سورۃ الرحمٰن رکوع 2 آیات 26 تا45	122
83	تفسیر و معارف	123
84	دنیا کو فنا ہے، ذاتِ باری کو بقا ہے:	124
85	آخرت میں جوابدہی، یقینی بات ہے:	125
86	کفرانِ نعمت کی سزا:	127
87	سورۃ الرحمٰن رکوع 3 آیات 46 تا78	131
88	تفسیر و معارف	133

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
89	آخرت میں انعاماتِ الٰہی:	133
90	کیا جنات جنت میں جائیں گے؟	134
91	بھلائی کا بدلہ بھلا ہے:	136
92	حور:	137
93	اسمِ ذات، سب نعمتوں کی کنجی:	139
94	سورۃ الواقعۃ رکوع1 آیات 1 تا38	140
95	تفسیر و معارف	142
96	قیامت اور انسانوں کی درجہ بندی:	142
97	مقربین پر انعامات:	144
98	جنت کے ماحول کا ایک خوبصورت پہلو:	146
99	داہنے ہاتھ والے:	147
100	سورۃ الواقعۃ رکوع2 آیات 39 تا74	149
101	تفسیر و معارف	151
102	اصحابِ یمین کی کثرت:	151
103	بائیں ہاتھ والے اور اُن کا انجام:	152
104	تخلیقِ باری اور قدرت کاملہ پر غور کی دعوت:	154
105	اظہارِ تشکر:	158
106	سورۃ الواقعۃ رکوع3 آیات 75 تا96	159
107	تفسیر و معارف	160
108	نظامِ کائنات قرآن کی عظمت پر گواہ ہے:	160
109	طہارت اور مَسِ قرآن:	162
110	نزولِ قرآن، اللہ کی ربوبیت کا تقاضا:	163
111	احوال عند الموت:	164
112	قبر میں عذاب وثواب:	166
113	جائے پناہ، ذکرِ اسمِ ذات:	168
114	سورۃ الحدید رکوع1 آیات 1 تا10	169
115	تفسیر و معارف	171
116	کائنات کی ہر شئے اللہ کی تسبیح کرتی ہے:	171
117	اللہ کی صفاتِ عالی:	172
118	چھ دنوں میں ارض وسما کی تخلیق:	175
119	معیتِ باری:	177

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
120	زمینوں اور آسمانوں میں اللہ کی بادشاہت ہے:	179
121	آسان ترین حل:	180
122	اسبابِ ہدایت:	183
123	وقت، خلوص و جاں نثاری، نتائج کو متاثر کرتے ہیں:	187
124	سورۃ الحدید رکوع 2 آیات 11 تا 19	190
125	تفسیر و معارف	192
126	اللہ کریم کو قرضِ حسنہ دینے سے کیا مراد ہے:	192
127	مومنین کے لیے نور:	193
128	منافقین کا حال:	195
129	منافقین اور کفار کا انجام:	197
130	ذکرِ قلبی:	197
131	دین کو ثانوی درجے میں رکھنا قساوتِ قلبی کا سبب ہے:	198
132	صدیق اور شہید:	199

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
133	سورۃ الحدید رکوع 3 آیات 20 تا 25	201
134	تفسیر و معارف	202
135	دنیا کی زندگی کی حقیقت:	202
136	نیکیوں میں سبقت لے جاؤ:	204
137	اللہ کا فضل کیا ہے:	205
138	زندگی کا نظام طے شدہ ہے:	206
139	بعثتِ انبیاؑ و رسلؑ، نزولِ کتاب اور میزان:	209
140	جہاد:	210
141	سورۃ الحدید رکوع 4 آیات 26 تا 29	212
142	تفسیر و معارف	213
143	حضرت نوح علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک:	213
144	اتباعِ نبویؐ کا صِلہ:	214
145	رہبانیت:	215
146	بعثتِ عالی کے بعد سب کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری ہے:	216

اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ
اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ (البقرہ:32)

مَولَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِكَ مَنْ زَانَتْ بِهِ الْعُصُرُوا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ
وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ
مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

پارہ 27 قال فما خطبکم

سورۃ الذٰریٰت رکوع 2 آیات 31 تا 46

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ
مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ﴿۳۳﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ
لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۴﴾ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَمَا وَجَدْنَا
فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَتَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ
الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۳۷﴾ وَفِيْ مُوْسٰٓى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾
فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِى
الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۴۰﴾ وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ﴿۴۱﴾ مَا
تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ ﴿۴۲﴾ وَفِيْ ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ
تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۴۳﴾ فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ
يَنْظُرُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَقَوْمَ
نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۴۶﴾

فرمایا اے بھیجے جانے والو! (فرشتو) پھر تمہاری مہم کیا ہے؟ ﴿۳۱﴾ انہوں نے کہا بے شک ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں ﴿۳۲﴾ تاکہ ان پر کھنگر کے پتھر برسائیں ﴿۳۳﴾ جن پر آپ کے پروردگار کے پاس (یعنی عالم غیب میں) خاص نشانیاں بھی ہیں حد سے گزرنے والوں کے لیے ﴿۳۴﴾ پس اس

میں جتنے ایمان والے تھے ہم نے ان کو نکال لیا ﴿۳۵﴾ پھر اس میں ایک گھر کے سوا مسلمانوں کا کوئی گھر نہ پایا ﴿۳۶﴾ اور جو لوگ دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں ہم نے ان کے لیے وہاں نشانی چھوڑ دی ﴿۳۷﴾ اور موسیٰ (علیہ السلام) کے قصہ میں جب ہم نے ان کو کھلی دلیل دے کر فرعون کے پاس بھیجا ﴿۳۸﴾ پھر اس نے اپنی طاقت (کے گھمنڈ) پر منہ موڑ لیا اور کہنے لگا یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ﴿۳۹﴾ تو ہم نے اس کو اور اس کے لشکروں کو پکڑ لیا پھر انہیں دریا بُرد کر دیا اور وہ کام ہی ملامت کے کرتا تھا ﴿۴۰﴾ اور عاد کے حالات میں جب ہم نے ان پر نامبارک آندھی بھیجی ﴿۴۱﴾ وہ جس چیز پر گزرتی تھی اس کو ریزہ ریزہ کیے بغیر نہ چھوڑتی تھی ﴿۴۲﴾ اور ثمود (کے واقعہ) میں، جب ان سے کہا گیا کہ ایک مدت (تھوڑے دنوں) تک فائدہ اٹھا لو ﴿۴۳﴾ پس ان لوگوں نے اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی۔ سو ان کو کڑک نے آ پکڑا اور وہ دیکھ رہے تھے ﴿۴۴﴾ پھر نہ تو اٹھنے کی طاقت رکھتے تھے اور نہ ہی مقابلہ کر سکتے تھے ﴿۴۵﴾ اور ان سے پہلے نوح (علیہ السلام) کی قوم (بھی تباہ ہوئی) یقیناً وہ بڑے نافرمان لوگ تھے ﴿۴۶﴾

تفسیر و معارف

عبرت حاصل کرنے والے کے لیے دلائل:

سورت کی ابتدا سے اللہ کریم کی عظمت کی نشانیوں کا ذکر جاری ہے تا کہ لوگ بھلے کام کرنے والوں کے نیک انجام سے ہدایت حاصل کریں اور نافرمانوں کو ہلاک کیے جانے سے عبرت حاصل کریں۔ اسی تسلسل میں یہاں انبیا کو جھٹلانے والوں کی بربادی کا ذکر ہو رہا ہے کہ ان قوموں کی مادّی ترقی ان کو اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکی۔ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لیے تسلی کا پیغام ہے اور عبرت حاصل کرنے کے لیے دلائل ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام کو جب فرشتوں نے برگزیدہ بیٹے کی ولادت کی بشارت دی تو آپؑ نے دریافت فرمایا کہ تم صرف یہی خبر دینے کے لیے تو نہیں آئے ہو، کوئی اور مقصد بھی ہوگا، وہ کیا ہے؟ ارشاد ہوتا ہے: قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ

اَیُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۱﴾ فرمایا، اے بھیجے جانے والو! (فرشتو) پھر تمہاری مہم کیا ہے؟ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾ انہوں نے کہا بے شک ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ﴿۳۳﴾ تاکہ ان پر کھنگر کے پتھر برسائیں۔ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۴﴾ جن پر آپ کے پروردگار کے پاس (یعنی عالم غیب میں) خاص نشانیاں بھی ہیں حد سے گزرنے والوں کے لیے۔

لوط علیہ السلام کی قوم کے واقعے میں عبرت ہے:

ابراہیم علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کا زمانہء نبوت ایک ہے۔ دریا کے ایک طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبوت تھی دوسری طرف حضرت لوط علیہ السلام کی نبوت تھی۔ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہلے آئے۔ آپؑ نے دریافت فرمایا تو انہوں نے عرض کی کہ ہم ایک قوم پر عذابِ الٰہی گرانے آئے ہیں۔ اس قوم پر مٹی کے بنے ہوئے کنکر برسائیں گے۔ پتھروں کی بے شمار قسمیں ہیں۔ مثلاً چٹانوں سے نکلا پتھر۔ زمین کی کھدائی میں نکلنے والا پتھر۔ کھنگر ایسے پتھر ہیں جن کے بہت سے کونے ہوں اور کسی ایک شکل کے نہ ہوں۔ انہوں نے کہا کہ وہ ایسے پتھر ہیں جن پر آپ کے پروردگار نے نشان لگا رکھے ہیں۔ حد سے گزر جانے والوں کے لیے۔ یعنی ہر گناہگار کے نام کا ایک پتھر ہے جو آسمانوں سے برسایا جائے گا اور وہ اس تک ہر حال میں پہنچے گا خواہ وہ کہیں بھاگ جائے وہ پتھر اس کا پیچھا کر کے اسی کو لگے گا۔ وہ پتھر جس کو لگتا اسے ریزہ ریزہ کر دیتا۔ یہ قوت پتھر کی نہیں عذابِ الٰہی کی تھی! جیسے ابرہہ کے ہاتھیوں پر ابابیل بھیجے گئے تھے۔ ابابیل ایک چھوٹا سا پرندہ ہے۔ اس نے اپنی چونچ اور پنجے میں کتنا بھاری پتھر اٹھایا ہوگا؟ آخر کنکر ہی ہوں گے لیکن وہ ہر کنکر ہاتھی پر گرتا اور اسے ریزہ ریزہ کر دیتا تھا۔ لوط علیہ السلام کی قوم پر بھی اسی طرح عذاب آیا۔

دنیا میں سب سے پہلے ہم جنس پرستی انہوں نے شروع کی تھی۔ جیسا کہ لوط علیہ السلام کا ارشاد ملتا ہے کہ تم سے پہلے کسی قوم میں یہ برائی نہ تھی جو تم نے شروع کی ہے۔ اس قوم پر جب گرفت آئی تو ان پر بڑے عجیب عذاب وارد ہوئے۔ پہلے ان کھنگروں والے پتھروں کی بارش ہوئی۔ پھر وہ ساری زمین اکھیڑ لی گئی۔ اسے آسمانوں کے قریب لے جا کر وہاں سے الٹ دیا گیا۔ وہاں ایک بہت بڑا گڑھا بن گیا اسی گڑھے میں آ کر نچلی سطح اوپر اور اوپر کی سطح نیچے ہو کر گر گئی۔ آج بھی یہ گڑھا موجود ہے۔ اسے بحیرہ مردار کہتے ہیں۔ اس کا پانی سیاہ ہے اور اس میں حیات نہیں ہے۔ اس میں کوئی شے زندہ نہیں رہ سکتی۔ سمندر کی جو مچھلیاں اس گڑھے میں آ گرتی ہیں وہ بھی مر جاتی ہیں۔

یہ واقعات بتاتے ہیں کہ کس قسم کے کردار پر کس طرح کے عذاب وارد ہوتے ہیں تاکہ عبرت حاصل کرنے والے عبرت پکڑ لیں اور اصلاح کر لیں۔ تقدیر دو طرح سے ہے۔ قضائے مبرم اور قضائے معلق۔ قضائے مبرم، اللہ جل شانہٗ کے وہ قطعی فیصلے ہیں جو ہر ایک پر نافذ ہوتے ہیں۔ جیسے یہ کہ کوئی کہاں پیدا ہوگا، اس کی صورت کیسی ہوگی، زندگی کتنی ہوگی، رزق کتنا ہوگا، صلاحیتیں کیا ہوں گی، موت کب آئے گی؟ دوسری قضائے معلق ہے Hanging Decision جو انسان کے کردار کے ساتھ جوڑ دی گئی ہے۔ اگر وہ اللہ کی راہ میں چلتا ہے، نیکی کرتا ہے تو بہت سی مصیبتیں ٹل جاتی ہیں اور بندہ انعامات پاتا ہے۔ اگر برائی کی طرف چلا جاتا ہے تو اس کے نتائج بھگتنا پڑتے ہیں۔ یہ جو قوموں کی قومیں ہلاک ہوئیں ان پر ان کے کردار کی وجہ سے قضائے معلق مسلّط کی گئی۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے دو راستے ہوں۔ ایک راستہ محفوظ راستہ ہے دوسرا راستہ ڈاکوؤں سے بھرا ہوا ہے۔ دونوں راستے ایک ہی شہر کو جاتے ہیں۔ اب یہ بندے کی پسند پر ہے کہ وہ کون سے راستے پر جانا چاہتا ہے۔ اگر کردار برا ہے تو اس پر اللہ کے عذاب ہی آتے ہیں۔

ہمارے ہاں یہ بات رواج پا گئی ہے کہ جب پریشانیاں آ جائیں تو کہتے ہیں کہ کسی نے جادو کر دیا ہے۔ ایسا کہنے والے یوں تو معاشی طور پر آسودہ حاصل ہوتے ہیں کھاتے پیتے ہوتے ہیں لیکن ایک دوسرے سے لڑتے رہتے ہیں۔ کوئی ایک دوسرے سے سیدھے منہ بات نہیں کرتا۔ انہیں عجیب وغریب بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں بچے کہا نہیں مانتے، برائی پر لگ جاتے ہیں۔ یہی کہتے ہیں کہ کسی نے کچھ کر دیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اللہ کا نظام اتنا کمزور نہیں کہ جادوگر اس میں مداخلت کرے اور کسی پر مصیبت بھیج دے یا کسی کی مصیبت دور کر دے۔ ایسا نہیں ہوسکتا۔ یہ ممکن ہی نہیں۔ یہ غیر مسلم اقوام کے اوہام ہیں۔ مسلمان کو ایسا نہیں سوچنا چاہیے۔ مسلمان کو چاہیے وہ اپنے کردار کا جائزہ لے۔ ہوسکتا ہے وہ سود کھا رہا ہو۔ کسی حق دار کا حق مار رہا ہو۔ روزمرہ کے معاملات دین سے ہٹے ہوئے ہوں۔ اپنے کردار کو دیکھیں، لازماً کہیں کوئی خرابی ہے۔ اسے درست کریں۔ باقی سب درست ہو جائے گا۔ کردار کے نتیجے میں پیش آنے والی مصیبت قضائے معلق ہے۔ آپ اپنے آپ کو درست کر لیں۔ بہتری آنے لگ جائے گی۔

قدرتِ باری کا قانون یہ ہے کہ جب کسی قوم پر قضائے معلق آتی ہے تو اس قوم کے اطاعت گزار لوگوں کو اللہ کریم اپنی رحمت سے محفوظ رکھتے ہیں۔ جب لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب کا حکم آ گیا اور ساری زمین کو ہی الٹا دینا مقدر ہو گیا تو پیغمبرؑ کو فرما دیا گیا کہ اللہ کے ایمان دار بندوں کو لے کر اس زمین کو چھوڑ کر باہر چلے جائیں۔ فرمایا: فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۳۵ پس اس میں جتنے ایمان والے تھے، ہم نے ان کو نکال لیا۔ اللہ کریم

فرماتے ہیں کہ جو ہمارے ماننے والے تھے جو ہمارے فرماں بردار تھے، ان مومنین کو ہم نے وہاں سے نکال لیا۔ یہی قانونِ الٰہی آج بھی جاری ہے۔ جو لوگ برے ماحول میں حق پر قائم رہتے ہیں۔ اپنے عمل و کردار سے حق کی تبلیغ کرتے ہیں۔ اپنی عبادات میں خلوص رکھتے ہیں بُرا ماحول انہیں کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا۔

فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٣٦﴾ پھر اس میں ایک گھر کے سوا مسلمانوں کا کوئی گھر نہ پایا۔ اگرچہ مفسرین نے لکھا ہے کہ ان آبادیوں میں بہت سے گنجان آباد شہر تھے۔ تفاسیر میں چار شہروں کا تذکرہ کیا گیا ہے جن میں ایک بہت بڑا شہر صدوم تھا۔ اس پورے علاقے سے اللہ کے نیک بندوں کو نکال لیا گیا جو اتنے کم تھے کہ فرمایا گیا ہے کہ وہاں تو مسلمانوں کا صرف ایک ہی گھر تھا یعنی چند لوگ تھے جو اسی گھر کے افراد تھے۔

وَتَرَكْنَا فِيهَا آيَةً لِّلَّذِينَ يَخَافُونَ الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿٣٧﴾ اور جو لوگ دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں ہم نے ان کے لیے وہاں نشانی چھوڑ دی۔ اس علاقے کو اس دردناک عذاب کی وجہ سے ہم نے اللہ کے عذابوں سے ڈرنے والوں کے لیے نشانی بنا دیا۔ نشانِ عبرت بنا دیا۔ وہ جگہ آج بھی نشانِ عبرت بنی ہوئی ہے۔ اگرچہ اب یہودیوں نے اس کے بارے مشہور کر دیا ہے کہ یہاں تیراکی کرنے سے شفا ہوتی ہے۔ وہ جگہ جہاں اللہ کا عذاب آیا اب وہاں مرد و زن تیرتے ہیں۔ اللہ کریم تو یہ واقعات اس لیے سنا رہے ہیں کہ جو عبرت پکڑنا چاہے وہ پکڑ لے اور ہدایت کی طرف آ جائے۔

موسیٰ علیہ السلام کے واقعے میں عبرت ہے:

فرمایا، اسی طرح عبرت کی داستان موسیٰ علیہ السلام کے واقعے میں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: **وَفِي مُوسَىٰ إِذْ أَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ** ﴿٣٨﴾ اور موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں جب ہم نے ان کو کھلی دلیل دے کر فرعون کے پاس بھیجا۔ اس واقعے میں عظمتِ الٰہی کی بہت بڑی دلیل ہے۔ فرعون اپنے عہد کا بہت بڑا اور مطلق العنان حکمران تھا۔ ایسا متکبر کہ خود کو لوگوں کا رب کہتا اور ان سے خود کو سجدے کرواتا تھا۔

کفر کے معاملات بھی ایسے عجیب ہوتے ہیں جو انسانی عقل و شعور میں نہیں سماتے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ فرعون خدائی کا دعویدار بھی تھا اور خود بتوں کی پوجا بھی کرتا تھا جیسے ہندو گائے کے پیشاب کو اشیاء کو پاک کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں، برکت کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ ہندوؤں کی دواؤں میں اکثر میں اس غلاظت کی ملاوٹ ہوتی ہے۔ بڑی بڑی عالیشان عمارات بناتے ہیں اور افتتاح کے لیے گائے کو اندر لے جاتے ہیں وہ پیشاب کرتی ہے تو افتتاح ہوتا ہے۔ مذہبی لوگ گائے کا پیشاب بوتل میں لے کر جیب میں لیے پھرتے ہیں۔ کسی اچھوت یا غیر مذہب

والے سے ہاتھ ملا لیا یا لباس مَس ہو گیا تو اس کی نحوست دور کرنے کے لیے بوتل سے نکال کر اسے اپنے اوپر چھڑکتے ہیں۔ بندروں کی، سانپ کی، درختوں کی پوجا کرتے ہیں۔ اس میں کون سی عقلی دلیل ہے۔ یہ کیا دلیل ہے کہ انسان جانوروں کے سامنے سجدہ ریز ہو اور جانوروں کی غلاظت کو غذا اور دوا بنائے؟ دراصل کفر میں کوئی دلیل نہیں ہوتی۔

خلافِ اسلام پراپیگنڈا کرنے والے کہتے ہیں کہ اسلام کے حکم سمجھ نہیں آتے۔ یہ تو انسانی عقل و شعور میں نہیں آتے! یہ بہت بڑا جھوٹ ہے۔ اسلام کا کوئی حکم ایسا نہیں جو عقلِ انسانی میں نہ سماتا ہو اور جس کے موزوں ہونے کے عقلی دلائل موجود نہ ہوں اور کفر کا کوئی کام ایسا نہیں جو عقل میں آتا ہو! اس میں کیا دلیل ہے کہ فرعون خدا بھی بنا بیٹھا ہے اور محل میں بت بھی کھڑے کر رکھے ہیں جن کی عبادت کرتا ہے؟

فرمایا، ہم نے اپنے عظیم پیغمبر موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو روشن دلیلیں اور واضح معجزات دے کر وقت کے اس متکبر ترین حکمران کی طرف بھیجا جو اپنی خدائی کا دعویٰ کیے بیٹھا تھا۔ اللہ کے یہ دو بندے، خالی ہاتھ، تیر نہ تلوار، فوج نہ لاؤ لشکر، دولت نہ عوام کا انبوہِ کثیر کچھ بھی نہیں۔ سادہ ترین لباس میں ملبوس جو ایک کمبل پر مشتمل تھا۔ اس کے دونوں اطراف کانٹے پرو کر بند کیا گیا تھا۔ کچے چمڑے کے بنے ہوئے جوتے پہن رکھے تھے۔ اور ایسے آدمی کے سامنے کھڑے تھے جس کے دربان بھی عالیشان لباس اور سونے کے کنگن پہنے ہوئے تھے۔ اصل بات یہ تھی کہ بات دولت ہونے یا نہ ہونے کی نہیں تھی۔ بات دلیل کی تھی۔ اللہ جل شانہٗ نے اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کو روشن دلائل دے کر بھیجا تھا۔ لیکن فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿٣٩﴾ پھر اس نے اپنی طاقت (کے گھمنڈ) پر منہ موڑ لیا اور کہنے لگا یہ جادوگر ہے یا دیوانہ۔ فرعون نے اپنی طاقت کے گھمنڈ میں آپؑ کی بات کی پروا نہ کی، اسے کوئی اہمیت نہ دی، اس پر غور ہی نہ کیا۔ اتنا تکلف بھی نہ کیا کہ سوچتا کہ جو کچھ آپؑ فرما رہے ہیں وہ سچ ہے یا جو میں کہہ رہا ہوں وہ سچ ہے؟ معجزات دیکھے تو کہنے لگا کہ یہ کوئی جادوگر ہے جو اپنی چیزیں پیش کر رہا ہے یا دیوانہ ہے۔ ایسی باتیں کرتا ہے جو کسی کی عقل میں نہیں آتیں۔

ہر عہد کے منکرین نے انبیاؑ کی شان میں ایسی ہی گستاخانہ باتیں کی ہیں جن کی پاداش میں وہ عذابِ الٰہی کی گرفت میں آتے رہے۔ شیطان انسان کا ایسا دیرینہ دشمن ہے کہ اس کا وطیرہ ہے کہ جو اعتراض گزشتہ معذب قوموں کے افراد کے منہ سے نکلا کرتے تھے جن پر عذاب واقع ہوتا تھا، وہی اعتراض کفار کے منہ سے نکلوائے تاکہ ان پر ویسا ہی غضبِ الٰہی بھڑکے۔ یہی ہوا، وہی اعتراض عہدِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ان کفار کے منہ سے نکلتے تھے جس کے نتیجے میں ان لوگوں پر عذاب واقع ہوا اور وہ بدر واحد میں ہلاک ہوئے۔ عجیب بات ہے، بعینہٖ وہی الفاظ آج کے

معترضین کے منہ سے نکلتے ہیں۔ شیطان یہی کوشش کرتا ہے کہ ان پر بھی وہی عذاب واقع ہوں۔

یہ اللہ کا احسان ہے کہ اسی طرح جس کی زبان پر اللہ کا کلام ہوتا ہے اس کو ان برکات سے حصّہ ملتا ہے جو انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ نازل ہوتی ہیں۔ اسی لیے ضروری ہے کہ تلاوت روزانہ کی جائے۔ حدیث شریف کو سنا جائے، پڑھا جائے اور عمل کیا جائے۔ ساری حدیث اور سُنّت قرآن کی تفسیر ہے۔

جب فرعون نے انبیاؑ کی شان میں گستاخی کی۔ اللہ کے پیغام کا استہزا کیا تو: فَاَخَذۡنٰهُ وَجُنُوۡدَهٗ فَنَبَذۡنٰهُمۡ فِى الۡيَمِّ وَهُوَ مُلِيۡمٌ ؀۴۰ تو ہم نے اس کو اور اس کے لشکروں کو پکڑ لیا پھر انہیں دریا بُرد کر دیا اور وہ کام ہی ملامت کے کرتا تھا۔ اللہ فرماتے ہیں، ہم نے اسے اس طرح پکڑا کہ جس مال و دولت، لاؤ لشکر، جاہ وحشم پر وہ نازاں تھا، اس کی طاقت کا وہ رعب جو لوگوں پر چھایا ہوا تھا، اس سب کو آنِ واحد پانی میں غرق کر دیا۔ دولت ہی کام آئی نہ طاقت۔ وہ فوج بھی نہ بچا سکی جسے وہ اپنی طاقت کا ذریعہ سمجھتا تھا۔ ہم نے اس کو اس کے لشکر سمیت پکڑا، بحر بیکراں میں، اچھلتے، لہریں اچھالتے سمندر میں غرق کر دیا۔ اس کے کرتوت ہی ایسے تھے، جن پر جو انسانیت کو شرم آئے!

قومِ عاد:

وَفِىۡ عَادٍ اِذۡ اَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمُ الرِّيۡحَ الۡعَقِيۡمَ ؀۴۱ اور عاد کے حالات میں جب ہم نے ان پر نامبارک آندھی بھیجی۔ مَا تَذَرُ مِنۡ شَىۡءٍ اَتَتۡ عَلَيۡهِ اِلَّا جَعَلَتۡهُ كَالرَّمِيۡمِ ؀۴۲ وہ جس چیز پر گزرتی تھی اس کو ریزہ ریزہ کیے بغیر نہ چھوڑتی تھی۔

عاد کی تاریخ دیکھ لو۔ نوے فٹ قد کے بڑے طاقتور جوان پتھروں کو کاٹ کر عالیشان گھر بنانے والے۔ ماہر صناع، قابل کاریگر۔ سائنسی ترقی میں عروج پانے والے۔ انہوں نے اپنی قوت وطاقت، زورِ بازو، اپنی مادّی ترقی پر فخر کیا۔ اللہ کی اطاعت سے روگردانی کی تو ہم نے ان پر ہوا کو تباہی کا سبب بنا دیا۔ ایسی ہوا بھیجی جو اُن کے لیے منحوس تھی۔ ہوا زندگی کی بنیادی ضرورت ہے۔ آدمی سانس لیے بغیر چند سیکنڈ سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ اسے ہمہ وقت ہوا کی ضرورت ہے کہ اس کی سانس چلتی رہے۔ ہوا، جو زندگی کا سبب ہے، ان کے لیے ہم نے اسے موت کا سبب بنا دیا۔ ہوا کو ایسے طوفان میں بدل دیا جس نے انہیں پکڑ کر پٹخ پٹخ کر مارا۔ نوے نوے فٹ کے جوانوں کو اٹھاتی، درختوں اور پتھروں کے ساتھ پٹختی تو ان کے وجود ریزہ ریزہ ہو جاتے۔ جو چیز بھی ہوا کی زد میں آئی وہ ریزہ ریزہ ہو گئی۔

قومِ ثمود:

فرمایا: وَفِیْ ثَمُوْدَ اِذْ قِیْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِیْنٍ ﴿۴۳﴾ ثمود (کے واقعہ) میں جب ان سے کہا گیا کہ ایک مدت (تھوڑے دنوں) تک فائدہ اٹھالو۔ اسی طرح ثمود کا حال دیکھ لیں جب انہیں کہا گیا جو مہلتِ عمل اللہ نے دی ہے اس فرصت سے فائدہ اٹھالو۔ زندگی باقی ہے۔ اس میں توبہ کر کے اصلاح کرلو ورنہ تمہارا کردار تمہیں تباہی کی طرف لے جائے گا۔ انہوں نے اپنے نبی صالح علیہ السلام سے معجزہ طلب کیا کہ ایک چٹان سے ایک سانڈنی نکلے پھر وہ گابھن ہو، باہر آتے ہی وہ ایک بچہ جنے تو ہم مانیں گے۔ معجزے کا ظہور ہوگیا۔ پتھر ہٹ گیا، ایک بہت بڑے وجود کی سانڈنی نکل آئی۔ اس نے بچہ دیا۔ صالح علیہ اسلام نے فرمایا، یہ اللہ کا احسان ہے کہ یہ سانڈنی تمہارے اور عذابِ الٰہی کے درمیان ڈھال ہے۔ یہ ایک معجزاتی جانور ہے۔ جب تک یہ موجود رہے گی عذاب نہیں آئے گا لہٰذا اسے نقصان نہ پہنچانا لیکن انہوں نے اسے مار ڈالا۔ صالح علیہ السلام نے فرمایا، اب اس کے بچے کو نہ جانے دینا۔ بتایا گیا کہ بچہ چیختا چلّاتا جنگل میں گم ہوگیا۔ آپؑ نے فرمایا اب تمہارے پاس تین دن کی مہلت ہے۔ تینوں دنوں میں ہر روز تمہاری رنگت فرق ہوتی جائے گی اور چوتھے دن تم پر عذاب آجائے گا۔ اللہ کی طرف سے جو اطلاع صالح علیہ السلام کو دی گئی تھی وہ آپؑ نے قوم کو دے دی۔ صالح علیہ السلام اپنے پیروکاروں کو لے کر وہاں سے ہجرت کر گئے۔ وقتِ مقرر پر قوم کے نافرمانوں پر عذاب آگیا۔

فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ یَنْظُرُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِیَامٍ وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِیْنَ ﴿۴۵﴾ پس ان لوگوں نے اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی سو ان کو کڑک نے آپکڑا اور وہ دیکھ رہے تھے پھر نہ تو اٹھنے کی طاقت رکھتے تھے اور نہ ہی مقابلہ کر سکتے تھے۔ حالانکہ اللہ نے تو انہیں مہلتِ زندگی دی تھی۔ دیکھتی آنکھوں انہیں تین دن کی مہلت ملی تھی، دیکھتی آنکھوں انہیں علم تھا کہ ایسا ہوگا اور ایسا ہوگیا!

نوح علیہ السلام کی قوم:

فرمایا: وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿۴۶﴾ اور ان سے پہلے نوح (علیہ السلام) کی قوم (بھی تباہ ہوئی) یقیناً وہ بڑے نافرمان لوگ تھے۔

نوح علیہ السلام کی قوم کا حال دیکھ لیں جو ان سے پہلے ہو گزری ہے۔ نوح علیہ السلام کی استقامت دیکھیں اور قوم کی بدبختی دیکھیں کہ آپؑ نے نوسو پچاس برس تبلیغ کی۔ وہ ہستی جس کا ساڑھے نوسو سالہ بے داغ کردار ہے۔ جو

حق پر قائم ہے اور اللہ کا نبی علیہ السلام ہے۔ تمام انبیائے کرام معصوم عن الخطا ہوتے ہیں۔ اللہ نے انہیں تخلیقاً معصوم بنایا اس لیے کہ انبیاؑ کا ہر کام امت کے لیے دلیل اور حجت ہوتا ہے۔ وہ غلطی کرتے ہی نہیں کیونکہ اگر اللہ کے نبیؑ غلطی کریں تو ساری قوم اس غلطی کو اختیار کرے گی اس لیے عصمت تمام انبیاؑ کا خاصہ ہوتی ہے یعنی تمام انبیاؑ معصوم عن الخطا ہوتے ہیں۔ اس ہستیٔ مبارک نوح علیہ السلام کو یہ لوگ ساڑھے نوسو برس دیکھتے رہے جو ہمیشہ حق پر قائم رہے جن کا قول بھی سچا تھا۔ جن کا کردار بھی حق تھا اور ساڑھے نوسو سال ان کے کردار میں کوئی فرق نہ آیا تو وہ لوگ کم از کم یہ ہی دیکھ لیتے۔ اس پہلو پر ہی غور کر لیتے لیکن انہوں نے بات نہ مانی۔ اپنی بدکاری کے سبب یہ نبیؑ کے اتباع سے محروم رہے۔ یہ لوگ کیوں نوح علیہ السلام پر ایمان نہ لا سکے؟ فرمایا یہ فاسقین تھے۔ گناہوں میں غرق رہتے اور توبہ نہ کرتے تھے۔ گناہ سے صرف یہی نقصان نہیں کہ اللہ ناراض ہوتے ہیں اور عذاب ہوتا ہے بلکہ یہ نقصان بھی ہے کہ گناہ سے اطاعتِ پیغمبر کی توفیق چھن جاتی ہے۔ اس دنیا میں گناہ پر سب سے بڑی سزا یہ ہے کہ جب آدمی شریعت کے خلاف کام کرتا ہے تو باقی امور میں بھی اس سے شریعت پر عمل کی توفیق چھن جاتی ہے۔ ساڑھے نوسو سال ان پر نوح علیہ السلام کی تبلیغ کا اثر کیوں نہیں ہوا؟ کیونکہ یہ بدکار لوگ تھے۔ بدکاروں کو نبیؑ سے رشتہ جوڑنے کی توفیق نہیں ہوتی۔

سورۃ الذّٰریٰت رکوع 3 آیات 47 تا 60

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ
الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَفِرُّوْٓا
اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾ۚ وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ ؕ اِنِّيْ
لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۱﴾ۚ كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا
قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۵۲﴾ۚ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۵۳﴾ۚ فَتَوَلَّ
عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ﴿۵۴﴾ وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾ وَمَا
خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ
اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ﴿۵۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿۵۸﴾ فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ
ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۵۹﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ
كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۶۰﴾

اور ہم نے آسمان کو اپنے دستِ قدرت سے بنایا اور بے شک ہم وسیع قدرت رکھنے
والے ہیں ﴿۴۷﴾ اور ہم نے زمین کو بچھایا تو ہم کیا خوب بچھانے والے
ہیں ﴿۴۸﴾ اور ہر چیز کو ہم نے جوڑا جوڑا بنایا تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ﴿۴۹﴾ تو
تم اللہ ہی کی طرف دوڑو بے شک میں اس کی طرف سے تمہارے لیے (انجامِ بد
سے) صاف ڈرانے والا ہوں ﴿۵۰﴾ اور اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود مت بناؤ۔
یقیناً میں اس کی طرف سے تمہارے لیے صاف ڈرانے والا ہوں ﴿۵۱﴾ اسی طرح
جو لوگ (کافر) ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کے پاس جو پیغمبر آتا تھا اس کو

جادوگر یا دیوانہ کہتے تھے ﴿۵۲﴾ کیا یہ لوگ اس (بات) کی ایک دوسرے کو وصیت کرتے آئے ہیں بلکہ یہ سرکش لوگ ہیں ﴿۵۳﴾ سو آپ ان کی طرف التفات نہ کیجیے کہ آپ پر کسی طرح کا الزام نہیں ﴿۵۴﴾ اور نصیحت فرماتے رہیے کہ بے شک نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے ﴿۵۵﴾ اور میں نے جن اور انسان کو اسی لیے پیدا فرمایا ہے کہ میری عبادت کریں ﴿۵۶﴾ مجھے ان سے رزق کی طلب نہیں ہے اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ مجھے کھانا کھلائیں ﴿۵۷﴾ یقیناً خود اللہ ہی سب کو رزق دینے والے، زور آور (اور) مضبوط ہیں ﴿۵۸﴾ تو بلاشبہ ان ظالموں کے لیے بھی سزا مقرر ہے جیسے ان کے ساتھیوں کے لیے سزا تھی سو مجھ سے جلدی طلب نہ کریں ﴿۵۹﴾ غرض ان کافروں کے لیے اس دن کے آنے سے بڑی خرابی ہوگی جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے ﴿۶۰﴾

تفسیر و معارف

ارشاد ہوتا ہے: وَالسَّمَآءَ بَنَيۡنٰهَا بِاَيۡىدٍ وَّاِنَّا لَمُوۡسِعُوۡنَ ﴿۴۷﴾ اور ہم نے آسمان کو اپنے دستِ قدرت سے بنایا اور بے شک ہم وسیع قدرت رکھنے والے ہیں۔ وَالۡاَرۡضَ فَرَشۡنٰهَا فَنِعۡمَ الۡمٰهِدُوۡنَ ﴿۴۸﴾ اور ہم نے زمین کو بچھایا تو ہم کیا خوب بچھانے والے ہیں۔

اللہ کریم اپنی قدرت کی صناعی کی طرف متوجہ فرما کر انسان کو دعوتِ فکر دیتے ہیں کہ انسان غور کرے کہ اللہ نے آسمانوں میں کیا کیا کمالات رکھے ہیں۔ وہاں اور طرح کی حیات ہے۔ وہاں کا اپنا نظام ہے۔ وہاں کے اپنے شب و روز ہیں، موسم ہیں۔ اعمال وہاں پہنچتے ہیں۔ آسمانوں سے کس طرح نعمتیں اترتی ہیں۔ یہ ایک وسیع نظام ہے جس کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا اللہ کریم فرماتے ہیں۔ ہم نے اسے اپنے دستِ قدرت سے بنایا ہے۔ ہماری قدرت ایسی وسیع ہے جس کی کوئی حد اور انتہا نہیں۔ ہماری قدرت و طاقت کی کوئی تاب نہیں لا سکتا! اور ہم نے ہی زمین کو بچھایا ہے تو ہم کیا خوب بچھانے والے ہیں! زمین یوں تو ایک بیضوی کرّہ ہے لیکن ہر جگہ بچھا دیا گیا ہے۔ جہاں سے بھی اسے دیکھیں یہ بچھونے کی طرح سیدھی ہے۔ پھر اس میں اپنی دیگر تخلیقات رکھی ہیں۔ تمام وجود اسی خاک سے بنتے ہیں اور اسی خاک میں مٹتے ہیں۔ پھول پھل، غذائیں، دوائیں، جڑی بوٹیاں اور کتنی چیزیں ہیں جو اسی زمین سے پیدا ہوتی

ہیں۔ کیا خوب کمالات ہیں اس میں!

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۴۹﴾ اور ہر چیز کو ہم نے جوڑا جوڑا بنایا تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۔۔۔ توتم اللہ ہی کی طرف دوڑ واللہ کریم کی قدرت یہ ہے کہ اللہ نے ہر شے میں نَر اور مادہ رکھے ہیں۔ ایٹم اس ذرّے کو کہتے ہیں جسے مزید توڑا نہ جا سکے اس میں بھی منفی اور مثبت بجلی کی طاقت موجود ہے۔ جانوروں، پرندوں، آبی مخلوق اور تمام درختوں، پھلوں، سبزی، جڑی بوٹیوں ہر چیز ایٹم سے مل کر بنی ہے۔ ان سب میں اللہ کریم نے جوڑا جوڑا رکھ دیا ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔

اللہ کے نظام میں کوئی دخل نہیں دے سکتا:

اللہ کا نظام انتہائی مضبوط اور مربوط ہے۔ نہایت باریکی سے ہر چیز اسباب کے نظام میں منسلک اور پروئی ہوئی ہے۔ اس کے نظام سے ہٹ کر کوئی چیز بنتی ہے نہ فنا ہوتی ہے۔ اس قادرِ مطلق نے اپنی مخلوق کو اپنے سوا کسی دوسرے کا محتاج نہیں رکھا۔ پانی کی ضرورت ہے تو بارش برسا دی، آکسیجن انسانی ضرورت بنائی تو ہوا کی فراوانی عطا کر دی۔ ضروریاتِ تخلیق کیں تو اسباب بھی پیدا فرمائے۔ ضرورتیں بھی اللہ نے بنائیں اور ان کی تکمیل کے ذرائع بھی اللہ کریم نے ہی پیدا کیے۔ کسی کا کوئی دخل نہیں۔ ہمارے ہاں گھروں میں جب فساد ہوتے ہیں۔ اولاد والدین کے خلاف ہو جاتی ہے۔ والدین کو اولاد سے پیار نہیں رہتا تو لوگ کہتے ہیں کسی نے کالا جادو کر دیا ہے۔ یہ آیات بتا رہی ہیں کہ کوئی اللہ کے نظام میں دخل نہیں دے سکتا۔ اللہ کا نظام اتنا مضبوط ہے کہ ایک گھاس کے تنکے کو ہی دیکھ لیں! اس کے اگنے، مٹنے میں کسی کی مداخلت نہیں۔ کوئی مچھر، مکھی تک کو پیدا کر سکتا ہے نہ مار سکتا ہے مگر یہ کہ اللہ ہی مارنے پر قدرت دے!

یہ آیات ہمیں بتاتی ہیں کہ ہر عمل کا ایک اثر ہوتا ہے۔ کوئی اچھائی کرتا ہے تو اس کی دنیوی زندگی کے لمحات خوشگوار ہو جاتے ہیں۔ موت بھی آسان ہو جاتی ہے۔ زندگی آرام دہ ہو جاتی ہے اور آخرت بھی سنور جاتی ہے۔ جب اللہ کریم کی نافرمانی کرتا ہے تو اس کی آخرت تباہ ہوتی ہے اور دنیوی زندگی میں خرابیاں آ جاتی ہیں۔ جب کوئی سود کھائے گا تو گھر کا سکون نہیں ہوگا۔ لڑائیاں ہوں گی، بداعتمادی آئے گی بیماریاں اور مصیبتیں آئیں گی۔ سوچوں میں برائی، کردار میں برائی اور کمائی میں حرام ہوگا تو دنیوی زندگی، مادّی سہولتوں سے پُر بھی، ہو تب بھی سکون نہیں ہوگا۔ انسانیت انس سے مشتق ہے۔ انس کا مفہوم ہے ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شراکت دار ہونا۔ ایک دوسرے کا درد بانٹنا۔ جس معاشرے میں باپ بیٹی کا اور بیٹی باپ کے دکھ سکھ کی روادار نہ ہو۔ بھائی بہن کو ایک دوسرے کی پروانہ ہو وہاں کون سا سکھ اور کہاں کا آرام و سکون!

اس یہ آیہء مبارکہ میں فرمایا گیا کہ ہم نے نر و مادہ بنادیے۔ ہر شئے کو جوڑا جوڑا بنادیا تا کہ انسان عظمتِ الٰہی کا اقرار کر سکے اور نصیحت حاصل کرے۔ پھر فرمایا، اپنی پوری طاقت اطاعتِ الٰہی میں لگا دو۔ فرمایا: فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ۔۔۔تو تم اللہ ہی کی طرف دوڑو۔ یہاں یہ ارشاد ہے کہ پوری طاقت سے اللہ کی طرف بھاگو یعنی یہ بتایا جارہا ہے کہ اللہ کی اطاعت کے راستے میں بہت رکاوٹیں ہیں۔ تمہارا نفس، شیطان اور بے شمار طاغوتی طاقتیں ہیں۔ نفس بے اندازہ لالچ کرتا ہے۔ اس کی ان گنت خواہشات ہوتی ہیں لیکن تم کسی کے جال میں مت پھنسنا۔ دنیوی آسائشوں کو ناجائز طریقوں سے حاصل کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ جائز طریقے سے دولت کماؤ، اسے اللہ کے حکم پر خرچ کرو۔ اچھی رہائش رکھو، حیثیت کے مطابق رہو اور ہر کام میں اطاعتِ الٰہی اختیار کرو۔ اور اس میں پوری کوشش کرو۔ جیسے آدمی کسی جگہ بھاگ کر پہنچتا ہے اسی طرح پوری محنت سے، پورا زور لگا کر اطاعتِ الٰہی پر قائم رہو! اور: اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝٥٠ بے شک میں اس کی طرف سے تمہارے لیے (انجامِ بد سے) صاف ڈرانے والا ہوں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی زبانِ عالی سے کہلوایا جارہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم فرما دیجیے کہ میرا منصبِ جلیلہ یہ ہے کہ برائی کے انجام کو کھول کر بڑا واضح کر کے بیان کر دیا جائے۔ ہر انسان کو اس کے کردار کے نتائج سے بروقت آگاہ کر دیا جائے۔ برائی کے انجامِ بد سے واضح طور پر تمہیں آج آگاہ کر دوں جو موت کے بعد پیش آئے گا۔ زندگی میں بھی جو تمہیں شکوہ ہے کہ تعلقات ٹھیک نہیں، مزاج درست نہیں، صحتیں خراب ہیں تو یہ بتادوں کہ یہ سب نافرمانی کے اثرات ہیں۔ ان سے خود کو بچاؤ اپنے کردار کو پرکھو، کوئی خرابی ہے تو اسے دور کرو حالات بھی ٹھیک ہوجائیں گے۔

وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ۔۔۔اور اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود مت بناؤ۔ فرمایا، اللہ کے ساتھ کسی کو معبود مت جانو۔ وہ قادرِ مطلق جو مکھی، مچھر، چیونٹی یا اس سے بھی چھوٹی مخلوق جو ایک جرثومہ ہے، اس میں بھی توالد و تناسل کو جاری رکھے ہوئے ہے۔ وہ بھی ایک سے دو، دو سے چار، آٹھ سے سولہ بڑھ رہے ہیں۔ کون ہے جس کی وہاں تک رسائی ہے۔ جو ایک ایک ایٹم جوڑ کر پودا اور پھر درخت بنا دیتا ہے۔ کون سے جو وہاں مداخلت کر رہا ہے۔ درندوں سے جنگل پٹے پڑے ہیں، اس ساری حیوانی حیات، ان کے توالد و تناسل، ان کی شب و روز کی خوراک کے معمولات میں کون ہے جو مداخلت کر رہا ہے؟ جس کی جو روزی اس قادرِ کریم ربّ نے متعین فرمادی ہے، کون ہے جو اس میں تبدیلی کر سکے؟ جب ان سب کے کام اللہ کریم خود کر رہے ہیں تو انسان جو ذوی الارواح میں سب سے اعلیٰ اور برتر ہے، اس کی زندگی، موت، صحت، بیماری، روزی رزق کے انتظام میں کسی کی مداخلت کا کیا کام؟ لہٰذا اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو۔ اس فرمان سے کیا مراد ہے؟ اس سے مراد ہے، اپنی امیدیں، اللہ کے سوا کسی سے وابستہ نہ

کرو۔ اللہ نے اسباب و وسائل اختیار کرنے کی اجازت دی ہے اور ترکِ سبب شرعاً جائز نہیں لیکن حکم یہ ہے کہ تمام اسباب کو اللہ کی اطاعت کے دائرے میں رہتے ہوئے اپناؤ۔ اِلٰہ یا معبود وہ ہوتا ہے جس سے نفع کی امید ہو یا نقصان کا اندیشہ ہو اور اسی امید کے ساتھ اس کی اطاعت کی جائے۔ قرآنِ حکیم میں دوسری جگہ ارشادِ باری ہے: اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ (الجاثیہ:23) بھلا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہے خواہشات کو بُت بنا کر کوئی سجدے نہیں کرتا بلکہ ان کی اطاعت کرتے ہیں۔ ان کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ سمجھتے ہوئے کرتے ہیں کہ یہ خواہش پوری ہوں گی تو لذت ملے گی، یہ پوری ہوں گی تو دولت ملے گی، فلاں جگہ فائدہ ہوگا لہٰذا نفع کی امید یا نقصان کے اندیشے سے جو اطاعت کی جاتی ہے وہ عبودیت کے درجے میں آتی ہے۔ ہم اس ہستی کو اِلٰہ سمجھتے ہیں۔ فرمایا، یہ کائناتِ بسیط، یہ بکھرے ہوئے ذرّات، یہ جڑی بوٹیاں درخت، حیوانات، چرند پرند، اللہ کے سوا کون ہے جو اس کو چلا رہا ہے تو تمہیں کیا مجبوری ہے کہ تم اللہ کے علاوہ دوسروں سے امیدیں وابستہ کرو۔ کبھی کہتے ہو فلاں فلاں کی منت کروں تو بچ جاؤں گا۔ اللہ کی نافرمانی کر کے دوسروں پر بھروسہ کرتے ہو۔ اس سے اجتناب کرو۔ اور یہ کہ: اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۱﴾ یقیناً میں اس کی طرف سے تمہارے لیے صاف ڈرانے والا ہوں۔ یہاں پر دوبارہ کہلوایا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی زبانِ عالی سے کہلوایا گیا کہ میں تمہارے لیے نذیر بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ میرا کام صرف یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کے کردار کے نتائج سے بروقت آگاہ کردوں۔ یہ بتادوں کہ ایسا کرو گے تو یہ نتیجہ نکلے گا اور ویسا کرو گے تو وہ نتیجہ نکلے گا۔ میں بڑی خیر خواہی سے تمہیں آج دنیا میں ہی اعمال کے ان نتائج سے باخبر کر رہا ہوں جو تمہیں مرنے کے بعد آخرت میں دیکھنے پڑیں گے!

شعور، عظمتِ الٰہی کو جاننے کا سبب بنایا گیا ہے:

فرمایا: كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۵۲﴾ اسی طرح جو لوگ (کافر) ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کے پاس جو پیغمبر آتا تھا اس کو جادوگر یا دیوانہ کہتے تھے۔

فرمایا، میرے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلّم!) اگر یہ آپ پر اعتراض کرتے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ پہلے انبیاؑ کے ساتھ بھی ایسا ہوتا رہا ہے۔ اللہ نے تو شعور دیا تھا کہ یہ عظمتِ الٰہی کو جاننے کا سبب بنے لیکن انسان جب اس کا غلط استعمال کرتا ہے تو اللہ کی عطا کردہ نعمت کو ذاتی سمجھنے لگتا ہے۔ پھر اس پر فخر و غرور کرتا ہے۔ آپ سے پہلے جو انبیاؑ آئے انہیں بھی یہی کہا گیا۔ کبھی جادوگر کہا گیا کبھی (معاذ اللہ) پاگل کہا گیا۔ اور یہ کفار تو ایسے کر رہے ہیں:

اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۵۳﴾ کیا یہ لوگ اس (بات) کی ایک دوسرے کو وصیت کرتے آئے ہیں بلکہ یہ سرکش لوگ ہیں۔ یعنی جو اعتراض قدیم کافر کرتے تھے جدید بھی وہی کرتے ہیں۔ یوں جیسے ان سے پہلے کافر انہیں سمجھا گئے ہوں، وصیت کر گئے ہوں کہ یہ، یہ اعتراض کرو۔ لیکن درحقیقت وصیت کسی نے نہیں کی۔ جب جدید کافروں نے برائی میں قدیم کافروں کی راہ اپنائی، گمراہی میں ویسا ہی روّیہ اختیار کیا جیسا ان کا تھا تو وہی الفاظ، وہی کلمات، وہی خیالات ان کے دل میں آئے اور وہی کلمات ان کی زبانوں پر آ گئے۔

شیطان کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی ہے کہ جو کلمات اللہ کے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ ہوں جو گستاخیاں شانِ نبوت میں پہلے کفار نے کیں اور ان پر عذابِ الٰہی واقع ہوا، وہی کلمات لوگوں کے منہ سے نکلوائے تا کہ ان پر بھی وہی عذابِ الٰہی وارد ہو۔ گزشتہ اقوام کے کفار کے اعتراضات اور دورِ جدید کے روشن خیالوں کے اعتراضات جمع کر لیں تو سب ایک ہی جملے کی نقل در نقل ہوتی ہے۔

فرمایا، اے میرے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلّم!) فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ﴿۵۴﴾ سو آپ ان کی طرف التفات نہ کیجیے کہ آپ پر کسی طرح کا الزام نہیں۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ جو معترض ہیں، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی نبوت پر اعتماد نہیں کرتے آپ بھی ان کی طرف سے رخِ انور پھیر لیجیے۔ آپ سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی کیونکہ یہ ان کے اپنے کردار کا نتیجہ ہے۔

یاد رہے! دامانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلّم شریعت کے اندر ہے:

ہزاروں برائیوں، خطاؤں، گناہوں کے باوجود ہم میں سے ہر کلمہ گو خواہ وہ کسی مسلک، کسی طبقے یا کسی شعبے سے تعلق رکھتا ہو سب کو یہ امید ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا دامانِ کرم بڑا وسیع ہے۔ ہر مسلمان کو خواہ وہ کتنا ہی گناہگار ہو، اسے یہ امید ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم اس کی شفاعت فرمائیں گے یہاں اللہ کریم اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم سے فرما رہے ہیں کہ آپ، ان کی طرف التفات فرمانا چھوڑ دیں جو سرکشی کرتے ہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین سے بے پروائی کی جائے۔ اللہ کے دین کے دشمنوں کے اندازِ زندگی پسند کیے جائیں۔ دینِ اسلام کے نظامِ حیات کو عملاً ناپسند کر کے چھوڑ دیا جائے تو یاد رہے! دامانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلّم دائرہ شریعت کے اندر ہے۔

فرمایا جا رہا ہے کہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے لائے ہوئے دین کی پروا نہ کرے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم بھی اس کی پروا نہ کریں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم سے ان کے بارے کوئی محاسبہ نہیں ہوگا کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا دامن کیوں چھوڑ دیا۔

وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴿۵۵﴾ اور نصیحت فرماتے رہیے کہ بے شک نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم سے ارشاد ہے کہ اللہ کی عظمت بیان فرماتے رہیے۔ نصیحت فرماتے رہیے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا منصبِ جلیلہ ہے کہ آپ عظمتِ الٰہی، زندگی کی حقیقتیں، زندگی گزارنے کے اسالیب، حیات وموت کے حقائق، انسان کی سوچ، فکر، تعلقات اور روّیے، اعمال وکردار۔ ان سب کا بہترین اور خوبصورت انداز بیان فرماتے رہیں۔ یہ نعمت بہت عظیم ہے لیکن فائدہ اسی کو ہوگا جو ایمان قبول کرے گا کہ نصیحت تو ایمان والوں کو ہی فائدہ دیتی ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴿۵۶﴾ اور میں نے جن اور انسان کو اسی لیے پیدا فرمایا ہے کہ میری عبادت کریں۔ جاننا چاہیے کہ عبادت کیا ہے؟ غیر مشروط اطاعت عبادت ہے۔ مفسرین يَعْبُدُوْنِ کی تشریح یعرفون سے کرتے ہیں۔ معرفت یعنی جاننا کہ مجھے پہچان سکیں میری عظمت سے آگاہ ہوں۔ اللہ کی کتاب، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے فرامین کو پڑھنا، سمجھنے کی کوشش کرنا فرض ہے۔ یہ جاننا زندگی گزارنے کے لیے ضروری ہے۔ جو جانتا ہے اسے علمِ قطعی نصیب ہوجاتا ہے اور جس کے پاس علمِ قطعی ہوتا ہے اُسے یقین نصیب ہوتا ہے جو ایمان کہلاتا ہے۔ فرمایا جارہا ہے کہ عبادت کے لیے ہی انسان اور جن پیدا کیے گئے ہیں۔ عبادت کا مفہوم ہے غیر مشروط اطاعت کرنا۔ انسان کا مقصدِ حیات، اس کی زندگی کا کمال اور اس کی عظمت یہ ہے کہ وہ اللہ کی اطاعت میں کتنا آگے بڑھ جاتا ہے۔ کس پابندی سے اطاعت کرتا ہے، کس خلوص سے کرتا ہے۔ یوں اس کے کئی پہلو ہیں۔ پہلی بات یہ کہ کرنے کے لیے جاننا شرط ہے۔ بندہ دین کو جانے۔ پھر یہ ہے کہ اسے سمجھے، اس پر عمل کرے، یقین اور خلوص سے کرے۔ اس آیہء مبارکہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ کریم فرماتے ہیں، ہم نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ اختیار رکھتے ہوئے، علم رکھتے ہوئے، دنیا کی اچھی بری چیزوں کو سمجھتے ہوئے، اس سارے ماحول میں رہتے ہوئے ہماری عبادت کریں، اطاعت کریں اور غیر مشروط اطاعت کریں۔ انسان کو شعورِ انسانی اسی لیے دیا کہ اللہ کی عظمت کو جان کر پہچان کر اطاعتِ الٰہی کا حق ادا کرے۔

مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ﴿۵۷﴾ مجھے ان سے رزق کی طلب نہیں ہے اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ مجھے کھانا کھلائیں۔ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ﴿۵۸﴾ یقیناً خود اللہ ہی سب کو رزق دینے والے، زورآور (اور) مضبوط ہیں۔

جس طرح امراء کے بے شمار ملازم، خادم ہوتے ہیں جن سے وہ کام لیتے ہیں اور ان کے ذریعے اپنے لیے رزق حاصل کرتے ہیں۔ فرمایا میں نے اپنی مخلوق کو اس لیے پیدا نہیں کیا کہ یہ مشقت کرکے ہمیں کما کر دولت دیں۔

انہیں تو میں نے آگہی اور شعور دیا ہے اس لیے کہ میری عظمت سے خود کو آگاہ ہوں، میری ذات کو پہچانیں۔

مخلوق بھلا اللہ کو اپنے خالق کو کیا کما کر دے گی۔ اللہ مخلوق کو خود رزق دینے والی ذات ہے۔ ہر مخلوق کی ساری ضرورتیں اللہ ربّ العالمین خود پوری کرتے ہیں۔ زندگی سے لے کر زندگی کی تمام نعمتیں اللہ ہی عطا فرماتے ہیں۔ صحت، علم، رزق، اقتدار، غذا دواسب اللہ ہی دیتے ہیں اور اپنے پاس سے دیتے ہیں۔

فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿٥٩﴾ تو بلاشبہ ان ظالموں کے لیے بھی سزا مقرر ہے جیسے ان کے ساتھیوں کے لیے سزا تھی سو مجھ سے جلدی طلب نہ کریں۔ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿٦٠﴾ غرض ان کافروں کے لیے اس دن کے آنے سے بڑی خرابی ہوگی جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

اس کائنات کے نظام کو دیکھ لو۔ اپنے سے پہلوں کے حالات دیکھ لو۔ جنہوں نے جو گناہ کیے ان گناہوں کا اثر ان کی دنیوی زندگی پر کیونکر مرتب ہوا، ان کی موت پر کیسے مرتب ہوا، بعد الموت کس صورت میں مرتب ہوا۔ اگر تم بھی ایسے ہی کام کرو گے تو تم پر بھی ویسی ہی مصیبتیں آئیں گی تو غور کرو کہ تم اپنے آپ کو خود برباد کر رہے ہو۔ اپنے لیے قیامت کی جلدی نہ مچاؤ۔ اس وقت تم دنیا میں موجود ہو، فرصتِ عمل ہے، مہلتِ دنیا موجود ہے۔ اس میں سوچ سمجھ کر کام کرو۔ اس کے نتائج دیکھو۔ تم کوئی پہلے لوگ نہیں، جو اس دنیا میں آئے ہو۔ تم سے پہلے بھی دنیا آباد رہی ہے۔ غور کرو تم سے پہلوں میں سے جن لوگوں نے نیکی کی ان کو کیا حاصل ہوا۔ جنہوں نے برائی کی ان کا کیا انجام ہوا۔ دنیوی مشکلات، مصیبتیں تو ان اخروی مصائب کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ کفر ایسی مصیبت ہے کہ قیامت کو بھی تباہی اور بربادی ہی لائے گا۔ بہت دکھ کی بات ہے۔ بہت خرابی ہے ان لوگوں کے لیے جو کفر اختیار کرتے ہیں۔ اس دن کفر و شرک، گناہ و برائی برے نتائج ہی دیں گے۔ یہ وہ انجام ہے جس کا وعدہ کافروں سے دنیا میں ہی کیا گیا تھا!

سورۃ الطور رکوع 1 آیات 1 تا 28

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالطُّوْرِ ۝١ وَ كِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۝٢ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۝٣ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۝٤
وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۝٥ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۝٦ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝٧ مَّا
لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۝٨ يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ۝٩ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ۝١٠ فَوَيْلٌ
يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝١١ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ۝١٢ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى
نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ۝١٣ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝١٤ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ
اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ۝١٥ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ۭ
اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝١٦ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ۝١٧
فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَوَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝١٨ كُلُوْا
وَاشْرَبُوْا هَنِيْۗـــًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝١٩ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ
وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ۝٢٠ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ
اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ كُلُّ امْرِیٴٍ بِمَا
كَسَبَ رَهِيْنٌ ۝٢١ وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ۝٢٢ يَتَنَازَعُوْنَ
فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ ۝٢٣ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ
كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ۝٢٤ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ۝٢٥ قَالُوْٓا
اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ۝٢٦ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ
السَّمُوْمِ ۝٢٧ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ۝٢٨

اور قسم ہے طور کی ﴿۱﴾ اور کتاب کی جو لکھی ہوئی ہے ﴿۲﴾ کشادہ اوراق
ہیں ﴿۳﴾ اور آباد گھر (بیت المعمور) کی ﴿۴﴾ اور اونچی چھت کی ﴿۵﴾ اور ابلتے
(پانی سے پُر) ہوئے سمندر کی ﴿۶﴾ کہ بے شک آپ کے پروردگار کا عذاب
ضرور ہو کر رہے گا ﴿۷﴾ اس کو کوئی روک نہ سکے گا ﴿۸﴾ جس دن آسمان
تھرتھرانے لگے گا ﴿۹﴾ اور پہاڑ چلنے لگیں گے ﴿۱۰﴾ سو اس دن جھٹلانے والوں
کے لیے خرابی ہے ﴿۱۱﴾ جو (تکذیب کے) مشغلہ میں کھیل رہے ہیں ﴿۱۲﴾ جس
روز ان کو جہنم کی آگ میں دھکے دے کر لائیں گے ﴿۱۳﴾ یہ وہی آگ ہے جس کو تم
جھٹلایا کرتے تھے ﴿۱۴﴾ تو کیا یہ جادو ہے یا تم کو (اب بھی) نظر نہیں آتا ﴿۱۵﴾
اس میں داخل ہو جاؤ پس صبر کرو یا نہ کرو تمہارے لیے برابر ہے جو کام تم کرتے تھے
بے شک ان ہی کا بدلہ تم کو مل رہا ہے ﴿۱۶﴾ پرہیز گار لوگ بلاشبہ باغوں اور نعمتوں
میں ہوں گے ﴿۱۷﴾ جو کچھ ان کو ان کے پروردگار نے بخشا اس سے خوش دل
ہوں گے اور ان کا پروردگار ان کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھے گا ﴿۱۸﴾ اپنے
اعمال کے صلہ میں مزے سے کھاؤ اور پیو ﴿۱۹﴾ برابر بچھائے ہوئے تختوں پر تکیہ
لگائے ہوئے اور ہم بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے ان کا عقد کر دیں
گے ﴿۲۰﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کی
پیروی کی ہم ان کی اولاد کو بھی ان (کے درجے) تک پہنچا دیں گے اور ان کے عمل
میں سے کچھ کم نہ کریں گے ہر شخص اپنے اعمال میں پھنسا ہوا ہے ﴿۲۱﴾ اور ہم ان کو
پھل اور گوشت جس قسم کا چاہیں گے دیتے رہیں گے ﴿۲۲﴾ وہاں (بطور خوش طبعی
کے) ایک دوسرے سے جام جھپٹ لیا کریں گے جس (کے پینے) سے نہ فضول
بات ہوگی اور نہ کوئی گناہ ﴿۲۳﴾ اور اُن کے لیے نوجوان خدمت گار جیسے چھپائے
ہوئے موتی، ان کے پاس پھریں گے ﴿۲۴﴾ اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ
ہو کر پوچھیں گے کہیں گے ﴿۲۵﴾ کہ بے شک ہم تو پہلے اپنے گھر میں (اللہ سے)
ڈرا کرتے تھے ﴿۲۶﴾ تو اللہ نے ہم پر احسان فرمایا اور ہم کو دوزخ (لُو) کے

عذاب سے بچالیا ﴿۲۷﴾ اس سے پہلے (دنیا میں) یقیناً ہم اس سے دعائیں کیا کرتے تھے بے شک وہ احسان کرنے والا مہربان ہے ﴿۲۸﴾

تفسیر و معارف

سورۂ طور شروع ہوتی ہے۔ یہ مکی سورتوں میں سے ہے۔ طور ایک پہاڑ ہے جس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس پر موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کریم کی طرف سے شرفِ ہمکلامی نصیب ہوا۔ یہ اتنا بڑا اعزاز ہے کہ وہ پہاڑ بھی دلائل و برہانِ ربی میں شامل کیا گیا۔

عذابِ الٰہی واقع ہو کر رہے گا:

قرآنِ حکیم میں اللہ کریم نے کئی چیزوں کی قسم کھائی ہے۔ جس کی قسم کھائی جاتی ہے، اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ واقعہ کے گواہ ہیں۔ یہاں پانچ مختلف چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے۔ فرمایا: وَالطُّوْرِ ۝۱ اور قسم ہے طور کی۔

طور کی قسم:

فرمایا، طور کا پہاڑ بھی اس حقیقت کا گواہ ہے جو آج بیان ہو رہی ہے۔

کتاب کی قسم:

وَ كِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۝۲ اور کتاب کی جو لکھی ہوئی ہے۔ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۝۳ کشادہ اوراق ہیں۔ جس کی باتیں عام فہم ہیں۔ ہر کتاب آسانی سے سمجھ نہیں آتی۔ ہر کتاب کی یہ خصوصیت بھی نہیں کہ سارے سوالوں کے جواب اس میں موجود ہوں۔ قرآنِ حکیم اللہ کا ذاتی کلام ہے۔ قلبِ اطہر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ اس میں نزول سے لے کر قیامت تک درپیش آنے والے تمام مسائل کا حل اور تمام سوالوں کے جواب موجود ہیں۔ کیا ارفع شان ہے اس کتاب کی کہ یہ کلامِ الٰہی ہے۔ پوری کائنات میں صرف ایک ہستی ہے جس کی نظیر نہیں، اللہ کی مخلوق میں جو سب سے اعلیٰ و ارفع، جس کا فہم و شعور بے مثال، جو انبیاؑ کی بھی سردار ہے صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر پر یہ کلام نازل ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ حق ترجمان پر جاری ہوا۔ اتنی عالی رتبہ کتاب کے سمجھنے کے لیے ایک خاص درجہ کا تزکیہ اور ایک بلند علمی مقام اور نہایت بلند درجے کا شعور چاہیے تھا لیکن اللہ کریم نے اسے ایسا آسان کر دیا ہے کہ جو ہدایت کا طالب ہو وہ اس کو سمجھ کر ہدایت پالیتا ہے۔ فرمایا، یہ قرآن بھی گواہ ہے

کہ آپ کے پروردگار کا عذاب آ کر رہے گا۔

بیتِ المعمور کی قسم:

وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ﴿۴﴾ اور آباد گھر کی (بیت المعمور)۔ اور اس آباد گھر کی قسم جو ساتویں آسمان پر فرشتوں کا کعبہ ہے۔ بیت اللہ کی سیدھ میں اوپر ہے۔ یہ فرشتوں کا کعبہ ہے۔ رات دن فرشتوں کا طواف جاری رہتا ہے۔ ہزاروں فرشتے طواف کرتے رہتے ہیں۔ ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ جو فرشتہ ایک مرتبہ طواف کر لے ساری زندگی اس کی پھر باری نہیں آتی۔ اتنی تعداد ہے فرشتوں کی۔ بیت المعمور بھی ہمہ وقت طواف کرنے والوں سے آباد رہتا ہے۔

بیت اللہ کو اگر قلب کی نگاہ سے دیکھا جائے تو بیت اللہ شریف سے لے کر انتہا تک اوپر بھی اور دوسری طرف نیچے بھی۔ یعنی کائنات کی مخلوقات ختم ہو جاتی ہیں۔ عالمِ امر اس طرف بھی، اُس طرف بھی۔ اس کی تجلیات اوپر نیچے دونوں طرف ہیں۔ مجھے ایک مرتبہ ایک مصری فائٹر پائلٹ سے ملنے کا اتفاق ہوا تو اس نے بتایا کہ فلائنگ کی ٹریننگ کے دوران انہیں باقاعدہ تربیت دی جاتی ہے۔ ہدایت کی جاتی ہے کہ دورانِ پرواز کبھی بیت اللہ کی سیدھ میں نہ چلے جانا کیونکہ جہاز کے وہ آلات خراب ہو جاتے ہیں جو Navigation کرتے ہیں۔

اونچی چھت کی قسم:

فرمایا: وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ﴿۵﴾ اور اونچی چھت کی۔ یعنی آسمان کی قسم جو ساری دنیا پر چھت تانے ہوئے ہے۔ کبھی اس میں کوئی خرابی واقع ہوئی؟ کبھی اس کی مرمت کی ضرورت پیش آئی؟ جب سے اللہ نے اسے بنایا اور جب تک اللہ چاہیں گے یہ قائم رہے گی۔

سمندر کی قسم:

فرمایا: وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ﴿۶﴾ اور ابلتے (پانی سے پُر) ہوئے سمندر کی۔ اور یعنی ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندروں کی قسم۔ دنیا میں بے پناہ پانی ہے۔ کئی جگہ تو میلوں میں گہرائی ہے۔ کرۂ ارض کے تین حصے سمندر ہے۔ چوتھا حصہ زمین ہے جس پر آبادی ہے۔ پانی کا اتنا وسیع ذخیرہ ہے لیکن اس پر اللہ نے ایسا کنٹرول رکھا ہوا ہے کہ اپنی حدود سے تجاوز نہیں کرتا۔

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ﴿۷﴾ کہ بے شک آپ کے پروردگار کا عذاب ضرور ہو کر رہے گا۔ مَّا لَهٗ مِنْ

دَافِعٍ ﴿۸﴾ اس کو کوئی روک نہ سکے گا۔ فرمایا، کفار جس نتیجے کا انکار کرتے ہیں انہیں دیکھنا چاہیے کہ ہر چیز گواہ ہے کہ اللہ قادر ہیں، ہر جگہ موجود ہیں۔ وہ چاہیں تو موسیٰ علیہ السلام کو شرفِ ہمکلامی سے نوازنے کے لیے ایک سوکھے درخت پر اپنی تجلیات کی بارش کردیں اور وہاں سے آواز آئے: اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ (طٰہٰ:14) بے شک میں ہی اللہ ہوں اور یہ فرمانا حق ہے۔ اسی طرح اس کتابِ الٰہی قرآن کا لفظ لفظ گواہ ہے کہ اللہ کا نظام عدل پر قائم ہے اور آخرت میں عدل پر فیصلے ضرور ہوں گے۔ اسی طرح بیت المعمور جو ملائکہ کا کعبہ ہے اور ہر وقت فرشتوں کے طواف سے آباد ہے وہ اس پر گواہ ہے کہ ہر کام کا نتیجہ ہوتا ہے اور وہ انصاف اور عدل پر ہوتا ہے۔ ہر کسی کو مواقع ملتے ہیں، کوئی محروم نہیں رہتا اور انسان اپنے فیصلے کا نتیجہ ضرور دیکھے گا۔ یہ آسمان جو اللہ نے دنیا کی چھت بنائی ہے جو اللہ نے تخلیق فرمائی اور وہ تب سے جب تک اللہ چاہے گا اپنی جگہ پر قائم ہے، قائم رہے گی۔ اس میں نہ کوئی دراڑ آئی ہے نہ رخنہ آئے گا۔ وہ بھی اس بات پر گواہ ہے کہ ہر کام کا انجام ہوگا۔ اور ابلتے پانی، سمندر میں پہاڑوں جیسی بلند لہریں اٹھتی ہیں، ساحل پر پٹختی ہیں لیکن اپنی حد کے اندر ہی رہتی ہیں جب تک اللہ چاہے۔ یہ سارا نظام اس بات پر گواہ ہے کہ ہر شے اپنی حد کے اندر رہ کر اپنا فرض ادا کر رہی ہے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ برائی پر اس کا نتیجہ مرتب نہ ہو؟

جب ہر چیز عدل پر قائم ہے تو برائی اور کفر و شرک کرنے والوں پر عذاب کیوں واقع نہیں ہوگا؟ کیا اللہ کے بنائے ہوئے آسمان میں کوئی مداخلت کرسکا، کوئی سمندروں کو خشک کرسکا، کوئی طور پہاڑ کو اٹھا کر دوسری جگہ رکھ سکتا ہے یا کوئی اور ایسی کتاب الٰہی بنا سکتا ہے؟ جب یہ سب کچھ نہیں ہوسکتا تو اللہ کے متعین کردہ یومِ آخرت کو بھی کوئی نہیں روک سکتا۔ اس دن کے عذابِ الٰہی کو بھی کوئی بھی روک نہیں سکے گا۔

وہ ایسا عظیم دن ہوگا: یَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ﴿۹﴾ جس دن آسمان تھرتھرانے لگے گا۔ یہ آسمان جو تخلیق سے قیامت تک سلامت رہے گا۔ قیامت کے روز لرزنے لگ جائے گا۔ اس کی وہ مضبوطی اور قوت ختم ہوجائے گی۔ تھرتھر کانپنے لگے گا پھر پھٹ جائے گا اور ختم ہوجائے گا۔ وَّتَسِیْرُ الْجِبَالُ سَیْرًا ﴿۱۰﴾ اور پہاڑ چلنے لگیں گے۔ وہ بڑے بڑے پہاڑ جنہیں کبھی ہلانا ممکن نہیں تھا۔ قیامت کا زلزلہ آئے گا تو وہ ریت کے ڈھیر کی طرح اڑنے لگیں گے۔ فضا میں بکھر جائیں گے۔

جھٹلانے والوں کا انجام:

فَوَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ ﴿۱۱﴾ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ خَوْضٍ یَّلْعَبُوْنَ ﴿۱۲﴾ سو اس دن جھٹلانے والوں کے لیے خرابی ہے جو (تکذیب کے) مشغلہ میں کھیل رہے ہیں۔ فرمایا، یہ ان لوگوں کے لیے بہت ہی برا دن ہوگا جنہوں

نے دنیا میں عظمتِ باری کا انکار کیا، صداقتِ پیغمبر سے منکر رہے۔ جو اتباعِ رسالت سے جی چراتے رہے۔ وہ دن نافرمانوں کے لیے ہیبت ناک ہوگا۔ ہر کافر، بدکار، گناہگار کے لیے بہت مشکل دن ہوگا! یہ انکار کرنے والے لوگ کون ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے کھیل تماشوں میں مگن ہیں۔ انہیں اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ اللہ کا کلام نازل ہوا، اللہ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوئے تو ان کی بات سن جائے، اس پر عمل کیا جائے! نہیں۔ وہ تو اپنے مشغلوں میں مشغول ہیں کہ یہ کرلوں، وہ کرلوں۔ انہوں نے اسی میں عمریں ضائع کردیں۔ انہیں تو اس دن پتا چلے گا: يَوْمَ يُدَعُّونَ إِلَىٰ نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ﴿۱۳﴾ جس روز ان کو جہنم کی آگ میں دھکے دے کر لائیں گے۔ اس دن وہ ایسے بے بس ہوں گے کہ دوزخ جانا نہیں چاہیں گے لیکن جانا پڑے گا وہ جہنم میں داخل ہونے پر مجبور کیے جائیں گے۔ انہیں دھکیلتے ہوئے لایا جائے گا۔ اور کہا جائے گا: هَٰذِهِ النَّارُ الَّتِي كُنتُم بِهَا تُكَذِّبُونَ ﴿۱۴﴾ یہ وہی آگ ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔ تم دنیا میں کہتے تھے کہاں کا دوزخ اور کون سی آگ؟ تم مانتے نہیں تھے کہ دوزخ ہے۔ تم کہا کرتے تھے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ انسان دوزخ کی آگ میں ہمیشہ جلتا بھی رہے اور زندہ بھی رہے۔ تم طرح طرح کے اعتراضات ہی کرتے رہے۔ أَفَسِحْرٌ هَٰذَا أَمْ أَنتُمْ لَا تُبْصِرُونَ ﴿۱۵﴾ تو کیا یہ جادو ہے یا تم کو (اب بھی) نظر نہیں آتا۔ تم دنیا میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے کہتے تھے کہ یہ جادوگری کرتے ہیں۔ اب بتاؤ! یہ جادوگری ہے یا حقیقت۔ اب تو تمہیں نظر آنا چاہیے کہ یہ حقیقت ہے۔ اصْلَوْهَا فَاصْبِرُوا أَوْ لَا تَصْبِرُوا سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ ۖ إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۶﴾ اس میں داخل ہو جاؤ پس صبر کرو یا نہ کرو تمہارے لیے برابر ہے۔ جو کام تم کرتے تھے بے شک ان ہی کا بدلہ تم کو مل رہا ہے۔ فرمایا، اب اپنے انجام کو پہنچ چکے ہو۔ ابدی عذاب میں داخل ہو جاؤ۔ اب شور مچاؤ یا نہ مچاؤ اب کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ صبر کرو یا شور کرو اس جگہ کچھ فرق نہیں۔ یہ دارِ عمل نہیں دارِ جزا ہے۔ صبر کا فائدہ تو دارِ عمل میں تھا۔ وہاں صبر کرتے یعنی اللہ کی اطاعت پر جم جاتے تو آج جزا پاتے۔ اب تو جزا کا دن ہے۔ اپنے اپنے کیے کی جزا ہی ملے گی۔ آج تمہارے کردار کے مطابق تمہارے ساتھ سلوک ہوگا۔ یاد رہے! جہنم کے بھی درجے ہیں۔ ہر دوزخی کے لیے ایک جیسا عذاب نہیں۔ ہر ایک دوزخی کا عقیدہ اور کردار ایک جیسا نہیں ہوتا۔ یک رنگی صرف دینِ حق میں ہے اور ہمیشہ سے ہے۔ ادیانِ باطلہ میں یک رنگی نہیں ہوتی۔ جتنی گمراہی اور بدکاری عقیدے و عمل کی ہوگی اسی درجے کا عذاب ہوگا۔

روزِ محشر جب تمام حقائق کھل جائیں گے۔ لوگ رسوا ہو کر جہنم میں جھونکے جا رہے ہوں گے عین اسی وقت ایک دوسرا منظر بھی سامنے ہوگا۔ فرمایا: إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَعِيمٍ ﴿۱۷﴾ پرہیزگار لوگ بلاشبہ باغوں اور نعمتوں میں ہوں گے۔ فَاكِهِينَ بِمَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ وَوَقَاهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿۱۸﴾ جو کچھ ان کو ان کے

پروردگار نے بخشا اس سے خوش دل ہوں گے۔ اور ان کا پروردگار ان کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھے گا۔

اللہ کے نیک متقی بندے اللہ کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے۔ تقویٰ ایک تعلق ہے۔ بندے کا اپنے پروردگار سے ایسا تعلق جو ہر کام کرتے ہوئے اور ہر بات کہتے ہوئے احساس دلاتا ہے کہ اس سے کوئی ایسا کام نہ ہونے پائے جس سے اس کا ربِّ کریم اس سے خفا ہو! وہ لوگ جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا وہ اللہ کی ان گنت اور بے شمار نعمتوں سے مستفید ہو رہے ہوں گے۔ ان کے ربّ نے جو عطا فرمایا، اس پر خوشیاں منا رہے ہوں گے۔ ان کے سامنے ہی دوزخی چیخ و پکار کر رہے ہوں گے اور متقین اللہ کا شکر ادا کر رہے ہوں گے کہ اللہ نے انہیں دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھا۔ اور اپنی رضامندی کے ٹھکانے یعنی جنت کے باغوں میں اور اس کے نورانی ماحول میں اپنے کرم سے پہنچا دیا۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ اپنے اعمال کے صلے میں مزے سے کھاؤ اور پیو۔ ان سے فرمایا جائے گا کہ تم دنیا میں اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے تھے۔ سچے دل سے اللہ کے فرمانبردار تھے۔ اس اطاعت کا یہ صلہ ہے یہاں کھاؤ پیو، خوش رہو۔ یہاں کی سب نعمتیں تمہارے ہی لیے ہیں جیسے چاہو استعمال کرو۔

مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿۲۰﴾ برابر بچھائے ہوئے تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے اور ہم بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے ان کا عقد کر دیں گے۔ صف در صف بچھائے گئے تخت ہوں گے۔ ان پر یہ مزے سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہوں گے اور ہم انہیں جنت کی مخلوق حور سے ان کے نکاح کر دیں گے۔ حور کا حسن ایسا ہے کہ سوچ اور اندازے سے باہر! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ جنت کی حور اگر آسمان سے اپنی ہتھیلی ظاہر کر دے تو سورج کی روشنی ماند پڑ جائے۔ یعنی جس طرح سورج کے طلوع ہونے پر بلب یا چراغ مدھم لگتے ہیں۔ ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہوتا ہے اسی طرح حور کا حسن دنیا کے حسن کو ماند کر دے۔ یہ بھی یاد رہے کہ جنت کی حور جنت کی مخلوق ہے۔ اس کا حسن اپنی جگہ لیکن وہ ان خواتین کا مقام نہیں پا سکتی جو خواتین دنیا میں آئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں، عبادات کیں، اطاعت کی، دنیا کے گرم و سرد سہہ کر فرمانبرداری کرتی رہیں وہ جنت میں مالکن ہوں گی اور حوریں ان کی خادمائیں ہوں گی۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۔۔۔ جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کی پیروی کی ہم ان کی اولاد کو بھی ان (کے درجے) تک پہنچا دیں گے اور ان کے عمل میں سے کچھ کم نہ کریں گے۔ فرمایا، میرے نیک بندوں کے

اہلِ خانہ نے جنہوں نے عقیدے میں ان کا ساتھ دیا، عمل بے شک ان کے کم ہوں، ہم انہیں وہاں اپنے نیک بندوں سے ملا دیں گے۔ جسے ہم جنت میں اعلیٰ منازل عطا کریں گے اس کے بیوی بچوں کے اعمال کم بھی ہوں گے تو ہم ان بیوی بچوں کو اس بندے کے ساتھ ملا دیں گے۔ یاد رہے! ایمان شرط ہے۔ اولاد کا، بیوی کا عقیدہ درست ہونا شرط ہے۔ اگر چہ گھر والوں کے اعمال اس درجہ کے نہ بھی ہوں جس درجے میں ان کے بزرگ، دادا یا والد کے ہیں تب بھی ہم اس بزرگ کے اہلِ خانہ کو اس کے ساتھ سرفراز کر دیں گے۔

یہ معاملہ جانبین سے چلتا ہے۔ نیک والدین اگر عطائے الٰہی کا سبب بنتے ہیں تو نیک اولاد بھی والدین کے درجات بڑھانے کا سبب بنتی ہے۔ جب اولاد نیکی کرتی ہے، بھلائی کرتی ہے تو اس کا ثواب والدین کو ملتا ہے خواہ وہ دنیا سے جا چکے ہوں۔ خدانخواستہ کسی کی اولاد اگر برائی کرتی ہے، گناہ کرتی ہے تو اس کا اثر اس کی اپنی ذات پر تو پڑتا ہی ہے۔ اس کے والدین سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا والدین نے انہیں دنیا میں نیکی کی تربیت کی تھی اور برائی سے روکا تھا۔ اگر والدین نے اپنا فریضہ ادا کیا تھا پھر والدین سے پرسش نہیں ہوگی، پھر ان پر کوئی الزام نہیں لیکن اگر والدین نے دنیا میں اپنی ذمہ داری ادا نہیں کی۔ حرام سے برائی سے نہیں روکا۔ صحیح تربیت نہیں کی تو والدین ماخوذ ہوں گے۔ اسی طرح نیکی کا فائدہ بھی دونوں کو ہوتا ہے۔ والدین کے فضائل کے نتائج سے اولاد مستفید ہوتی ہے تو اولاد کی نیکیاں، والدین کے درجات بڑھانے میں معاون ہوتی ہیں۔

فرمایا، ہم نیک بندوں کے ایمان والے اہل خانہ کو ان سے ملا دیں گے اگر چہ ان کے اپنے اعمال کم ہی ہوں۔ اور یہ بھی نہیں ہوگا کہ ان کے اعمال میں کچھ کمی کر دی جائے۔ ہم ان کے اپنے اعمال کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کریں گے۔ اور اہل خانہ کو ساتھ ملا دینا اپنے نیک بندوں کی خوشی کے لیے ہوگا کہ اس کی اولاد، اس کی بیویاں اس کے پاس ہوں۔ بس ایمان ہونا لازم ہے۔ اگر کسی نے دنیا میں ایمان ختم کر دیا تو پھر اس نیک بندے سے رشتہ بھی منقطع ہو گیا۔ كُلُّ امْرِئٍۭ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ﴿٢١﴾ ہر شخص اپنے اعمال میں پھنسا ہوا ہے۔ عام زبان میں رہن کا لفظ مستعمل ہے جیسے زمین رہن رکھ دی۔ کسی مجبوری کے باعث مجبور ہو کر رہن رکھا جاتا ہے۔ بندہ پھنس جاتا ہے۔ اسی طرح یہاں لفظ رہن استعمال ہوا ہے کہ اگر ایمان نہ ہوا تو جو ساتھ لے کر گیا ہوگا، اسی میں بندھا ہوا ہوگا۔ اسی میں پھنسا ہوا ہوگا، اس کا رہن ہوگا، وہاں سے بھاگ نہ سکے گا۔ اس کی آزادی سلب ہو کر اس کے کردار کے اندر محدود ہو گئی ہوگی۔ اولاد کو بھی چاہیے کہ کم از کم عقیدہ درست رکھیں۔ اعمال میں کوشش کریں پھر اگر عمل میں کمی بھی رہ گئی تو اللہ کریم اپنی رحمت سے اسے اپنے نیک بندے کے ساتھ ملا دیں گے۔ اگر اللہ کے ایک نیک بندے کا عند اللہ ایسا اکرام ہے تو پھر اللہ کے

رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذرّیت کا کیا مقام ہوگا! حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی ازواج مطہرات اور اولادِ اطہار کا کیا ارفع واعلیٰ مقام ہے!

وَاَمۡدَدۡنٰهُمۡ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحۡمٍ مِّمَّا يَشۡتَهُوۡنَ ﴿۲۲﴾ اور ہم ان کو پھل اور گوشت جس قسم کا چاہیں گے دیتے رہیں گے۔ اہلِ جنت کی میزبانی کا تذکرہ ہے۔ فرمایا، ہم انہیں ان کی پسند کے مطابق عطا کریں گے۔ ہر ایک کو اس کی پسند کی غذا ملے گی۔ ایک ایک جنتی کو اس کی پسند کی غذا ملے گی۔ پسند کے پھل ملیں گے اور گوشت سے بنی مختلف غذائیں ملیں گی۔ جیسا جس کا مزاج ہوگا ویسا ہی اسے عطا کیا جائے گا۔

يَتَنَازَعُوۡنَ فِيۡهَا كَاۡسًا لَّا لَغۡوٌ فِيۡهَا وَلَا تَاۡثِيۡمٌ ﴿۲۳﴾ وہاں (بطور خوش طبعی کے) ایک دوسرے سے جام جھپٹ لیا کریں گے جس (کے پینے) سے نہ فضول بات ہوگی اور نہ کوئی گناہ۔ جنتی، جنت میں ایسی شراب پئیں گے جس سے ان کی عقل مختل ہوگی نہ کوئی برائی کی بات ہوگی۔ اس میں نہ بدبو ہوگی نہ وہ تلخ ہوگی۔ عربی میں شراب سے مراد مشروب ہے یعنی پینے والی چیز۔ جنت کے مشروب خوش ذائقہ ہوں گے ان کی خوشبو بھی اعلیٰ ہوگی اور ان کو پی کر کوئی بہکے گا بھی نہیں۔ جنتی محض خوش طبعی کے طور پر دوستوں سے مشروب کے جام چھین رہے ہوں گے۔

وَيَطُوۡفُ عَلَيۡهِمۡ غِلۡمَانٌ لَّهُمۡ كَاَنَّهُمۡ لُـؤۡلُـؤٌ مَّكۡنُوۡنٌ ﴿۲۴﴾ اور ان کے لیے نوجوان خدمتگار جیسے چھپائے ہوئے موتی، ان کے پاس پھریں گے۔ اور ان کے پاس ایسے نوعمر خدمتگار ہوں گے جو تمیز دار، اطاعت گزار ہوں گے۔ خوبصورت ایسے گویا بکھرے ہوئے موتی!

وَاَقۡبَلَ بَعۡضُهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ يَّتَسَآءَلُوۡنَ ﴿۲۵﴾ اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر پوچھیں گے قَالُوۡۤا اِنَّا كُنَّا قَبۡلُ فِىۡۤ اَهۡلِنَا مُشۡفِقِيۡنَ ﴿۲۶﴾ کہیں گے کہ بے شک ہم تو پہلے اپنے گھر میں (اللہ سے) ڈرا کرتے تھے۔ جب وہ آپس میں مل بیٹھیں گے۔ مشروب کے دور چل رہے ہوں گے۔ گپ شپ ہو رہی ہوگی تو ایک دوسرے سے سوال کریں گے کہ جب ہم دنیا میں تھے تو کتنے مصروف ہوتے تھے۔ کاروبارِ حیات تھا، آل اولاد کی ذمہ داریاں تھیں لیکن ہمیں یہ مشغولیتیں اللہ کی یاد سے نہیں روکتی تھیں۔ ہمیں موت کا، آخرت کا، قیامت کا خوف دامنگیر رہتا تھا۔ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيۡنَا وَوَقٰٮنَا عَذَابَ السَّمُوۡمِ ﴿۲۷﴾ تو اللہ نے ہم پر احسان فرمایا اور ہم کو دوزخ (لو) کے عذاب سے بچالیا۔ اِنَّا كُنَّا مِنۡ قَبۡلُ نَدۡعُوۡهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡبَرُّ الرَّحِيۡمُ ﴿۲۸﴾ اس سے پہلے (دنیا میں) یقیناً ہم اس سے دعائیں کیا کرتے تھے بے شک وہ احسان کرنے والا مہربان ہے۔

کہیں گے ہمیں دنیا میں آخرت کی مشکلات کا ڈر ضرور رہتا تھا۔ ہم اس وقت اللہ کی نافرمانی سے بچنے اور اللہ کی اطاعت کرنے میں کوشاں رہتے تھے تو اللہ نے ہم پر کتنا بڑا احسان کیا کہ ہمیں آخرت میں محفوظ رکھا۔ ہم پر موت آئی، برزخ میں رہے، قیامت قائم ہوگئی لیکن الحمدللہ! اللہ نے اپنے رحم و کرم سے ہمیں دوزخ کی لپٹوں سے محفوظ رکھا۔ دوزخ کی جھلسا دینے والی لُو سے محفوظ رکھا۔ ہمیں تو دوزخ کی گرم ہوا بھی نہیں پہنچی۔

بے شک ہماری عبادتیں، ہماری محنت اور مجاہدہ کم تھا لیکن وہ بڑا احسان کرنے والا ہے۔ اس نے ہمیں عیش و نشاط میں لا رکھا۔ اس کے تو اتنے احسانات ہیں کہ کسی ایک احسان کا بدلہ ہماری ساری عبادت پورا نہ کر پاتی لیکن صرف اس بات پر کہ ہم دنیا میں صرف اسی سے آس لگاتے، اسی پر بھروسہ کرتے، اس کی اطاعت کرتے اس کی نافرمانی سے بچنے کی کوشش کرتے تھے اس نے اتنا کرم کیا کہ ہمیں جنت عطا کر دی بے شک وہ بہت ہی رحم کرنے والا ہے۔

سورۃ الطور رکوع 2 آیات 29 تا 49

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ﴿٢٩﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ
نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿٣٠﴾ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ﴿٣١﴾
اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿٣٢﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ
تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٣٣﴾ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿٣٤﴾
اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿٣٥﴾ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ﴿٣٦﴾ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ
الْمُصَيْطِرُوْنَ ﴿٣٧﴾ اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ ۚ فَلْيَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ
بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٨﴾ اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ ﴿٣٩﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا
فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿٤٠﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿٤١﴾ اَمْ
يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ۭ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ﴿٤٢﴾ اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ
اللّٰهِ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٤٣﴾ وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا
يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ﴿٤٤﴾ فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ
يُصْعَقُوْنَ ﴿٤٥﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٤٦﴾
وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٧﴾
وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿٤٨﴾
وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿٤٩﴾

تو آپ سمجھاتے رہیے کہ آپ اپنے پروردگار کے کرم سے نہ تو کاہن ہیں اور نہ دیوانے ﴿۲۹﴾ کیا یہ (کافر) کہتے ہیں کہ شاعر ہیں ہم ان کے بارے حوادثِ زمانہ (موت) کا انتظار کررہے ہیں ﴿۳۰﴾ فرمادیجیے کہ انتظار کیے جاؤ سو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں ﴿۳۱﴾ کیا ان کی عقلیں ان کو یہی سکھاتی ہیں یا یہ شریر لوگ ہیں ﴿۳۲﴾ کیا یہ (بھی) کہتے ہیں کہ اس (قرآن) کو (خود) گھڑلیا ہے بلکہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے ﴿۳۳﴾ تو یہ لوگ اس طرح کا کوئی کلام بنا کرلے آئیں اگر (اپنے دعوے میں) سچے ہیں تو ﴿۳۴﴾ کیا یہ لوگ بغیر پیدا کرنے والے کے پیدا ہو گئے یا یہ خود (اپنے تئیں) پیدا کرنے والے ہیں؟ ﴿۳۵﴾ یا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے (نہیں) بلکہ یہ یقین نہیں رکھتے ﴿۳۶﴾ کیا آپ کے پروردگار کے خزانے ان لوگوں کے پاس ہیں یا یہ لوگ داروغہ ہیں؟ ﴿۳۷﴾ کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر (چڑھ کر آسمان سے باتیں) سُن آتے ہیں تو اُن میں جو سُن آتا ہے وہ صاف دلیل پیش کرے ﴿۳۸﴾ کیا اس (اللہ) کے لیے بیٹیاں اور تمہارے لیے بیٹے ہیں؟ ﴿۳۹﴾ کیا آپ ان سے صِلہ مانگتے ہیں کہ ان پر تاوان کا بوجھ پڑ رہا ہے؟ ﴿۴۰﴾ کیا ان کے پاس غیب (کا علم) ہے کہ وہ اُسے لکھ لیتے ہیں؟ ﴿۴۱﴾ کیا یہ کوئی داؤ کرنا چاہتے ہیں؟ تو کافر خود ہی داؤ میں آنے والے ہیں ﴿۴۲﴾ کیا ان کے لیے اللہ کے سوا کوئی معبود ہے؟ اللہ ان کے شرک سے پاک ہیں ﴿۴۳﴾ اور اگر یہ آسمان کے ٹکڑے کو گرتا ہوا دیکھیں تو کہیں گے یہ تو تہہ بہ تہہ بادل ہے ﴿۴۴﴾ پس ان کو رہنے دیجیے یہاں تک کہ ان کو اپنے اس دن سے واسطہ پڑے جس (دن) میں ان کے ہوش اُڑ جائیں گے ﴿۴۵﴾ جس دن ان کی تدبیریں ان کے کچھ کام نہ آئیں گی اور نہ (کہیں سے) ان کو مدد ملے گی ﴿۴۶﴾ اور بے شک ان ظالموں کے لیے اس کے سوا اور بھی عذاب ہے ولیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے ﴿۴۷﴾ اور آپ اپنے پروردگار کے حکم کے لیے صبر کیجیے کہ

بے شک آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں اور جب اٹھا کریں تو اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ پاکی بیان کریں ﴿۴۸﴾ اور رات میں بھی اس کی پاکی بیان کریں اور ستاروں کے غروب ہونے کے بعد بھی ﴿۴۹﴾

تفسیر و معارف

کفار ایسے بدبخت تھے کہ اعتراضات ہی کرتے رہتے تھے۔ کبھی کہتے یہ نبوت کا دعویٰ کرنے والے کاہن ہیں، جادوگر ہیں جو ان کے پاس جاتا ہے، بدل جاتا ہے۔ ماں باپ، بہن بھائیوں، پورے معاشرے سے مختلف اور الگ ہو جاتا ہے۔ کبھی کہتے یہ دیوانوں جیسی باتیں کرتے ہیں کہ مرکر جب مٹی ہو جائیں گے تو پھر اٹھنا پڑے گا۔ حساب کتاب دینا ہوگا۔ جنت یا دوزخ میں جانا ہوگا۔

اللہ کریم فرماتے ہیں: فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ﴿۲۹﴾ تو آپ سمجھاتے رہیے کہ آپ اپنے پروردگار کے کرم سے نہ تو کاہن ہیں اور نہ دیوانے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں، میرے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلّم) ہم گواہ ہیں کہ آپ نہ جادوگر و کاہن ہیں اور نہ دیوانے۔ کاہن تو شیطان سے خبریں لے کر لوگوں کو بتاتا ہے۔ کاہن کی باتوں میں بھی جھوٹ ہوتا ہے اور گناہ کی دعوت ہوتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ہر لفظ حق ہے۔ ہر قول میں نیکی اور عبادت ہے۔ پھر کہتے ہیں: اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿۳۰﴾ کیا یہ (کافر) کہتے ہیں کہ شاعر ہیں۔ ہم ان کے بارے حوادثِ زمانہ (موت) کا انتظار کر رہے ہیں۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ دنیا میں بڑے نامور شاعر ہو گزرے ہیں۔ انہوں نے بڑے اعلیٰ پائے کی شاعری کی۔ ان کی عبارتیں بھی بڑی مسجع و مقفّٰی تھیں لیکن وہ بھی موت کی وادی میں اتر گئے۔ یہ بھی بڑا ادبی کلام پیش کرتے ہیں۔ مرورِ زمانہ سے یہ بھی گزر جائیں گے اور لوگ بھول جائیں گے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں: قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ﴿۳۱﴾ فرما دیجیے کہ انتظار کیے جاؤ سو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ٹھیک ہے! تم انتظار کرو ہم بھی تمہارے انجامِ بد کا انتظار کرتے ہیں۔ پھر ساری کائنات نے دیکھ لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا نامِ نامی زمانہ بھلا نہ سکا، تاریخ بھلا نہ سکی، وصال سے بھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے دنیا سے پردہ فرما جانے سے بھی، الغرض کوئی چیز، مخلوق سے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو جدا نہ کر سکی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادات، آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی تعلیمات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی برکات

کائنات میں جاری وساری ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا قرآنِ کریم آج بھی لوگوں کو یہ دعوت دے رہا ہے کہ اس جیسا کوئی ایک جملہ بنا کر لے آؤ! پندرہ سو سال سے ایسا کوئی نہ کر سکا اور نہ کر سکے گا! دن رات، زمین کے کونے کونے میں اللہ کی عظمت بیان ہوتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق ہوتی ہے۔ زمین پر ہر لحہ کہیں نہ کہیں اذان ہو رہی ہوتی ہے۔ جاپان سے شروع کریں اور دنیا کا چکر لگا کر واپس جاپان آجائیں تو یہی پتا چلے گا کہ ایک جگہ فجر کا وقت ختم ہو رہا ہے تو اگلی جگہ شروع ہو رہا ہے۔ پانچ وقت کی اذانیں ہمہ وقت گونجتی رہتی ہیں۔ مؤذن پکارتا رہتا ہے: اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ... اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ... اللہ کی کبریائی بیان ہوتی ہے۔ یہ کفار و مشرکین کہا کرتے تھے کہ زمانہ انہیں بھلا دے گا لیکن گردشِ دوراں میں یہ جرأت نہ ہو سکی کہ دنیا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ نامی چھین سکے!

زبانِ حق ترجمان صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا جا رہا ہے کہ انہیں بتا دیجیے، ہم بھی تمہارے انجامِ بد کا انتظار کر رہے ہیں۔ دراصل دین کی مخالفت انسان کو تباہ کر دیتی ہے اور کفار و مشرکین تباہ ہوئے۔ بدر میں رسوا ہوئے، احد میں شکست کھائی، مکہ مکرمہ ان کے ہاتھ سے نکل گیا اور ہر جگہ سے ان کا نام و نشان مٹ گیا۔ وہ جو کہتے تھے کہ یہ پیغمبر گئے گزرے ہو جائیں گے، ان کی باتیں بھولی بسری ہو جائیں گی۔ وہ خود ذلیل و رسوا ہو کر گئے گزرے ہو گئے۔ انجامِ بد کو پہنچ گئے!

بدکار مزاج برائی پسند کرتا ہے:

اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۝۳۲ کیا ان کی عقلیں ان کو یہی سکھاتی ہیں یا یہ شریر لوگ ہیں۔ فرمایا، اللہ نے انہیں عقل و شعور دیا۔ دماغ اور ذہن دیا۔ کیا اس کا یہی استعمال تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کریں؟ عقل کا، شعور کا کام تو یہ تھا کہ حق کو پہچانتے اور باطل سے بیزار ہوتے لیکن انہوں نے اپنی عقل کو الٹا دیا کہ حق کی مخالفت بھی کرتے ہیں اور باطل کے لیے دلائل بھی دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بدکار مزاج برائی کو پسند کرتا ہے۔ جب انسان، شیطان اور نفس کے فریب میں آجائے تو مزاج متاثر ہو جاتا ہے۔ عقل درست سمت میں کام کرنا چھوڑ دیتی ہے۔ لوگ کہتے بھی رہیں کہ یہ کام برا ہے وہ پھر بھی برائی کو ہی پسند کرتا ہے۔

ان کا مسخ شدہ مزاج ہے جس کے باعث یہ کہتے ہیں: اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝۳۳ کیا یہ (بھی) کہتے ہیں کہ اس (قرآن) کو (خود) گھڑ لیا ہے۔ یہ لوگ بھی کہتے ہیں کہ قرآن تو ان کی جوڑی ہوئی مسجع اور مقفّٰی عبارت ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ ان کے کردار، ان کی برائیاں، ان کے گناہ ایسے ہیں کہ ان کے باعث یہ

قبولِ ایمان سے دور ہو گئے ہیں۔ ان کی قبولِ ایمان کی استعداد ہی مفقود ہو گئی ہے۔ ان کے کردار کی خرابیوں نے انہیں ایمان قبول کرنے سے دور کر دیا ہے۔ در حقیقت یہ ایمان لانا ہی نہیں چاہتے!

فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِن كَانُوا صَادِقِينَ ﴿٣٤﴾ تو یہ لوگ اس طرح کا کوئی کلام بنا کر لے آئیں اگر (اپنے دعوے میں) سچے ہیں تو۔ فرمایا، اگر تم سچے ہو یہ قرآن پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے (معاذ اللہ) اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے تو تم بھی انسان ہو۔ تم میں بڑے بڑے فاضل، ادیب اور شاعر ہیں۔ ان سب کو ملا لو، سارے دانشور اکٹھے ہو جاؤ اور اس جیسا کوئی ایک جملہ بنا کر دکھاؤ! قرآن کی ایک آیت کے مقابلے کا ایک فقرہ ہی بنا دو! جب بڑے سے بڑا فاضل، ادیب، شاعر اور دانشور اس جیسا ایک جملہ بھی نہیں لکھ سکتا، کہہ سکتا ہے نہ بنا سکتا ہے تو پھر ماننا پڑے گا کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں۔ یہ اللہ قادر الکلام کا کلام ہے۔

دراصل یہ خود بھی جانتے ہیں کہ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں یہ سب جھوٹ ہے۔ پھر بھی سچائی قبول کرنے اور ماننے کو تیار نہیں۔ اگلی آیات استفہامیہ انداز سے دلائل دیتی ہیں۔ ایک کے بعد ایک دلیل سوالیہ انداز میں پیش کی گئی ہے کہ یہ لوگ اللہ اور اس کی قدرت سے انکار کر رہے ہیں تو ذرا اپنے آپ پر نظر ڈالیں۔ أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ﴿٣٥﴾ کیا یہ لوگ بغیر پیدا کرنے والے کے پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود اپنے تئیں پیدا کرنے والے ہیں؟ یہ لوگ کیا سوچتے ہیں کہ انہیں کوئی بنانے والا نہیں تھا، کوئی پیدا کرنے والا نہیں تھا، یہ از خود بن گئے؟ انسانی وجود تو خود ایک عالمِ صغیر ہے۔ ایک پورا نظام اس کے اندر چل رہا ہے۔ اس کے اندر کے نظام کے اپنے رات دن ہیں۔ اپنے صبح و شام ہیں۔ اپنی بہار و خزاں ہے۔ دکھی ہوتا ہے تو لگتا ہے خزاں کا موسم ہے، خوش ہوتا ہے تو دل میں بہار آ جاتی ہے۔ مایوس ہوتا ہے تو لگتا ہے سورج غروب ہو گیا، دل میں رات چھا گئی۔ امید کی کرن جاگتی ہے تو لگتا ہے سورج طلوع ہو گیا۔ کیا یہ سب کچھ خود بخود بن گیا، کوئی بنانے والا نہیں؟ یا انہوں نے خود اپنے آپ کو بنایا۔ یہ خالق بھی ہیں اور مخلوق بھی!

أَمْ خَلَقُوا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ ۚ بَل لَّا يُوقِنُونَ ﴿٣٦﴾ یا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے (نہیں) بلکہ یہ یقین نہیں رکھتے۔ نظامِ کائنات، آسمانوں اور زمین کا پورا نظام ایک مناسبت، توازن اور اعتدال پر قائم ہے۔ ہر لمحے اس نظام کا اعتدال پر رواں دواں رہنا اور کسی جگہ کسی غلطی کا نہ ہونا خود اس بات پر دلیل ہے کہ اسے چلانے والا اللہ جل شانہٗ ہیں۔ اللہ رب العالمین ہیں۔ یہ سارا نظام، سارے اجرام فلکی، زمین اور زمینی مخلوق سب انسان کے لیے ہیں۔ ایک ایک انسان کی خدمت کے لیے اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ کیا یہ سب انہوں

نے بنایا ہے؟ نہیں۔تو پھر انہیں اس بنانے والے کی بات ماننا پڑے گی۔ یہ لوگ جس کے جہان میں رہتے ہیں، جس کا دیا کھاتے ہیں، جس کی نعمتیں استعمال کرتے ہیں، اسی کا انکار کرتے ہیں۔اس کی وجہ ان کے یقین کی کمی ہے۔اللہ کریم نے انہیں حق قبول کرنے کی جو فطری استعداد دی تھی انہوں نے اپنے برے عقیدے اور برے کردار کے باعث اسے تباہ کر دیا۔یقین کی دولت سے محروم ہو گئے۔

مشرکین یہ بھی کہتے تھے کہ اللہ نے کسی کو نبی بنانا ہی تھا تو ہم میں سے فلاں امیر فلاں رئیس کو بنا دیتا، فلاں قبیلے کے سردار کو بنا دیتا یہ کس کو بنا دیا؟ یہ تو یتیم تھے، امیر نہیں تھے۔ کسی سے پڑھنے سیکھنے نہیں گئے جبکہ ہمارے درمیان تو بڑے بڑے پڑھے لکھے، دانشور، ادیب و شاعر، دولت مند، قادر الکلام لوگ موجود تھے اللہ نے ان میں سے کسی کو نبی کیوں نہیں بنایا؟ اللہ کریم نے فرمایا: اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآىِٕنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَۜیْطِرُوْنَ﴿۳۷﴾ کیا آپ کے پروردگار کے خزانے ان لوگوں کے پاس ہیں یا یہ لوگ داروغہ ہیں؟ اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ یَّسْتَمِعُوْنَ فِیْهِۚ فَلْیَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍؕ﴿۳۸﴾ کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر (چڑھ کر آسمان سے باتیں) سن آتے ہیں تو ان میں جو سن آتا ہے وہ صاف دلیل پیش کرے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں، کیا اللہ کے خزانوں میں ان کا کوئی حصہ ہے کہ ان کی مرضی سے تقسیم ہوں؟ ہرگز نہیں! یا یہ اللہ کے خزانوں کے انچارج ہیں کہ ان کی منظوری سے تقسیم ہوں؟ یہ اللہ کی رحمت ہے اور وہ اسے اپنی مرضی سے تقسیم فرماتے ہیں۔ جسے چاہتے ہیں منتخب کر لیتے ہیں۔ان مشورہ دینے والوں کی حیثیت کیا ہے، یہ ہوتے کون ہیں یہ کہنے والے کہ فلاں کو نبی بنایا جائے یا فلاں کو! کیا ان کے پاس کوئی ایسا زینہ ہے، کوئی ذریعہ ہے جس سے یہ عالم بالا تک چلے جاتے ہیں اور وہاں سے دنیا کے لیے احکام لاتے ہیں، یا وہاں کی خبریں لے آتے ہیں؟ اگر ایسا کوئی ذریعہ ہے تو پھر دلیل سے ثابت کریں!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تو وحیٔ الٰہی کی دلیل ہے۔ان کے پاس کیا ہے جس پر یہ رائے دیتے ہیں کہ یہ مذہب حق نہیں ہے۔دینِ اسلام تو حق ہے، جو اسے باطل سمجھتا ہے اس کے پاس دلیل کیا ہے؟ اسے اللہ نے بتایا ہے یا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے یا اس پر وحی آئی ہے یا وہ خود سیڑھی لگا کر عالمِ بالا سے ہو آیا ہے یا اس کے باپ دادا وہاں سے ہو آئے تھے؟

مذہب حقہ کی بنیاد ہی یہ ہے کہ وہ اللہ جل شانہٗ کا عطا کردہ ہو۔اللہ نے نازل کیا ہو۔ یہ لوگ کیا دلیل دیں گے ان کی تو کوئی بات سیدھی نہیں، کسی بات میں وزن نہیں۔ یہ مذہب کیا بتائیں گے ان کی تو عقل ہی سلامت نہیں۔ جس چیز کو یہ اپنی دانست میں معمولی سمجھتے ہیں اسے یہ اللہ کریم کی طرف منسوب کرتے ہیں اور جسے یہ خود بہترین سمجھتے

ہیں اُسے یہ اپنے لیے پسند کر لیتے ہیں۔ اللہ جل شانہٗ فرماتے ہیں: اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ﴿۳۹﴾ کیا اس (اللہ) کے لیے بیٹیاں اور تمہارے لیے بیٹے ہیں؟ ان لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ فرشتے (معاذ اللہ) اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ یعنی یہ اللہ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں اور اپنے لیے بیٹے لے کر خوش ہوتے ہیں۔ ان کا شعور دیکھو! ان کے ہاں بیٹی پیدا ہو تو اتنے ناخوش ہوتے ہیں کہ چہرے بگڑ جاتے ہیں۔ ظلم کی انتہا ہے کہ بیٹی کو زندہ دفن کر دیتے ہیں اور بیٹا ہو تو خوشی سے پھولے نہیں سماتے۔ یہ عقیدہ ان کی جہالت کی دلیل ہے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ کیا میرے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ان سے تبلیغ پر کوئی معاوضہ مانگتے ہیں کہ انہیں بوجھ لگتا ہے؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے دُنیوی فوائد لیتے ہیں، کوئی خدمت لیتے ہیں؟ ہرگز نہیں! فرمایا: اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ﴿۴۰﴾ کیا آپ ان سے صلہ مانگتے ہیں کہ ان پر تاوان کا بوجھ پڑ رہا ہے؟

اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ﴿۴۱﴾ کیا ان کے پاس غیب (کا علم) ہے کہ وہ اسے لکھ لیتے ہیں؟ فرمایا کیا ان کے پاس کوئی ایسا ذریعہ ہے جو انہیں غیب کے علوم سے آگاہ کرتا ہے اور یہ اسے لکھ لیتے ہیں اور لوگوں کو بتاتے ہیں؟

غیب کیا ہے؟

غیب کا سادہ سا مفہوم ہے مَا غَابَ عَنِ الْحَوَاسِ جو حواس سے پوشیدہ ہو۔ ہر انسان کے پاس حواسِ خمسہ ہیں۔ اس کے باوجود ہر بندے کے لیے غیب مختلف ہے۔ ایک پڑھے لکھے کے لیے وہ چیز غیب نہیں جو ایک ان پڑھ کے لیے غیب ہے جو اس کے حواس سے پوشیدہ ہے وہ پڑھے لکھے کے علم میں ہے وہ اس سے آگاہ ہے۔ ایک مریض کے حواس سے اس کے مرض کی وجہ اور اس کا علاج پوشیدہ ہے۔ مریض کے لیے یہ غیب ہے اور علاج کرنے والے ڈاکٹر یا طبیب کے لیے یہ غیب نہیں ہے۔ اسی طرح جن چیزوں کی ہمیں اطلاع نہ ہو وہ ہمارے لیے غیب ہیں اور جب اطلاع ہو جائے تو وہ غیب نہیں رہتیں۔ کہیں کوئی حادثہ ہو جائے، واقعہ ہو جائے تو ہم اس سے بے خبر ہوتے ہیں جب تک ہمیں اس کی خبر نہ مل جائے۔ کوئی فون پر بتا دے یا میڈیا کے ذریعے معلوم ہو جائے، جب ہمیں معلوم ہو گیا تو پھر ہمارے لیے غیب نہ رہا۔ میڈیا خبر پہنچانے کا ذریعہ بن گیا۔ یہ تو عام زندگی کی مثالیں تھیں جن سے غیب کا مفہوم سمجھا جا سکتا ہے۔

اصطلاحِ شریعت میں جسے علمِ غیب کہتے ہیں وہ صرف اللہ کی صفت ہے۔ بغیر کسی ذریعے یا سبب کے جاننا

واحد ولاشریک کی صفت ہے۔ انبیاؑ کو اللہ کریم غیب عطا کرتے ہیں وہ دوسروں کے لیے غیب ہوتا ہے۔ نبیؑ کے لیے غیب نہیں ہوتا۔ اللہ کریم وحی، القا یا الہام یعنی کسی سبب یا ذریعے سے نبیوںؑ کو غیب سے علم عطا کر دیتے ہیں۔ انبیاؑ پر وحی آتی ہے اس لیے وہ علمِ غیب نہیں رہتا وہ اطلاع عن الغیب ہوتی ہے۔ جیسے قرآن کریم نے یوں فرمایا ہے: لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ (آل عمران:179) اللہ نے انبیاؑ کو اس کی اطلاع دے دی جو پہلے اُنؑ کے لیے غیب تھا۔

یہاں فرمایا جارہا ہے کہ مخلوق کے لیے تو سب غیب ہے لیکن نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام بتارہے ہیں کہ آخرت ہوگی۔ ہر بندے کو اپنے عقیدے اور کردار کی جزا ملے گی۔ مخلوق نے جنت نہیں دیکھی، دوزخ نہیں دیکھی، برزخ نہیں دیکھا، فرشتے نہیں دیکھے۔ یہ ساری باتیں ہمارے لیے غیب ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائیں تو ہمیں غیب پر اطلاع ہوگئی۔ اس پر ایمان لے آئے۔

خلاصہ یہ کہ علمِ غیب اللہ جلّ شانہٗ کا خاصہ ہے۔ انبیاؑ کی اطلاع عن الغیب سب سے اعلیٰ ہے اور مخلوق کی نجات کا سبب ہے۔ باقی سب کے پاس اطلاع عن الغیب نبیؑ کے پہنچانے سے ہے اور اپنی اپنی حیثیت کے مطابق ہے!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی بات نہ ماننا خود کو سخت مصیبت میں ڈالنا ہے:

تاریخ شاہد ہے کہ جس نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی بات نہ مانی، پروا نہ کی وہ دنیا میں بھی رسوا ہوا اور آخرت میں سخت مصیبت میں گرفتار ہوگا۔ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ والا صفات کو زک پہنچانے کی کوشش کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے مشن کو نقصان پہنچانے کے لیے فریب کیے وہ خود خوار ہوا۔ کافر، کفر کی وجہ سے خود ایک ایسے جال میں پھنسا ہوا ہوتا ہے جس پر ہمہ وقت اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے اور اللہ کی طرف سے لعنت برستی ہے تو وہ کسی دوسرے پر کیا داؤ کریں گے؟ جو خود جال میں پھنسا ہوا ہو وہ کسی دوسرے کے لیے کیا جال بچھائے گا! فرمایا: اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ۭ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ۝42 کیا یہ کوئی داؤ کرنا چاہتے ہیں؟ تو کافر خود ہی داؤ میں آنے والے ہیں۔ فرمایا، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ فریب کرنا چاہتے ہیں، مکر کرنا چاہتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ان بدبختوں کی عقل ماؤف ہو چکی ہے۔ یہ خود گرفتارِ بلا ہیں اور اس سے بے خبر ہیں تو یہ کیا فریب کریں گے؟ یہ خود فریبی میں خود مبتلا ہیں!

اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝43 کیا ان کے لیے اللہ کے سوا کوئی معبود ہے؟ اللہ ان کے شرک سے پاک ہیں۔ فرمایا، کیا انہیں اللہ کے سوا کوئی پروردگار، کوئی دوسرا معبود مل گیا ہے جو اللہ کی صفات

کا حامل ہے۔ ہرگز نہیں۔ اللہ کی شان ان باتوں سے بلند ہے۔ اللہ کی ذات ان کی مشرکانہ باتوں سے بہت بالاتر اور پاک ہے۔ وہ وحدہٗ لاشریک ہے اس کی ذات اور صفات میں کوئی شریک نہیں اور کوئی اس جیسا نہیں۔

یہ اپنے گناہوں کے سبب اتنا دور جا چکے ہیں، گمراہی میں اتنا آگے جا چکے ہیں، ان کا شعور اتنا مسخ ہو چکا ہے، عقل کا دیوالیہ نکل چکا ہے کہ اگر یہ کھلی آنکھوں آسمان سے عذاب اترتا دیکھیں تب بھی یہی کہیں گے کہ یہ تو بڑا گھنا بادل ہے جو ہم پر بارش برسائے گا۔ یہ اس وقت تک نہیں مانیں گے جب تک عذابِ الٰہی واقع نہ ہو جائے۔ فرمایا: وَاِنْ یَّرَوْا کِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا یَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْکُوْمٌ ﴿۴۴﴾ اور اگر یہ آسمان کے ٹکڑے کو گرتا ہوا دیکھیں تو کہیں گے یہ تو تہہ بہ تہہ بادل ہے۔ گزشتہ قوموں میں سے ایک قوم تھی جو اس خوش فہمی میں تھی کہ نبیؑ ہمیں عذاب سے ڈراتے ہیں لیکن ہم پر تو گھنے بادل آئے ہوئے ہیں۔ خوب زور کی بارش برسے گی اور خوب کھیتیاں اُگیں گی۔ لیکن ان بادلوں سے آگ برسی اور وہ قوم تباہ ہو گئی۔

فرمایا: فَذَرْهُمْ حَتّٰی یُلٰقُوْا یَوْمَهُمُ الَّذِیْ فِیْهِ یُصْعَقُوْنَ ﴿۴۵﴾ پس ان کو رہنے دیجیے یہاں تک کہ ان کو اپنے اس دن سے واسطہ پڑے جس (دن) میں ان کے ہوش اڑ جائیں گے۔ یَوْمَ لَا یُغْنِیْ عَنْهُمْ کَیْدُهُمْ شَیْئًا وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۴۶﴾ جس دن ان کی تدبیریں ان کے کچھ کام نہ آئیں گی اور نہ (کہیں سے) ان کو مدد ملے گی۔ فرمایا، میرے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام انہیں کرنے دیں جو یہ کرنا چاہتے ہیں۔ آپ اللہ کا پیغام پہنچاتے رہیے۔ ان کا معاملہ میرے ساتھ ہے۔ مانتے ہیں تو فائدے میں رہیں گے اور نہیں مانتے تو ہم ان سے حساب لے لیں گے۔ ایک دن آرہا ہے جب وہ دن آئے گا تو ان کے ہوش حواس کھو جائیں گے۔ ان کی ساری اکڑ، کرّ وفر جاتا رہے گا۔ اس دن ان کی کوئی تدبیر کام نہ آئے گی اور نہ ہی کوئی ان کی مدد کو آئے گا۔

آج جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہیں مان رہا اس کے لیے یہ آیۂ مبارکہ واضح اور دوٹوک اعلان کر رہی ہے کہ وہ خود کو سخت مصیبت میں ڈال رہا ہے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہیں مانتا، اطاعت نہیں کرتا وہ اپنے آپ کو تباہ کر رہا ہے۔ قیامت کو آنے دیجیے انہیں پتا چل جائے گا جب وہاں نہ کوئی تدبیر کارگر ہوگی اور نہ ہی کوئی مدد ملے گی!

وَاِنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِکَ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾ اور بے شک ان ظالموں کے لیے اس کے سوا اور بھی عذاب ہیں ولیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔ فرمایا، عذابِ قبر، برزخ کے عذاب، قیامت کی مشکل گھڑی، یہ وہ باتیں ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرما دی ہیں۔ ہر قسم کے گناہ پر جو عذاب

مرتب ہونے ہیں وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی ایسے بڑے بڑے عذاب ہیں۔ جب حشر میں پہنچیں گے، اپنے کردار کے نتائج دیکھیں گے تو پتا چلے گا لیکن ان کی اکثریت جاہل ہے!

عالم اور جاہل کا فرق:

قرآنِ حکیم میں عالم اور جاہل کا فرق بتایا گیا ہے۔ جس نے اللہ کا دین سیکھ لیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر ایمان لایا وہ عالم ہے اور جو بے شمار مادّی اور دنیوی علوم پڑھ جائے لیکن اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائے وہ جاہل ہے۔ علمِ حقیقی یہ ہے کہ انسان اپنی ذات کو پہچانے، اپنی ضروریات سے آگاہ ہو۔ اپنے بنانے والے کو جانے، اس کی عطا اور عنایات کا ادراک کرے، شکر بجالائے۔ اور جو اللہ سے بیگانہ ہو وہ خواہ کتنے ہی دنیوی علوم پڑھ جائے وہ عنداللہ جاہل ہے!

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ﴿٤٨﴾ اور آپ اپنے پروردگار کے حکم کے لیے صبر کیجیے کہ بے شک آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ اور جب اٹھا کریں تو اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ پاکی بیان کریں۔

اللہ کریم اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرما رہے ہیں کہ اللہ نے جو حکم دیا ہے آپ اس پر جم جائیں، قائم ہو جائیں۔ اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تو ہمیشہ حق پر ہوتے ہیں تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس خطاب کے کیا معنیٰ؟۔ یہ خطاب دراصل امت کو ہے، بواسطہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ جیسے ملک میں ایک قانون بنایا جائے اور یہ صراحت کی جائے کہ یہ ملک کے وزیرِ اعظم پر بھی لاگو ہوگا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وزیرِ اعظم کوئی لاقانونیت کر رہے تھے بلکہ ایسا کہنے سے مراد دراصل اس قانون کی اہمیت بیان کرنا مقصود ہے کہ اگر وزیرِ اعظم نہیں بچ سکتے تو عام شہری کیسے سوچتا ہے کہ وہ بچ جائے گا؟

اسلام کیا ہے، مسلمانی کیا ہے؟ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر ڈٹ جانا۔ پورے خلوص، پوری قوت، پوری طاقت کے ساتھ شعوری طور پر اس پر جم جانا۔ فرمایا فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا ۔۔۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری نگاہوں میں ہیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی معیت حاصل ہے۔ اللہ کی حفاظت حاصل ہے۔ کافر، کافر طاقتیں، یہ معاشرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قطعاً کوئی زک نہیں پہنچا سکتا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی معیت حاصل ہے۔ اللہ کی حفاظت حاصل ہے یہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جو اللہ کے احکام پر ڈٹ جاتا ہے اسے حفاظتِ الٰہیہ نصیب ہو جاتی ہے۔

وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿۴۹﴾ اور رات میں بھی اس کی پاکی بیان کریں اور ستاروں کے غروب ہونے کے بعد بھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے توسط سے پوری امت کے لیے تاکید ہے کہ نیند سے بیدار ہونے کے بعد بھی اللہ کی پاکی بیان کریں، راتوں کو اللہ کو یاد کریں۔ اس کی تسبیح اور پاکی بیان کریں، اللہ کا ذکر کریں اور جب فجر پھوٹ رہی ہو، ستارے ڈوب رہے ہوں تب بھی اللہ کو یاد کریں۔ یہاں فرض نمازیں مراد ہیں۔ تسبیح اور اذکار مراد ہیں۔ دینی مطالعہ اور علومِ دین کا حصول بھی مراد ہے۔ دراصل ہمہ وقت کا ذکر مراد ہے۔ سوتے جاگتے، سورج غروب ہورہا ہو، چاند ستارے آرہے ہوں یا سورج طلوع ہورہا ہو چاند ستارے ماند پڑ رہے ہوں ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے رہیے۔ اس کا حق تب ہی ادا ہوتا ہے جب ذکرِ قلبی سے قلب ذاکر ہوجائے۔ جب دل کی ہر دھڑکن اللہ کا نام لے۔ جب دن ہو یا رات کوئی لمحہ اللہ کی یاد سے غفلت نہ ہو۔

ذکرِ دوام، ذکرِ مسلسل، زبان سے ذکر، دل سے ذکر، عمل سے ذکر ہر حال میں اللہ کا ذکر اور اللہ کی یاد انسان کی ضرورت ہے اس لیے اللہ کریم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے خطاب فرما کر امت کے لیے تاکید فرمادی ہے۔ ذکر اللہ کا ایک بڑا انعام یہ بھی ہے کہ ذاکرین کو حفاظتِ الٰہیہ نصیب ہوجاتی ہے!

سورۃ النجم رکوع 1 آیات 1 تا 25

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ﴿١﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ﴿٢﴾ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ
الْهَوٰى ﴿٣﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴿٤﴾ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ﴿٥﴾ ذُوْ مِرَّةٍ ؕ
فَاسْتَوٰى ﴿٦﴾ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ﴿٧﴾ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ﴿٨﴾ فَكَانَ قَابَ
قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ﴿٩﴾ فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ﴿١٠﴾ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا
رَاٰى ﴿١١﴾ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ﴿١٢﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴿١٣﴾ عِنْدَ سِدْرَةِ
الْمُنْتَهٰى ﴿١٤﴾ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ﴿١٥﴾ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ﴿١٦﴾ مَا
زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿١٧﴾ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿١٨﴾ اَفَرَءَيْتُمُ
اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿١٩﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴿٢٠﴾ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ
الْاُنْثٰى ﴿٢١﴾ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿٢٢﴾ اِنْ هِيَ اِلَّاۤ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ
وَاٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا
تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ﴿٢٣﴾ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا
تَمَنّٰى ﴿٢٤﴾ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى ﴿٢٥﴾

ستارے کی قسم جب وہ غائب ہونے لگے ﴿١﴾ تمہارے صاحب نہ راستہ بھولے اور نہ بھٹکے ہیں ﴿٢﴾ اور نہ خواہشِ نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں ﴿٣﴾ ان کا ارشاد تو وحی ہے جو (ان کی طرف) بھیجی جاتی ہے ﴿٤﴾ ان کو بہت قوت والے (جبرائیل علیہ السلام) نے سکھایا ﴿٥﴾ بڑے طاقتور ہیں پھر وہ (اصلی صورت پر

آپ پر) ظاہر ہوئے ﴿۶﴾ اور وہ (آسمان کے) بلند کنارے پر تھے ﴿۷﴾ پھر قریب ہوئے تو آگے بڑھے ﴿۸﴾ تو وہ دو کمان کے فاصلے یا اس سے بھی کم (فاصلے پر رہ گئے) ﴿۹﴾ پھر (اللہ نے) اپنے بندے پر وحی نازل فرمائی جو کچھ نازل فرمائی تھی ﴿۱۰﴾ (ان کے) قلب نے دیکھی ہوئی چیز میں غلطی نہیں کی ﴿۱۱﴾ تو کیا ان سے ان کی دیکھی ہوئی چیز میں جھگڑا کرتے ہو؟ ﴿۱۲﴾ اور یقیناً انہوں نے اس کو ایک اور بار بھی نازل ہوتے دیکھا ہے ﴿۱۳﴾ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ﴿۱۴﴾ اس کے قریب جنت الماویٰ ہے ﴿۱۵﴾ جب بیری پر چھا رہا تھا جو کچھ چھا رہا تھا ﴿۱۶﴾ (ان کی) آنکھ نہ تو ہٹی اور نہ حد سے آگے بڑھی ﴿۱۷﴾ بے شک انہوں نے اپنے پروردگار کے بڑے بڑے عجائبات دیکھے ﴿۱۸﴾ بھلا تم نے بھی لات اور عزیٰ کو دیکھا ﴿۱۹﴾ اور تیسرے منات کو (بھلا یہ معبود ہو سکتے ہیں؟) ﴿۲۰﴾ کیا تمہارے لیے بیٹے ہیں اور اس (اللہ) کے لیے بیٹیاں؟ ﴿۲۱﴾ یہ تقسیم تو بہت بے انصافی کی ہے ﴿۲۲﴾ یہ نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے گھڑ لیے ہیں اللہ نے تو ان کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی تم تو صرف بے اصل خیالات پر اور اپنے نفس کی خواہش پر چل رہے ہو حالانکہ ان کے پاس ان کے پروردگار کی طرف سے ہدایت آ چکی ہے ﴿۲۳﴾ کیا انسان کو اس کی ہر تمنا مل جاتی ہے ﴿۲۴﴾ سو آخرت اور دنیا اللہ ہی کے اختیار میں ہے ﴿۲۵﴾

تفسیر و معارف

سورۂ نجم ان سورتوں میں شمار ہوتی ہے جنہیں مکّی کہا جاتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی حیاتِ مبارکہ کے وہ تیرہ برس جو بعد از نبوت یعنی بعثت کے بعد مکہ مکرمہ میں بسر ہوئے اس عرصے میں جو سورتیں نازل ہوئیں وہ مکّی کہلاتی ہیں۔ یاد رہے! نزولِ قرآن اور ترتیبِ قرآن الگ الگ ہیں۔ نزولِ قرآن میں اللہ کریم نے بہت خوبصورت انداز رکھا ہے کہ جب کوئی واقعہ ہوتا، کوئی سوال پیدا ہوتا تو اس کا جواب وحی کے ذریعہ نازل ہو جاتا۔ ترتیبِ قرآن

ازل سے ایک ہی تھی۔ لوحِ محفوظ میں بھی تھی۔ جب کوئی آیت نازل ہوتی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کاتبانِ وحی سے فرماتے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں فلاں آیت کے ساتھ رکھو۔ یعنی ترتیب قرآن وہ ہے جو لوحِ محفوظ میں قرآن کی ترتیب تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے اسی ترتیب کے مطابق آیات کو وہاں وہاں لکھوایا۔ سب سے پہلے جو وحی نازل ہوئی وہ قرآنِ حکیم کے تیسویں پارے میں ہے۔ ایک سورت کا حصّہ ہے۔

قرآن کا نزول مختلف سوالات کے جواب اور مختلف موقعوں پر واقعات کی مناسبت سے ہوا۔ اس طرح قیامت تک کے لیے تصدیق ہوگئی کہ فلاں واقعہ ہوا تھا تو یہ آیاتِ قرآن نازل ہوئی تھیں۔ دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ قرآن کے مفاہیم متعین ہو گئے کہ اس آیت میں فلاں سوال کا جواب ہے تیسرا ان حوالوں کے حساب سے قرآن کا حفظ کرنا آسان ہوگیا، یاد کرنا آسان ہوگیا۔ اس طرح نزولِ قرآن الگ ہے اور ترتیبِ قرآن الگ ہے۔ قرآنِ کریم کا جو حصّہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے نبوت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے مکّہ میں قیام پذیر ہونے کے زمانے میں نازل ہوا وہ مکّی کہلاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نزولِ وحی کے بعد اسے لکھواتے اور پھر فرماتے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں فلاں آیت کے ساتھ لکھو۔

ربّ کائنات کا نظام گواہ ہے:

فرمایا: وَالنَّجۡمِ اِذَا هَوٰى ۙ﴿۱﴾ ستارے کی قسم جب وہ غائب ہونے لگے۔ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمۡ وَمَا غَوٰى ۚ﴿۲﴾ تمہارے صاحب نہ راستہ بھولے اور نہ بھٹکے ہیں۔ وَمَا يَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰى ؕ﴿۳﴾ اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡىٌ يُّوۡحٰى ۙ﴿۴﴾ اور نہ خواہش نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں۔ ان کا ارشاد تو وحی ہے جو (ان کی طرف) بھیجی جاتی ہے۔ کفار ومشرکین حضور صلی اللہ علیہ وسلّم پر لایعنی اعتراضات کرتے تھے۔ اللہ کریم نے فرمایا، میری کائنات کا نظام اس پر گواہ ہے کہ میرے تخلیق کردہ نظامِ شمسی کے ستارے تک نہیں بھٹکتے تو بھلا میرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کیسے بھٹک سکتا ہے!

قرآنِ حکیم دعوت فکر دیتا ہے کہ نظامِ شمسی کو ہی دیکھ لو کس پابندی سے اپنے ربّ کی فرمانبرداری کررہا ہے۔ ماہرِ فلکیات کا دعویٰ ہے کہ آسمان ستاروں سے بھرا ہوا ہے۔ اتنے ستارے شاید آسمان پر نظر نہ آتے ہوں جتنے ایک کہکشاں میں ہوتے ہیں۔ انسان نے بہت سی کہکشائیں دریافت کی ہیں لیکن ہزاروں ایسی ہیں جن تک انسان کی رسائی نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے ان کی تعداد لاکھوں میں ہو۔ ستاروں کے طلوع وغروب اور ان کی روشنی زمین پر اثرات مرتب کرتی ہے۔ سورج سے زمین پر بھاپ بنتی ہے، بادل بنتے ہیں، بارش برستی ہے، چیزیں اگتی ہیں، پکتی ہیں، پیدا

ہوتی ہیں۔ یہ اور تمام ستارے جو روئے زمین کو آبادی، شادابی کا سبب بنائے گئے ہیں ان میں سے ہر ایک اپنے وقت پر طلوع ہوتا ہے، اپنی رفتار پر، اپنے مقررہ راستے پر چلتا ہے، اپنے وقت پر غروب ہوتا ہے۔ کسی میں یہ جرأت نہیں کہ اس سے سرِ مُوانحراف کرے یا کہیں اپنی مرضی چلائے۔ فرمایا ستاروں کا طلوع وغروب یہ بتا رہا ہے کہ وہ ضابطۂ الٰہی کی پابندی کر رہے ہیں۔ مشاہدہ تو یہ ہے کہ انسانوں میں سے جو کوئی برسرِ اقتدار آجائے، وہ جانا نہیں چاہتا، عروج پر ہی رہنا چاہتا ہے لیکن وہ چلا جاتا ہے۔ اس کا چلے جانا یہ بتاتا ہے کہ بات اس کے بس میں نہیں کسی اور ذات کے بس میں ہے۔

یہاں بھی یہی بتایا جا رہا ہے کہ کھربوں ستارے ہیں۔ اس نظام شمسی کا ایک ایک ستارہ اس بات پر گواہ ہے کہ اللہ کے نظام میں کوئی کجی نہیں ہے۔ ہر چیز اپنے وقت پر آتی ہے، اپنے وقت پر چلی جاتی ہے۔ اپنے حصے کا کام کرتی ہے، اپنی ذمہ داری پوری کر کے چلی جاتی ہے۔ اسی طرح آسمانِ نبوت کے ستارے، انبیاؑ اپنے اپنے وقت پر اپنے موقع پر، جس قوم میں مقدر تھا مبعوث ہوتے رہے۔ جو ذمہ داری اللہ کریم نے اُنؑ کو دی۔ وہ ادا کر کے تشریف لے گئے۔ آخر میں امام الانبیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم مبعوث ہوئے۔ جس طرح تمام انبیاؑ برحق تھے، معصوم عن الخطا تھے، اللہ کے برگزیدہ بندے تھے جنہوںؑ نے اپنی ذمہ داریاں اللہ کی توفیق سے بہترین طریقے پر پوری فرمائیں۔ اسی طرح نبیء آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلّم اللہ کے پیغمبر اور رسول ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلّم! ستارے کی قسم کھا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی رسالت کی حقانیت ثابت کی ہے۔

فرمایا: مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝٢ تمہارے صاحب نہ راستہ بھولے اور نہ بھٹکے ہیں۔ فرمایا، جس طرح ستاروں کا نظام گواہ ہے اسی طرح بعثتِ انبیاؑ کا نظام بھی گواہ ہے کہ تمہارے صاحب بھٹکے نہیں ہیں نہ وہ بھولے ہیں۔ کوئی غلطی کرتے ہیں نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم سے کوئی بھول ہوتی ہے!

صَاحِبُكُم سے مراد:

اس آیہء مبارکہ میں پوری انسانیت کو خطاب ہے، صرف مسلمانوں کو نہیں! اللہ کریم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو یہاں نسلِ انسانی کا دوست کہا ہے۔ صاحب کے معنی دوست کے ہیں۔ ایک مجلس میں جو دو چار دوست مل بیٹھتے ہیں وہ ایک دوسرے کے صاحب ہوتے ہیں۔ دوستی کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ جس کی جس سے دوستی ہوتی ہے وہ اس کا بھلا چاہتا ہے۔ اسے کچھ دینا چاہتا ہے۔ دوست سے لینے کی توقع ہی کرتے رہنا دوستی نہیں ہوتی۔ جس سے پیار اور دوستی ہو اس کے لیے کچھ قربان کرنے کو جی چاہتا ہے، اپنی طرف سے کچھ دینے کو جی چاہتا ہے۔ آج تو ان الفاظ کے مفہوم بدل

گئے کہ جس سے کوئی غرض ہوتو دوستی، غرض پوری ہوئی تو پھر واقفیت بھی نہ رہی۔

یہاں اللہ کریم نے فرمایا، صَاحِبُکُمْ ۔۔۔تمہارے صاحب۔ تم سب کے دوست۔ مومن سے تو دوستی سمجھ میں آتی ہے، کافر سے دوستی کیسی؟ دوستی جانبین سے ہے۔ دونوں طرف سے چلتی ہے یعنی دونوں طرف سے ہوتی ہے۔ ایک طرف آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلّم ہیں جن کی گواہی قرآن حکیم دے رہا ہے۔ دوسری طرف ساری انسانیت کو خطاب ہے کہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم کُل انسانیت کے دوست ہیں۔ کافر سے دوستی کا ہاتھ بڑھا رکھا ہے لیکن جو نامراد برکات لینے سے انکار کرتا ہے وہ قبول ہی نہیں کرتا، دشمنی پر ہی قائم رہتا ہے وہ اس عظیم نعمت سے محروم رہتا ہے۔ وہ اپنی مرضی سے محروم ہے ورنہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کا دامن اتنا وسیع ہے کہ سارے کافر کلمہ پڑھ لیں تو ہر ایک اللہ کی نوازشات سے نوازا جائے گا۔ کسی کے لیے کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔ روئے زمین کا ہر فرد دائرہ دوستی میں آجائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم دامن وسیع رکھتے ہیں! دوستی چونکہ دونوں طرف سے ہوتی ہے ایک دوستی کرتا ہے، دوسرا قبول کرے اور اپنے دل میں محبت کے جذبات پیدا کرے تب دوستی ہوگی۔ ایک دوستی کرتا رہے۔ دوسرا دشمنی کرتا رہے تو جو دشمنی کر رہا ہے وہ محروم رہتا ہے۔ جو دوستی کر رہا ہے وہ محروم نہیں رہتا۔ اسے اس شفقت اور محبت کا اجر ملتا ہے۔

فرمایا، میرے نبی (صلی اللہ علیہ وسلّم) کا کمال یہ ہے کہ آپ کبھی بھٹکتے نہیں، غلطی نہیں کرتے۔ سوچ میں نہ ارشاد میں، تعلق میں نہ دوستی ومحبت میں۔ کہیں غلطی نہیں کرتے۔ غلطی تو ایسی بھی ہوسکتی ہے جو بندہ سوچ سمجھ کر کرتا ہے، اصل کے خلاف کرنا ہی غلطی ہے لیکن بندہ بھول تو سکتا ہے کہ بسا اوقات اسے پتا ہی نہیں چلتا اور وہ غلطی کر جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم بھول کر بھی نہیں کرتے لہٰذا اگر کہیں رشتے تعلق میں کمی ہے، محبت میں کمی ہے، حصولِ رحمت میں کمی ہے، تعمیرِ کردار میں کمی ہے، عقیدے وایمان میں کمی ہے تو یہ انسان کی طرف سے ہوسکتی ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے نہیں ہوسکتی!

جس نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلّم کی رحمت کا دامن اتنا وسیع ہے کہ دشمن بھی اگر دشمنی چھوڑ کر آجائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم اس سے بھی دوستی کرنے پر تیار ہیں۔ برکاتِ نبوت عطا کرنے پر تیار ہیں تو پھر وہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی دوستی کا دم بھرتے ہیں، جو ایمان لاتے ہیں، پیروی کرتے ہیں، اُن پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کتنے مہربان ہیں! کیا خوب کہا تھا کسی فارسی شاعر نے

دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری

جو دشمنوں کے لیے بھی گنجائش رکھتا ہے۔ جو محبت، دوستی، رحمت کے دامن کو پوری انسانیت پر پھیلائے ہوئے ہے کہ دشمن بھی آجائے تو اسے نوازا جائے وہ دوستوں کو کیسے محروم رکھ سکتا ہے۔ مومن کے لیے اس سے بڑا کوئی اعزاز نہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو اس کا دوست فرما دیا جائے!

صَاحِبُكُمْ سے یہ بھی مراد ہے کہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم وہ ہستی ہیں جن کی عمرِ عزیز تمہارے درمیان بسر ہوئی ہے۔ تم خود اُن کی صفات پر گواہ ہو۔ جس ہستی نے کبھی زندگی بھر جھوٹ یا مبالغہ سے زبان آلودہ نہیں کی وہ اللہ کے نبی اور رسول مبعوث ہو کر کیسے بھٹک سکتے ہیں؟

فرمایا، تمہارے صاحب نہ غلطی کرتے ہیں نہ ان سے بھول چوک ہوتی ہے حتّٰی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم اپنی قوتِ گویائی بھی بغیر اللہ کے حکم کے استعمال نہیں فرماتے۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ﴿۳﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴿۴﴾ اور نہ خواہشِ نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں۔ ان کا ارشاد تو وحی ہے جو (ان کی طرف) بھیجی جاتی ہے۔

بولنے کی قوت، قوت گویائی، قوتِ کلام کو نطق کہتے ہیں۔ اللہ کریم نے ہر انسان کو یہ قوت عطا کی ہے۔ انسانی مزاج ہے کہ جو بات اس کے جی میں آتی ہے وہ کہہ دیتا ہے۔ اچھی بات کہتا ہے تو کچھ بُرا بھی کہہ دیتا ہے۔ سچ کہتا ہے تو جھوٹ بھی کہہ جاتا ہے۔ ماحول، موقع نہیں دیکھتا اپنی غرض دیکھتا ہے۔ اللہ کریم اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم کا کمالِ اطاعت بیان فرما رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم اپنی پسند سے کوئی بات نہیں فرماتے جب تک اللہ کی طرف سے وحی نہ آجائے۔

یہاں دین کی بات ہو رہی ہے کیونکہ کفار دین پر طعن کرتے تھے کہ انہوں نے قرآن خود بنالیا ہے۔ انہیں بھول ہو رہی ہے۔ مر کر مٹی ہو گئے تو کون زندہ ہوگا۔ حساب کتاب جنت دوزخ یہ کوئی نہیں ہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ دینی امور میں کسی چھوٹے یا بڑے کام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم اپنی زبانِ اطہر کو حرکت بھی نہیں دیتے جب تک وحیٔ الٰہی نہ آجائے۔ اس کے علاوہ عام حالات اور عام زندگی کی گفتگو ہوتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم مزاح بھی فرماتے تھے۔ کاروباری معاملات پر باتیں بھی کرتے تھے۔ وہ ایک الگ بات ہے۔

اللہ کے کلام کو سننا، اللہ کے کلام کو وصول کرنا، یہ شان انبیاءؑ کی ہے جو تنزیہہ، پاکیزگی، نفاست جو نبیؑ کی ذاتِ مبارک میں ہوتی ہے وہ ہر ایک میں نہیں ہوتی۔ یہ نورِ نبوت ہے جو کلامِ الٰہی کی سماعت اور برداشت کا حوصلہ رکھتا ہے۔ مخلوق میں سے کسی اور میں یہ استعداد نہیں۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ سارا دین تم تک میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم پہنچا رہے ہیں اور بعینہٖ وہی پہنچا رہے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم پر وحی کیا جا رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم اپنے لب مبارک کو

حرکت نہیں دیتے جب تک وحی نہ آ جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دین کی تشریح و تعبیر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام ارشادات، حدیث مبارک بھی وحیٔ الٰہی ہے۔ حدیث مبارک کا انکار ویسا ہی کفر ہے جیسا قرآن کا انکار۔ قرآن کی طرح اس کی تلاوت نہیں ہوتی لیکن اس کے احکام مانے جاتے ہیں۔

وحی لانے والے میں بھی کسی کوتاہی یا کسی شیطانی مداخلت کا کوئی امکان نہیں۔ فرمایا: عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝۵ ان کو بہت قوت والے (جبرئیل علیہ السلام) نے سکھایا۔ اللہ کی باتیں، اللہ کا کلام، شریعتِ مطہرہ کے تمام احکام و مسائل، سارا دین، یہ باتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچانے والا وہ طاقتور فرشتہ ہے جو فرشتوں کا بھی سردار ہے۔ وہ اس عظیم کام پر مامور کیا گیا۔ اس نے یہ باتیں لوحِ محفوظ سے، اللہ کی بارگاہ سے لے کر قلبِ اطہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرشتے کو کشفاً بھی دیکھا اور چشمِ ظاہر سے بھی دیکھا فرمایا: ذُوْ مِرَّةٍ ؕ فَاسْتَوٰى ۝۶ پھر وہ (اصلی صورت پر آپ پر) ظاہر ہوئے۔

اکثر علما کا اتفاق ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل امین کو دو بار ان کی اصل صورت میں دیکھا ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث میں بھی یہ بات مذکور ہے اور ابن کثیر میں بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل امین کو مکہ مکرمہ میں آسمان سے زمین کی طرف اترتے دیکھا کہ ان کے وجود نے زمین و آسمان کی فضا کو بھر دیا تھا۔ دوسری مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل امین کو ان کی اصل صورت میں شبِ معراج سدرۃ المنتہٰی کے پاس اترتے دیکھا۔ ساتویں آسمان میں سدرۃ المنتہٰی کے پاس یہ مقام ساتویں آسمان پر عرش سے نیچے ہے۔

وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝۷ اور وہ (آسمان کے) بلند کنارے پر تھے۔ جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے وہاں دیکھا۔ جبرئیل امین کو دیکھنا صرف کشفاً نہیں تھا بلکہ ظاہری آنکھ سے دیکھنا بھی تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کشفاً دیکھنا حق ہے۔ قرآن نازل ہوتا تھا، جبرئیل امین حاضر ہوتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کو کچھ نظر نہیں آتا تھا نہ کچھ سنائی دیتا تھا۔ وحیٔ الٰہی کے نزول کی ایک کیفیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وارد ہوتی تھی لیکن وحی کو سوائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی سنتا نہیں تھا۔ اس کے باوجود ان آیات میں ذکر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کشفاً بھی دیکھا اور چشمِ ظاہر سے بھی دیکھا۔ پھر جبرئیل امین مناسب وجود میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالی میں آئے۔ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝۸ پھر قریب ہوئے تو آگے بڑھے۔ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝۹ تو دو کمان کے فاصلے یا اس سے بھی کم (فاصلے پر رہ گئے)

عربوں میں ایک رواج تھا کہ جب کسی سے بہت گہری دوستی، عمر بھر کے لیے مضبوط دوستی کا وعدہ کرتے تو اپنی اپنی کمان کی لکڑی ہاتھ میں لے کر اس کی تانت آگے کر دیتے اور ان تانتوں کو ملا دیتے۔ یہ عہد ہوتا تھا کہ اس دوستی

میں کمی نہیں آئے گی۔ زندگی سے موت تک ہر دکھ سکھ، ہر نشیب و فراز میں ساتھ رہے گا۔ یہ پکی دوستی کی دلیل ہوتی تھی۔ اسے قاب قوسین کہتے تھے یعنی دو کمانوں کا مل جانا، اکٹھا ہو جانا۔ جبرئیل امین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے قریب آ کر، اور قریب آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت کا عہد کیا، بارگاہ رسالت میں ہمہ وقت حاضری کا وعدہ کیا اور اس میں کوئی فاصلہ نہ چھوڑا اَوْ اَدْنٰی ۝ اس سے بھی قریب، گویا ساتھ لگے ہوئے ہیں۔

اس آیہء مبارکہ کا مفہوم یہ ہے جو میں عرض کر رہا ہوں۔ اس کو غلط رنگ دینے والوں نے بہت سی باتیں گھڑ لی ہیں۔ بعض تراجم اور تفاسیر میں یہ ہے کہ قاب قوسین سے دو بازو مراد ہیں۔ جب کھولے جائیں تو کمان بن جاتے ہیں۔ اَوْ اَدْنٰی سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے اپنے بازوؤں میں لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو سینے سے لگا لیا۔ لوگ کیوں ایسی باتیں کرتے ہیں؟ دنیوی مفادات کے لیے، اپنی بڑائی منوانے کے لیے قرآن کی غلط تعبیریں کرتے ہیں۔

ان آیات میں جبرئیل امین کی بات چل رہی ہے۔ جبرئیل امین بھی مخلوق ہیں۔ فرشتہ ہیں، فرشتوں کے بھی سردار ہیں اور مرتبے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے خادم ہیں۔ چونکہ کفار کشف کو نہیں سمجھتے تھے کہتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم از خود تصور کر لیتے ہیں حالانکہ کشف اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ پردہ ہٹا دیا جاتا ہے۔ یہاں ذکر ہو رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے کشفاً تو بارہا ملاحظہ فرمایا اور ظاہری آنکھوں سے بھی دیکھا۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم مکہ مکرمہ میں کہیں سے گزر رہے تھے تب اصلی وجود کو دیکھا کہ افق اعلیٰ سے لے کر زمینوں تک کو اُن کے وجود نے بھر دیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے یہ بھی ملاحظہ فرمایا کہ جبرئیل امین آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے بہت قریب آ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت کا پکا عہد کیا بلکہ جتنا تم دوستی میں قریب ہوتے ہو اس سے بھی زیادہ قریب اور اس سے بھی زیادہ مضبوط اور پکا عہد ہوا۔

فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی ﴿۱۰﴾ پھر (اللہ نے) اپنے بندے پر وحی نازل فرمائی جو کچھ نازل فرمائی تھی۔ جبرئیل امین کا تعلق کیسا تھا؟ یہ پچھلی آیات میں واضح کر دیا گیا۔ جو بارگاہِ الٰہی سے ارشاد ہوتا وہ لا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے قلبِ اطہر پر وارد کر دیتے۔ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی شانِ عبدیت بیان ہو رہی ہے کہ اللہ نے اپنے بندے پر وحی نازل فرمائی جو اللہ پہنچانا چاہتے تھے۔

اسراء اور معراج میں قربِ الٰہی:

جن بلندیوں پر شبِ معراج حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو لے جایا گیا وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ہر چیز جیسے تھی ویسے دیکھی، ویسی سمجھی۔ مخلوق کو خالق سے جو انتہائے قرب نصیب ہو سکتا تھا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو نصیب ہوا۔

اللہ کا ذاتی کلام قلبِ اطہر پر وارد ہوا۔ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ⑪ (ان کے) قلب نے دیکھی ہوئی چیز میں غلطی نہیں کی۔ جو ارشادِ باری تھا قلبِ اطہر نے من وعن قبول کیا۔ جس طرح آنکھ دیکھ کر یقین کر رہی تھی قلبِ اطہر اس سے زیادہ مطمئن تھا۔ اس حقیقت سے آشنا تھا۔

فواد:

دل کو قلب کہہ دیتے ہیں۔ اس کے اندر اصل شے ایک لطیفہء ربانی ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو باقی ایک پمپنگ مشین ہے جو خون پمپ کرتی رہتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے اس فواد نے، اس لطیفہء ربانی نے، قلب کے اندر کی چیز نے، قلب کے ادراک نے جو وحی آئی اس کو من وعن قبول کیا اور جو دیکھا اس میں بھی حضور صلی اللہ علیہ کو کوئی غلطی نہیں لگی۔ اس آیہء مبارکہ کا اطلاق اس وحی پر ہو رہا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے قلبِ اطہر نے قبول کی اور اس کا اطلاق شبِ معراج کے سفر پر بھی ہوا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو جبرئیل امین لینے آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم سے ملاقات کا شرف پایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے انہیں چشمِ ظاہر سے بھی دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم بیت المقدس تشریف لے گئے، انبیاؑ کی امامت فرمائی تو بنفسِ نفیس امامت فرمائی۔ قلبِ اطہر سے بھی اور ظاہری آنکھ سے بھی دیکھا۔ آسمانوں پر تشریف لے گئے، بیت المعمور پہنچے، سدرۃ المنتہیٰ تک گئے۔ فرشتوں کو دیکھا بہت سے حقائق دیکھے۔ قلبِ اطہر میں کوئی ہلکا سا شائبہ بھی نہ گزرا کہ اصل میں کچھ اور ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے کچھ اور سمجھا۔ ہرگز نہیں!۔

شانِ عبدیت:

اللہ کریم نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم کے لیے فرمایا کہ ہم نے اپنے بندے پر وحی نازل فرمائی۔ ساری عمر ہم عبدہٗ عبدہٗ پڑھتے اور پڑھاتے رہے۔ الحمدللہ! اب آ کر پتا چلا کہ مقامِ عبدیت ایک منصب ہے۔ عبدیت انتہائی سلوک کا ایک بہت بڑا، وسیع دائرہ ہے۔ اس کے اندر کتنا فاصلہ ہے کہ وہ کبھی ختم نہ ہوگا۔ بندہ اس میں ہمیشہ سفر کرتا رہے گا، ابدالآباد کرتا رہے گا۔ اللہ کی راہ میں چلنے والوں کو ترقی ہمیشہ نصیب ہوتی رہتی ہے۔

موت کے بعد کی، برزخ کی زندگی عجیب ہے۔ دنیا میں انسان جیتا ہے تو روح نظر نہیں آتی، حواس کی زد میں نہیں آتی۔ صرف بدن نظر آتا ہے۔ گرمی، سردی، بھوک پیاس لگتی ہے لیکن ان سارے مسائل سے روح بھی متاثر ہوتی ہے۔ بدن خوش حال ہوتا ہے تو روح بھی خوش ہوتی ہے۔ بدن حرام کھاتا ہے، جھوٹ بولتا ہے یا اس پر مصیبتیں آتی ہیں تو روح بھی دُکھی ہوتی ہے۔

جب بندہ برزخ میں پہنچتا ہے تو بدن تابع ہو جاتا ہے روح سامنے ہوتی ہے۔ برزخ کے ثواب عذاب روح

پروارد ہوتے ہیں۔ بدن کے اجزائے خاکی تک اس کے اثرات پہنچتے ہیں۔ قیامت میں روح اور بدن دونوں کے ادراکات برابر ہو جائیں گے۔ بدن بھی محسوس کرے گا روح بھی محسوس کرے گی۔

اس حوالے سے دیکھیں کہ اللہ کے طالبوں میں سے اگر کسی کو دائرہ عبدیت نصیب ہو تو اس کی وسعتیں اتنی ہیں کہ وہ برزخ میں بھی چلتا رہے، جنت میں ہمیشہ رہے گا تو ہمیشہ چلتا رہے پھر بھی وہ ختم نہیں ہوگا۔

اس کا سرتاج، اس کی انتہا، اس کا کمال کیا ہے؟ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ معنی ہے فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ۔۔۔ کا۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ مقام عبدیت کے انتہائے کمال پر فائز ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

مناصب:

مناصب انبیا علیہم السلام میں بھی اپنی شانِ رفیع کے مطابق ہوئے ہیں۔ مناصب صحابہ کرامؓ میں بھی تھے۔ مناصب اولیاء اللہ میں بھی ہوتے ہیں۔ تین بہترین زمانے جو خیر القرون کہلاتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرامؓ اور تابعین کا عہد متصل ہے، مشترکہ عہد ہے۔ جب صحابہ ہو گئے پھر تابعینؒ کے ساتھ تبع تابعینؒ بن گئے۔ ان میں مناصب ہیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام کا دائرۂ سلوک اپنا ہے وہ غیر نبی کو سمجھ نہیں آتا۔ صحابہؓ و تابعینؒ کا اپنا ہے اور اولیاء اللہ کا اپنا ہے۔ نام ایک سے ہیں، مناصب میں فرق ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے قرآن میں آتا ہے صِدِّيقًا نَّبِيًّا (مریم: 41) نبیؑ بھی تھے، صدیق بھی تھے یعنی انبیاؑ میں آپؑ منصبِ صدیقت پر تھے۔ یہ انبیاؑ کے مناصب ہیں۔ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ (الفتح: 29) محمد رسول اللہ، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور عبدہٗ و رسولہٗ جو انتہائے قرب مخلوق کو خالق سے نصیب ہو سکتا ہے، فرمایا، اس کی انتہا ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

کفار کو جواب:

اللہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو جو دکھایا اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چشمِ بصیرت نے دیکھا اور ظاہری آنکھ نے بھی دیکھا۔ آنکھوں نے دیکھا اور دل نے تصدیق کی۔ أَفَتُمَارُونَهُ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ ﴿١٢﴾ تو کیا اُن سے اُن کی دیکھی ہوئی چیز میں جھگڑا کرتے ہو؟

کفار نزولِ وحی پر اعتراض کرتے تھے۔ جبریل کے حاضر ہونے پر اعتراض کرتے تھے کہتے تھے کہ یہ محض ان کے خیالات ہیں۔ انہیں جواب دیا جا رہا ہے کہ اب جب سب کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چشمِ ظاہر سے بھی دیکھ لیا ہے تو تمہیں اس پر بھی اعتراض ہے۔ پہلے تم کہتے تھے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتے ہیں وحی آئی لیکن ہمیں تو کوئی فرشتہ نظر نہیں آیا۔ اب تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرشتے بھی دیکھے، آسمان بھی دیکھے، لوحِ محفوظ بھی دیکھی،

جنت و دوزخ کا بھی ملاحظہ فرمایا، برزخ کے واقعات بھی دیکھے اور معراج سے واپس آکر بیان بھی فرمائے۔ جلالتِ باری تعالیٰ بھی دیکھی اور قرب کی حد ہوگئی کہ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم پہنچے وہاں مخلوق میں دوسرا کوئی پہنچ نہیں سکتا۔ ذاتِ باری کے قریب ہونا، جتنا ممکن تھا اتنا حضور صلی اللہ علیہ وسلّم قریب پہنچے۔ یہ سب کچھ قلبِ اطہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے قبول کیا اور چشمِ ظاہر نے دیکھا۔ فرمایا، تم ایسے ہو کہ اس پر بھی اعتراض کرتے ہو۔ جس کا حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے مشاہدہ فرمایا۔ تم چشم دید باتوں پر بھی جھگڑتے ہو! اللہ خود گواہ ہے کہ اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم نے جو دیکھا، حق دیکھا۔ جو سمجھا، حق سمجھا۔

اُس زمانے میں کفار اعتراض کرتے تھے۔ آج کیسا دور ہے کہ جو مسلمان ہونے کا دعویدار ہے اسے بھی معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلّم پر اعتراض ہے۔ یہ خود کو دانشور کہلوانے والے، کہتے ہیں کہ معراج ایک خواب تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم اہلِ مکہ سے کہتے کہ میں نے خواب دیکھا ہے تو انہیں کیا اعتراض ہوتا؟ انہیں اعتراض اس بات پر تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم جسمانی طور پر بیت المقدس کیسے چلے گئے۔ وہ کہتے تھے کہ انہیں تیز رفتار اونٹ بھگا کر جانے میں بھی مہینوں کا سفر درکار ہوتا ہے۔ یہ فرما رہے ہیں کہ وہی رات تھی، کوئی وقت ہی نہیں لگا۔ یہ تو مشرکین کو بھی علم تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ وجودِ اطہر سمیت نہ صرف بیت المقدس بلکہ آسمانوں اور پھر عرش پر اور اس سے بھی آگے گئے ہیں۔ برزخ جنت دوزخ سب ملاحظہ فرمائے ہیں۔ مشرکین کہتے تھے، آسمانوں کی بات تو ویسے ہی سمجھ سے باہر ہے لیکن زمینی فاصلے تو ہم سمجھ سکتے ہیں۔ پھر انہوں نے سوال کیا کہ اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلّم) بیت المقدس گئے ہیں تو ہمیں وہاں کی مسجد کی کھڑکیوں، دیواروں، ستونوں کی تعداد یاد ہے کیونکہ ہم وہاں بارہا جا چکے ہیں۔ آپ ہمیں بتائیں کہ اس کے کتنے دروازے تھے، کس کس سمت میں تھے، ستون کتنے تھے۔ چھت اور دیواریں اور فرش کیسے تھے؟

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم معراج پر تشریف لے گئے تو سفر کے اوّل حصے میں بیت المقدس پہنچے وہاں ایک پتھر ہے جس پر پہلے انبیاؑ بھی آئے۔ بعض انبیاؑ کو اسی پر شہید کیا گیا۔ اُن کے مقدس خون کا داغ اس پر ابھی تک باقی ہے۔ اس میں ایک سوراخ تھا اس کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے براق باندھا اور مسجد تشریف لے گئے۔ تمام انبیاؑ وجودِ عالی و روح سمیت وہاں تشریف لائے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے امامت فرمائی اور آسمانوں کو روانہ ہوگئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم وہاں کسی مقصد سے تشریف لے کر گئے تھے دروازے کھڑکیاں گنتے تو نہیں رہے تھے! مشرکین نے جب تعداد اور سمت دریافت کی تو اللہ نے بیت المقدس حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے کر دیا۔ حدیث شریف میں ملتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ وہ پوچھتے جاتے تھے، میں دیکھ دیکھ کر گن گن کر بتاتا

جاتا تھا۔ پھر انہوں نے یہ سوال بھی کیا کہ ہمارا ایک تجارتی قافلہ بیت المقدس گیا ہوا ہے، پتا ہے وہ اب کہاں ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے وہ جگہ بتادی اور یہ بھی بتادیا کہ ان کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا، وہ اس رنگ کا تھا، وہ اسے تلاش کر رہے تھے، پھر وہ انہیں مل گیا تھا اور وہ فلاں دن فلاں وقت تک یہاں پہنچ جائیں گے۔ کافر انتظار کرتے رہے۔ قافلہ عین اسی دن اسی وقت مکہ پہنچ گیا۔ انہوں نے اہلِ قافلہ سے احوال پوچھا۔ انہوں نے وہی سب کچھ بتایا کہ ان کا اونٹ اس منزل پر گم ہو گیا تھا۔ قافلہ روک کر اسے تلاش کرتے رہے پھر وہ مل گیا۔ یہ سارے دلائل سننے کے بعد کفار و مشرکین نے کہا ہم نہیں مانتے۔ یہ تو کوئی جادو ہے!

آج کلمہ پڑھنے والا، خود کو مسلمان عالم دانشور سمجھنے والا یہی دعویٰ کرتا ہے کہ معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلّم جسمانی نہیں تھا۔ ایک خواب تھا! لاحول ولاقوۃ!

قرآن و حدیث کے مطابق معراج، وجودِ اطہر سمیت ہوا۔ نبیؐ کون ہیں؟ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم۔ نبیؐ صرف روحِ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم نہیں ہیں نہ صرف جسدِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ایک ہستی ہیں۔ جسمِ مبارک بھی ہے، روح مبارک بھی ہے۔ یہی بات حیاتِ انبیاؑ کی دلیل بھی ہے۔ اگر یہ مانا جائے کہ وصال کے بعد وجودِ اطہر روضۂ مبارک میں ہے اور روح علیین میں اعلیٰ مقام پر تشریف لے گئی ہے تو پھر سوال یہ اٹھتا ہے کہ نبوت کس کے پاس ہے؟ اگر روح کے پاس ہے تو پھر کلمہ طیبہ میں روح محمد صلی اللہ علیہ وسلّم پڑھیں گے۔ پھر محمد رسول اللہ نہیں پڑھیں گے۔ اگر یہ مانا جائے کہ وجودِ عالی کے پاس نبوت ہے تو پھر روح کا کیا کام؟ تو پھر کیا ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے جسدِ مبارک کو رسول مانتے ہیں؟ لیکن ایسا نہیں کہہ سکتے۔ ہم کلمے کے دوسرے حصے میں کہتے ہیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم روح مع جسد ہستی کا نام ہے۔ زندہ ہستی کا نام ہے۔ تمام انبیاؑ اپنی قبور میں دنیوی زندگی سے بہتر زندگی کے ساتھ زندہ ہیں۔ اہلِ سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ یہی ہے کہ ہر نبیؑ اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ جسم اور روح کی حیات کے ساتھ ہیں۔

روح تو مرنے کے بعد کافروں کی بھی زندہ ہوتی ہے عذاب بھگتتی ہے۔ اگر صرف روح زندہ ہے تو وہ تو فرعون کی بھی زندہ ہے۔ اس پر صبح و شام جہنم کی آگ بھیجی جاتی ہے۔ ارشادِ باری ہے: اَلنَّارُ یُعۡرَضُوۡنَ عَلَیۡهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا (المومن:46)

انبیاؑ کی شان یہ ہے کہ ہمیشہ روح مع الجسد ہی ہوتے ہیں۔ ان کے صبح و شام، موسم، کھانا پینا برزخ کا ہوتا ہے، دنیا کا نہیں ہے۔ اس دنیا میں ان پر موت وارد ہو چکی۔ انبیاؑ وفات پا چکے لیکن انبیاؑ کی وفات ان کی حیات کو متاثر نہیں کرتی۔

شہید کی موت اس کی حیات کو متاثر نہیں کرتی۔ ارشادِ باری ہے: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۔۔۔ جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائے اسے مردہ مت کہو۔ دیکھنے میں تو وہ قتل ہوئے، تلوار سے ہوئے یا گولی سے یا گولا پھٹا اور جسم کے پرخچے اڑ گئے۔ ان ٹکڑوں کو دفن کیا گیا لیکن اللہ کریم فرماتے ہیں یہ مرے نہیں بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (البقرہ:154) بلکہ وہ زندہ ہیں اور لیکن تم سمجھ نہیں سکتے۔ اسے سمجھنا انسانی عقل کی رسائی میں نہیں ہے۔ تمہارے لیے یہ ایمان لانا کافی ہے کہ شہید مرتے نہیں! شہید کون ہوتے ہیں؟ وہ جو اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے، انبیاؑ کی پیروی میں اپنی جانیں اللہ کی راہ میں قربان کرتے ہیں۔

اگر جب وہ لوگ جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت میں جان دے دیتے ہیں وہ نہیں مرتے، زندہ رہتے ہیں تو انبیاؑ بدرجہ اولیٰ زندہ ہوتے ہیں! جو لوگ حیاتِ انبیاؑ کے منکر ہیں انہیں اس دلیل سے سمجھ لینا چاہیے۔ یہ کون سا عقیدہ وہ اپنائے ہوئے ہیں کہ جس کا غلام نہیں مرتا وہ آقا (معاذ اللہ) خود مر جاتا ہے؟ یہ کہنا جھوٹ ہے۔ یہ ماننا عقیدے کا فساد ہے ہاں! درست عقیدہ یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وفات ہوئی۔ وہ دنیا سے تشریف لے گئے۔ اپنی اپنی قبور میں اپنے اجسام مع روح کے ساتھ زندہ ہیں۔ ان کی حیات کی تمام ضروریات برزخ سے وابستہ ہیں۔ دنیا سے نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم بھی بعدِ وصال روضہء اطہر میں آرام فرما ہیں۔ قبر مبارک میں حیات ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی حیات دنیوی زندگی کی طرح نہیں بلکہ اس سے بھی مضبوط ہے۔

فرمایا، کفار کو نزولِ وحی پر اعتراض تھا، فرشتوں پر اعتراض تھا، خود ذاتِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیغمبر ہونے پر اعتراض تھا۔ اب جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے معراج پر سب کچھ بچشمِ خود ملاحظہ فرمایا تو انہیں اس پر اعتراض ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم جو دین کشفاً وصول کر کے ارشاد فرماتے تھے کہ یہ وحی مجھ پر نازل ہوئی ہے تو تم اس پر اعتراض کرتے تھے کہ ہم نے تو فرشتہ نہیں دیکھا۔ اب جب حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے ظاہری آنکھوں سے زمین، آسمانوں کے حقائق دیکھے عرش سے آگے، جہاں تک اللہ نے چاہا تشریف لے گئے۔ اب چشم دید تمہیں بتا رہے ہیں پھر بھی تمہیں اعتراض ہی ہے۔ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ﴿۱۲﴾ تو کیا ان سے ان کی دیکھی ہوئی چیز میں جھگڑا کرتے ہو؟

جبرئیل امین کو دوسری بار کہاں دیکھا؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے جبرئیل امین کو ان کی اصلی حالت میں دوسری بار دیکھا وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴿۱۳﴾ اور یقیناً انہوں نے اس کو ایک اور بار بھی نازل ہوتے دیکھا ہے۔ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔

پہلی بار تو مکہ مکرمہ میں افق پر دیکھا تھا۔ دوسری بار حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی ملاقات کہاں ہوئی؟ سدرۃ المنتہٰی کے پاس ہوئی۔ اس بیری کے درخت کے پاس جو آسمانوں اور عرشِ علٰی کے درمیان حدِ فاصل ہے۔ جہاں آسمانوں کی حد ختم ہوجاتی ہے اور عرشِ الٰہی کے معاملات شروع ہوجاتے ہیں اس حد پر وہ بیری کا درخت ہے۔ حدیث شریف میں اس کی تفصیل ملتی ہے کہ اس کا ہر پتا اتنا بڑا ہے کہ ہر پتے پر کسی نہ کسی فرشتے کا دفتر لگا ہوا ہے۔ یہ مقام اس لیے اہم ہے کہ عالمِ بالا سے احکامِ الٰہی اس بیری پر، اس کے دفاتر پر اترتے ہیں، وہاں سے فرشتوں میں تقسیم ہوتے ہیں اور نظامِ عالم کو اس طرح چلایا جاتا ہے۔ زمین سے جو اعمال اوپر جاتے ہیں وہ اسی سدرۃ المنتہٰی اس بیری کے پاس پہنچتے ہیں۔ وہاں اعمال کو وصول کر کے بارگاہِ الٰہی میں پیش کیا جاتا ہے۔ سدرۃ المنتہٰی ایسی وسیع جگہ ہے کہ زمین و آسمان کے خلاء سے بھی وسیع ہے۔ وہاں جبرئیل امین کو ان کی اصلی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے ملاحظہ فرمایا: عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوٰى ﴿۱۵﴾ اس کے قریب جنت الماوٰی ہے۔ وہ جنت جس کا مومنین سے وعدہ ہے، پاس ہی ہے۔ وہ جنت جس کی نعمتوں کا ذکر ہوتا ہے جس میں ہمیشہ رہنے کی بات ہوتی ہے وہ جنت قریب ہی ہے، سدرۃ المنتہٰی کے پاس ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا استقبال:

فرمایا: إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ﴿۱۶﴾ جب بیری پر چھا رہا تھا جو کچھ چھا رہا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلّم وہاں پہنچے تو تجلیاتِ ذاتی مترشح ہوئیں یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا مقامِ عبدیت تھا کہ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا استقبال فرمایا گیا۔ اللہ جلّ شانہٗ تو ہر جگہ، ہر وقت موجود ہیں لیکن بندوں میں قربِ الٰہی کے مدارج ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے مدارج اپنی مثال آپ ہیں۔ دُنیوی اعتبار سے مثال دی جائے تو جب کوئی انتہائی پیارا مہمان آتا ہے تو صاحبِ خانہ بادشاہ بھی ہو تب بھی کم از کم دروازے پر تو اس کا استقبال کرتا ہے!

فرمایا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلّم عالمِ افلاک کی انتہا پر پہنچے تو تجلیاتِ ذاتِ باری نے، جمالِ باری نے سدرۃ المنتہٰی کو ڈھانپ لیا۔ گویا اللہ کریم، حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا استقبال فرما رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم تشریف لے آئے۔ مہمان کو میزبان خوش آمدید کہہ رہے ہیں۔ اس کی کیفیات اللہ جانے اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلّم جانے۔ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے، قوتِ بیان سے بالاتر ہے۔ یہ کیفیات، الفاظ سے بالاتر ہیں۔ جس (صلی اللہ علیہ وسلّم) نے دیکھا وہ جانیں اور جس (اللہ) نے دکھایا وہ جانے!

دیدارِ باری:

جب تجلیاتِ باری نے اس جگہ کو ڈھانپ لیا، تجلیات چھا گئیں تو: مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿۱۷﴾ (ان کی) آنکھ نہ تو ہٹی اور نہ حد سے آگے بڑھی۔ جب اللہ کریم نے اپنا جمال جہاں آرا دکھایا، اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلّم کی نگاہ ہٹی نہ حد سے بڑھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے بچشمِ خود دیکھا، نہ گھبرائے نہ جستجو ہوئی۔ نگاہ نہ جھکی نہ حد سے بڑھی۔ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿۱۸﴾ بے شک انہوں نے اپنے پروردگار کے بڑے بڑے عجائبات دیکھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے اللہ کے بے شمار عجائبات دیکھے لیکن امت کو جو بتایا ان کی عقل کے مطابق بتایا کہ برزخ میں یہ ہو رہا ہے۔ جنت میں یہ ہو رہا ہے۔ وہ باتیں ہماری سمجھ میں آ گئیں کہ نمازیں کیسے فرض ہوئیں۔ باقی یہ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلّم اللہ سے کلام فرما رہے تھے، نظر کیا آ رہا تھا؟ تجلیات نظر آ رہی تھیں یا ذاتِ باری کا دیدار ہو رہا تھا؟ یا کلام کیسے ہو رہا تھا؟ یہ ہمارے سمجھنے کی باتیں نہیں۔ یہ مہمان اور میزبان کے معاملات ہیں۔ ہمارے لیے بہت بڑا اعزاز ہے کہ پانچ نمازوں کا تحفہ ملا جو اَجر میں پچاس نمازوں کے برابر ہیں۔ یہ وہ انعام ہے ہر اس شخص کے لیے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا دامن تھامے وہ پانچ بار لازمی اللہ کے حضور حاضر ہو۔ اپنے حالات بیان کرے، اپنی ضرورتیں بیان کرے، اللہ سے ملاقات کرے، دل کی کہے۔ بندے نے اللہ کے حضور لینے کے لیے آنا ہے اور بارگاہِ الٰہی نے اسے دینا ہے۔ یہ اعزاز مومن کا دن میں پانچ بار ہے یا اللہ! مجھے یہ دکھ ہے، اپنی حاجتیں بیان کرے کہ یا اللہ! مجھے یہ چاہیے، وہ چاہیے۔ اللہ ایسے کریم ہیں کہ جو آتا ہے اسے کچھ دیتے ہی ہیں اور جو نہیں آتا، اللہ اسے اپنی ناراضگی کا عندیہ دیتے ہیں۔

دورِ حاضر کی یہ کیسی مسلمانی ہے کہ ہمیں دعوٰی ٔ ایمان بھی ہے، ہم ملاقات کے لیے حاضر بھی نہیں ہوتے، ہمیں اللہ کی ناراضگی کی پرواہی نہیں! یہ انعام باری ہے جو آج مسلمان پر بوجھ ہے!

علما کی دو رائے:

بات ہو رہی ہے کہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم نے جمالِ باری بھی دیکھا۔ یہاں علمائے کرام کی دو رائے ہیں۔ پہلا طبقہ اس خیال پر متفق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے ذاتِ باری کا دیدار کیا۔ دوسرا طبقہ کہتا ہے کہ نہیں۔ جو طبقہ درمیان میں ہے۔ اعتدال پر ہے جسے میں ٹھیک سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم جہاں تشریف لے گئے تھے وہ عالم اور تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے دیدار کی جو آرزو کی تھی وہ اس عالمِ دنیا میں کی تھی۔ آپؑ زمین پر موجود تھے۔ اسی عالم میں تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے جہاں جا کر کلامِ الٰہی حاصل کیا وہ عالمِ بالا تھا۔ آسمانوں سے آگے

کی بات تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم روح اور وجودِ اطہر سمیت دوسرے عالم میں تھے۔

علمائے کرام کی رائے اس بارے مختلف ضرور ہے کہ دیکھا یا نہیں دیکھا۔ لیکن جو دیکھا اس کی تعیین نہیں ہو سکتی کہ یہ اللہ جانتے ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم جانتے ہیں لیکن یہ طے ہے کہ وہاں جو دیدار باری ہوا تو اس پر دنیا کا قانون لاگو نہیں ہوتا۔ مرنے کے بعد تو ہر مومن کی بصیرت اللہ کا دیدار کرے گی۔ ہر مومن جنت میں اپنی اپنی حیثیت کے مطابق جمالِ باری کو دیکھے گا۔ جمالِ باری کی کوئی حد نہیں۔ دیکھنے والے کی استعداد و حیثیت اپنی اپنی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم عالمین سے اوپر تھے۔ وہاں دیدار باری ہوا تو یہ کوئی امر محال نہیں، دنیا کے احکام، زیرِ آسمان کے احکام اور ہیں، بالائے آسمان اور ہیں۔ وہاں دیدار باری کوئی مانع نہیں۔ یہ آیاتِ مبارکہ واضح کر رہی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم انتہائے قرب میں پہنچے۔ وہاں کیا باتیں ہوئیں، کیا ہوا؟ یہ بحث تو ہماری عقل سے باہر ہے! لیکن یہ طے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے دیکھا باتیں بھی کیں ملاقات بھی ہوئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی نگاہِ پاک پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی نگاہِ پاک ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم قرب کی جن بلندیوں پر وجودِ عالی کے ساتھ تشریف لے گئے یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خصوصیت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے بچشمِ سر دیدار بھی فرمایا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی خصوصیت ہے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی شان کے لائق دیکھا۔

کفر کی حقیقت:

کفر کی حقیقت کچھ بھی نہیں۔ محض اوہام پرستی ہے۔ بے بنیاد گمان کی پیروی اور خواہشاتِ نفس کی غلامی ہے۔ فرمایا: اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿١٩﴾ بھلا تم نے بھی لات اور عزیٰ کو دیکھا۔ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴿٢٠﴾ اور تیسرے منات کو (بھلا یہ معبود ہو سکتے ہیں؟)

مشرکین نے ویسے تو سینکڑوں بُت بنا رکھے تھے لیکن ان میں لات منات اور عزیٰ تین مشہور بُت تھے۔ فرمایا، کیا تم نے معلوم کیا کہ ان کی کوئی حقیقت بھی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے تو اللہ کی ذات کا صفات کا مشاہدہ فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو ذاتِ باری کی حضوری نصیب ہوئی۔ جنت دوزخ، آخرت کا ملاحظہ فرمایا۔ تم نے اپنے معبودانِ باطلہ کی حقیقت تلاش کی؟ تلاش تو کرو ان کی اصل کیا ہے؟۔ ایک پتھر کا ٹکڑا تھا، لوہے کا ٹکڑا تھا، کسی ماہر بت تراش نے اسے آلات سے تراش کر بت بنا دیا۔ تم اسے پروردگار سمجھ بیٹھے ہو۔ اس بدعقیدگی نے تمہاری عقل ماؤف کر دی ہے۔ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴿٢١﴾ کیا تمہارے لیے بیٹے ہیں اور اس (اللہ) کے لیے بیٹیاں؟ تِلْكَ اِذًا

قِسۡمَةٌ ضِيۡزٰى ﴿٢٢﴾ یہ تقسیم تو بہت بے انصافی کی ہے۔ یہ کیسی اُلٹی تقسیم ہے جس کی عقلاً بھی کوئی تک نہیں بنتی۔ جو چیز تم انسان ہو کر پسند نہیں کرتے وہ تم نے اللہ کے لیے بنالی کہ تم بیٹے پسند کرتے ہو اور بیٹی پیدا ہو تو غمگین ہو جاتے ہو۔ تو تمہاری یہ کیسی بے انصافی کی تقسیم ہے۔ اِنۡ هِىَ اِلَّاۤ اَسۡمَآءٌ سَمَّيۡتُمُوۡهَاۤ اَنۡتُمۡ وَاٰبَآؤُكُمۡ مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ ؕ اِنۡ يَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهۡوَى الۡاَنۡفُسُ ۚ وَلَقَدۡ جَآءَهُمۡ مِّنۡ رَّبِّهِمُ الۡهُدٰى ﴿٢٣﴾ یہ نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے گھڑ لیے ہیں۔ اللہ نے تو ان کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ تم تو صرف بے اصل خیالات پر اور اپنے نفس کی خواہش پر چل رہے ہو حالانکہ ان کے پاس ان کے پروردگار کی طرف سے ہدایت آچکی ہے۔

یہ مذہب جو تم نے گھڑ رکھا ہے یہ صرف نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے گھڑ رکھے ہیں۔ ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ اللہ نے ان کے بارے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ کسی نبیؑ نے ان کا تذکرہ نہیں کیا۔ کسی آسمانی کتاب میں یہ بات نہیں آئی۔ تم تو صرف اپنے گمان کی پیروی کر رہے ہو۔ ابہام اور اوہام کے پیچھے زندگی ضائع کر رہے ہو۔ تم نے تصور کرلیا ہے کہ یہ پتھر خدا ہے۔ اس میں دیوتا ہے۔ اس کے سامنے سجدہ کرو۔ یہ سب تمہارے گمان ہیں۔ ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ اور تمہاری خواہشاتِ نفس نے تمہارے اندر یہ گمان پیدا کیا ہے۔

فرمایا، یہ کیسے لوگ ہیں کہ اللہ کی ہدایت ان کے پاس آچکی۔ اللہ کے نبی تشریف لا چکے، کتابیں نازل ہو چکیں۔ اب اس عظیم الشان ہستی کو جس کی مدح و ثنا میں یہ سارا رکوع گزرا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو چکے ہیں۔ ان پر اپنا ذاتی کلام قرآن مجید نازل ہو گیا ہے اور یہ عظیم الشان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کتابِ الٰہی کو چھوڑ کر اوہام کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ انہیں خواہشاتِ نفس نے اسیر بنا رکھا ہے۔ جو خواہشات کا غلام بنے گا وہ ہدایت سے محروم تو ہوگا!

اپنے آپ کو اللہ کے فیصلوں کے مطابق ڈھال کر انسانی ذمہ داریاں پوری کرو:

اَمۡ لِلۡاِنۡسَانِ مَا تَمَنّٰى ﴿٢٤﴾ کیا انسان کو اس کی ہر تمنا مل جاتی ہے۔ فَلِلّٰهِ الۡاٰخِرَةُ وَالۡاُوۡلٰى ﴿٢٥﴾ سو آخرت اور دنیا اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

اللہ کا نظام انسان کی خواہشات کے مطابق نہیں چلتا اللہ کریم کے حکیمانہ فیصلوں کے مطابق چلتا ہے۔ جو انسان یہ خواہش کرتے ہیں کہ نظامِ کائنات اس کی تمنا کے مطابق ہو تو وہ بتائے کہ انسان یہ کیسے فیصلہ کر سکتا ہے کہ سورج کی گرمی کتنی ہو، بادل سے کتنی بارش برسے اور کہاں برسے؟ انسان دنیا میں کتنا عرصہ جی لیتا ہے۔ زندگی کا اوّل حصہ

بچپن، لڑکپن میں تمام ہو جاتا ہے۔ باقی بڑھاپا کھا جاتا ہے۔ درمیان کے چند سال موقع ہوتا ہے جس میں سے آدھا وقت رات میں سوتے گزر جاتا ہے۔ اس باقی کے چند سالوں میں وہ نظامِ کائنات کو کیا ترتیب دے گا؟ قدرت کا نظام انسانی خواہشات کے مطابق نہیں ڈھل سکتا۔ انسان چند سالوں کے لیے دنیا میں آتا ہے پھر چلا جاتا ہے۔ جب وہ دنیا میں نہیں آیا تھا تب بھی وہ قادرِ مطلق اس کائنات کا نظام اکیلا چلا رہا تھا جب وہ دنیا سے چلا جائے گا تب بھی اللہ جل شانہٗ ہی اس نظام کو چلائیں گے تو اس درمیانی عرصے میں وہ اپنی تمناؤں کو اللہ کی رضا کے تابع کر کے جیئے تو بہتر ہے۔ سب کاموں کی ابتدا اور انتہا اس کے حکم کے مطابق ہے۔ اللہ کے فیصلے نافذ ہو کر رہتے ہیں۔ تم یہاں اپنی ذمہ داری پوری کرو۔ تم کہتے ہو دن لمبا ہو گیا۔ کبھی کہتے ہو دن اتنا چھوٹا ہو گیا۔ یہ فیصلے تمہارے نہیں یہ اللہ کے فیصلے ہیں۔ تم کہتے ہو سیلاب آ گیا۔ یہ شکوہ بے جا ہے۔ اللہ نے تمہیں عقل وشعور دیا، وسائل دیے۔ اقتدار دیا۔ تم سیلاب سے بچاؤ کا انتظام کرتے۔ تم سیلاب آنے سے نہیں روک سکتے تم سیلاب سے بچاؤ کے ذمہ دار تھے۔ تم نے اپنی ذمہ داری پوری نہ کی۔ کہتے ہو کہ سیلاب نہ آئے۔ سیلاب اپنے وقت پر آئے گا یہ اللہ کا فیصلہ ہے۔ اس سے بچاؤ کرنا تمہاری ذمہ داری تھی اور اس نے تمہیں اس کی توفیق بھی دے رکھی تھی۔ تکوینی امور انسانی مشوروں پر نہیں ذاتِ باری کے فیصلوں پر ہوتے ہیں۔ اپنے آپ کو ان فیصلوں کے مطابق کر کے انسانی ذمہ داریاں پوری کرو۔

سورۃ النجم رکوع 2 آیات 26 تا 32

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَ كَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ
يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ﴿٢٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ
الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ﴿٢٧﴾ وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا
الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ﴿٢٨﴾ فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ
عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿٢٩﴾ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ؕ اِنَّ
رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۙ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ﴿٣٠﴾ وَلِلّٰهِ مَا
فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۙ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ
الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ﴿٣١﴾ اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ
اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ
الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ ؕ
هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴿٣٢﴾

اور بہت سے فرشتے آسمانوں میں موجود ہیں، ان کی سفارش ذرا بھی کام نہیں آسکتی مگر اس کے بعد کہ اللہ جس کے لیے چاہیں، اجازت دیں اور پسند فرمائیں ﴿۲۶﴾ بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ فرشتوں کو لڑکیوں کے ناموں سے موسوم کرتے ہیں ﴿۲۷﴾ حالانکہ ان کے پاس اس کی کچھ خبر نہیں یہ صرف بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں اور یقیناً بے اصل خیالات امرِ حق کے مقابلے میں کچھ کام

نہیں آتے ﴿۲۸﴾ جو ہماری یاد سے رُوگردانی کرے اور صرف دنیا ہی کی زندگی کا طالب ہو تو آپ بھی اس سے رخ (انور) پھیر لیجیے ﴿۲۹﴾ ان کے علم کی یہی انتہا ہے بے شک آپ کا پروردگار اس کو خوب جانتا ہے جو اُس کے راستے سے بھٹک گیا ہے اور وہ اس سے بھی خوب واقف ہے جو ہدایت پر ہے ﴿۳۰﴾ اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے تا کہ جن لوگوں نے بُرے کام کیے ان کو ان کے کاموں کا بدلہ دیں اور جنہوں نے نیکیاں کیں ان کو نیک بدلہ دیں ﴿۳۱﴾ جو لوگ بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے بچتے ہیں سوائے چھوٹی چھوٹی غلطیوں کے، بے شک آپ کے پروردگار کی مغفرت بہت وسیع ہے وہ تم کو خوب جانتا ہے جب تم کو مٹی سے پیدا فرمایا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے تو اپنے کو پاک صاف نہ سمجھا کرو، جو پرہیزگار ہے وہ اس سے خوب واقف ہے ﴿۳۲﴾

تفسیر و معارف

کفار کے بے بنیاد خیالات اور بے بنیاد باتوں کا رد فرمایا جا رہا ہے کہ یہ تو پتھر کے بتوں کو سفارشی بنائے ہوئے ہیں۔ اپنی من گھڑت اور خیالی تصویروں کو سفارشی بنائے ہوئے ہیں لیکن ان کی یہ باتیں حقیقت سے کوسوں دور ہیں۔ فرمایا: وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ﴿۲۶﴾ اور بہت سے فرشتے آسمانوں میں موجود ہیں، ان کی سفارش ذرا بھی کام نہیں آسکتی مگر اس کے بعد کہ اللہ جس کے لیے چاہیں، اجازت دیں اور پسند فرمائیں۔

فرمایا، کتنے مقربانِ بارگاہِ الٰہی ایسے فرشتے ہیں جو آسمانوں پر رہتے ہیں، ہمہ وقت تسبیح کر رہے ہیں، ہمہ وقت سراپا اطاعت ہیں۔ اُن کی سفارش بھی کسی کے لیے نہیں سوائے ان لوگوں کے جن کے لیے اللہ کریم انہیں اجازت دیں اور پسند فرمائیں۔ جب حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے انتہائی مقرب فرشتے بھی اس وقت تک سفارش نہیں کر سکتے جب تک اللہ کا حکم نہ ہو اور اللہ کی اجازت نہ ہو تو یہ کفار و مشرکین کس طرح یہ کہتے ہیں کہ ان کے بُت اور معبودانِ باطلہ ان کی سفارش کریں گے؟ اللہ نے کسی کافر و مشرک کے لیے سفارش کی گنجائش نہیں رکھی۔ جس کی سفارش

کی جائے اس کی بھی ایک استعداد ہونی چاہیے جو کم از کم ایمان ہے۔ جب کافر و مشرک میں ایمان ہی نہیں تو سفارش کیسی! جس کے پاس ایمان نہیں اس کے لیے کوئی سفارش بھی نہیں کر سکتا۔ یہ کفار ایسے بھٹکے ہوئے ہیں کہ اپنے جیسے انسانوں کو، اپنے فرضی خداوؤں کو معبود سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں: لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی کہ یہ ہمیں اللہ کا کسی درجہ میں مقرب بنا دیں (الزمر: 3) مشرکین سمجھتے ہیں کہ ان کے معبودانِ باطلہ ان کی سفارش کریں گے انہیں اللہ کا مقرب بنا دیں گے۔ یہ کہتے ہیں کہ ہم بھی اللہ کو مانتے تو ہیں لیکن ہم میں وہ قوت نہیں کہ اس بارگاہ تک ہماری رسائی ہو اس لیے یہ (بت اور یہ فرضی خدا) ہماری سفارش کریں گے۔

یہاں ان کی اس بات کی تردید کی جا رہی ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ سفارش کے لیے ایک استعداد اور اہلیت چاہیے، ایمان اس کی بنیادی شرط ہے۔ یہ طریقہ تو کفار کا تھا۔ ہماری بدقسمتی کہ اب مسلمانوں نے بھی اس طرح کی رسومات بنا لی ہیں کہ عمل نہیں کرنا، اتباع نہیں کرنا مفروضوں پر رہنا ہے کہ پیر صاحب کو نذرانہ دے دو، وہ ہمیں بخشوا دیں گے۔ ہماری سفارش کر دیں گے۔ خود نماز روزہ نہیں کرنا، حلال حرام کی پروا کیے بغیر مال اکٹھا کرنا، پیروں کا حصہ پیروں کو دے دینا اور سمجھنا کہ پیر بخشوا دیں گے۔ یہ وہی روش ہے جو مشرکوں نے اپنا رکھی تھی۔ فرمایا، جس میں ایمان نہ ہو اس کی سفارش مقرب فرشتے بھی نہیں کر سکتے۔ ہم اس آیۂ مبارکہ کے مطابق اپنا جائزہ لیں۔ ایمان نام ہے، قبول کر لینے کے بعد اطاعت کرنے کا۔ شفاعت یہ ہے کہ ہمارا ایمان اور ہمارا عمل اس درجے کا ہو کہ بارگاہِ الٰہی میں پیش کیا جا سکے۔ اور ہم کوشش کریں کہ ایسا ہو لیکن ہم جو بھی کریں گے اپنی استعداد کے مطابق ہی کریں گے اور اس کی بارگاہ بہت عالی ہے۔ وہاں ہمیں شفاعت کی ضرورت ہے۔ وہاں اللہ کے نبیؐ، اللہ کے نیک بندے، اللہ کے فرشتے شفاعت کریں گے اُن کی، جن کا عقیدہ درست تھا۔ جو عمل کی کوشش کرتے رہے پھر کمی رہ گئی۔ جس کے پاس ایمان نہیں ہو گا اس کے لیے کسی کو شفاعت کی اجازت ہی نہ ہو گی!

وہم و گمان سے حقیقت تبدیل نہیں ہوا کرتی:

کفار تو محض وہم و گمان کی بناء پر عقائد گھڑتے ہیں اور بیہودہ خیالات کی پیروی کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کا آخرت پر ایمان ہی نہیں تو ان کے کہنے سے حقیقت تبدیل نہیں ہو سکتی! فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَیُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِیَةَ الْاُنْثٰی ﴿٢٧﴾ بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ فرشتوں کو لڑکیوں کے ناموں سے موسوم کرتے ہیں۔ وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ؕ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْـًٔا ﴿٢٨﴾ حالانکہ ان کے پاس اس کی کچھ خبر نہیں۔ یہ صرف بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں اور

یقیناً بے اصل خیالات امرِ حق کے مقابلے میں کچھ کام نہیں آتے۔

ان کفار کے خیالات یہ ہیں کہ اللہ کی مخلوق کو اللہ کا شریک بناتے ہیں۔ ایسے جاہل ہیں کہ فرشتوں کو مونث ناموں سے پکارتے ہیں۔ یہ عقیدہ سرے سے ناحق ہے۔ ان کے پاس اس پر کوئی دلیل بھی نہیں۔ یہ محض اپنے بیہودہ خیالات کی پیروی کررہے ہیں۔

یوں توظن، قیاس کرنے کو کہتے ہیں لیکن جو ظن بلا دلیل کیا جاتا ہے وہ بے بنیاد خیالات ہیں۔ یہاں بتایا جارہا ہے کہ کفار کا آخرت پر ایمان نہیں۔ ان کا عقیدہ درست نہیں۔ فرشتوں کے لیے مونث تجویز کرنے پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ یہ تو محض اپنے بے فائدہ، لغو اور بیہودہ خیالات کی پیروی کرتے ہیں۔ ان کے یہ خیالات ان کو حق سے، سچائی سے مستغنی نہیں کرسکتے۔ حقیقت اپنی جگہ قائم ہے۔ ان کے خیالات سے حقیقت نہیں بدل سکتی!

ظن کے بالمقابل یقین ہے۔ اصطلاحِ شریعت میں احکام کے دو درجے ہیں۔ اوّل یہ کہ قرآنِ حکیم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی متواتر احادیث سے جو احکام حاصل ہوتے ہیں۔ انہیں قطعیات کہتے ہیں۔ یعنی قطعی حکم جو فیصل ہو۔ فیصلہ کرنے والا ہو۔ اس کے بعد وہ احکام آتے ہیں جو ان احادیث سے ثابت ہوتے ہیں جو صحت کے اس درجہ کو نہیں پہنچتیں جو درجہ حدیثِ متواترہ کا ہے۔ اصطلاحاتِ حدیث میں 'صحیح' سے مراد وہ حدیث ہے جو محقق ہے مستند ہے، بلاشک وشبہ ثابت ہے۔ اس سے کم درجے کی وہ حدیث ہے جس کی روایات میں کوئی ایسا راوی پایا گیا ہو جس پر جرح ہوسکتی ہے۔ اسے 'حسن' کہتے ہیں۔ اس کے بعد وہ حدیث ہے جس کی روایات کمزور ہوں۔ اسے 'غریب' کہتے ہیں اس کے بعد وہ روایات آتی ہیں جن کو لوگوں نے حدیث کے نام پر خود گھڑ کے پھیلا دیا ہے۔ ان کو حدیث میں شمار نہیں کیا جاتا۔ انہیں موضوع کہتے ہیں۔

جو حدیث حسن ہے یا اس کا ثبوت اس حد تک ہے کہ وہ قطعیت کے درجہ کو نہیں پہنچتی، اس پر جو مسائل اخذ کیے جائیں گے انہیں ظنیات کہتے ہیں۔ ظن، یعنی خیال کرنا قیاس کرنا۔ قرآن وحدیث کے علما کے مطابق ظنیات سے حاصل شدہ مسائل قابلِ اعتبار ہیں، شریعت میں معتبر ہیں۔

اللہ کی یاد سے روگردانی کی سزا:

فرمایا: فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰی ۙعَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝۲۹ جو ہماری یاد سے روگردانی کرے اور صرف دنیا ہی کی زندگی کا طالب ہو تو آپ بھی اس سے رخ (انور) پھیر لیجیے۔

یہ کفار اپنے بیہودہ گمانوں میں اس لیے پھنسے ہوئے ہیں کہ اللہ کو پہچاننے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔ ان کا مقصدِ حیات دنیا کی زندگی ہے۔ یہ اسی کی تگ ودو میں زندگی ضائع کیے جا رہے ہیں۔ انہوں نے ہماری یاد سے رخ پھیر لیا ہے تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ان سے اپنا رخِ انور پھیر لیجیے۔ دنیا میں کسی کو اس سے بڑی سزا کیا ملے گی کہ اللہ کی بھیجی ہوئی رحمتِ مجسم ہستی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی توجہ اس سے ہٹا لیں!

یہ آیت کفار کی کافرانہ روش واضح کر رہی ہے لیکن ہمارے لیے پیغام دے رہی ہے کہ جو بھی اس کافرانہ روش کو اپنائے گا وہ دیکھ لے کہ کفر کی روش کہاں لے جاتی ہے! ایسے لوگوں سے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رخِ انور پھیر لینے کی ہدایت کی جا رہی ہے۔ کفار اپنے بیہودہ گمانوں میں کیوں پھنسے ہوئے ہیں؟ اس لیے کہ یہ اللہ کی یاد سے روگردانی کرتے ہیں۔ اللہ کو پہچاننے کی کوشش ہی نہیں کرتے اللہ کو پہچاننے کا طریقہ کیا ہے؟ اللہ کو یاد کرنا۔ اللہ کا ذکر کرنا۔ ذکرِ الٰہی کیا ہے؟ ایمان لانا، اللہ پر، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اور فرشتوں پر، تمام انبیاؑ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہو گزرے، اللہ کی کتابوں پر اور قرآن حکیم پر، آخرت پر، برزخ، حشر پر جنت دوزخ، عذاب وثواب پر۔ یعنی عقیدہ درست ہونا ذکرِ الٰہی ہے۔ پھر اعمال کی باری ہے جسے عملی ذکر کہا جاتا ہے کہ ہر کام شریعت کے مطابق کیا جائے تو ہر کام میں اللہ کی یاد آ گئی۔ تمام عبادات کرنا، صلوٰۃ، روزہ، زکوٰۃ، حج یہ یادِ الٰہی ہے۔ پھر امورِ دنیا انجام دینا۔ کاروبار، ملازمت، تجارت، مزدوری کرنا۔ کمانا، خرچ کرنا، حلال ذرائع سے کمانا، پاکیزہ غذا کھانا۔ جائز کمائی سے گھر بنانا، شرعی حدود کے اندر زندگی بسر کرنا۔ یہ سب عملی ذکر ہے۔ زبان کو اللہ کی یاد سے تر رکھنا، کلمہ پڑھنا، درود پڑھنا، قرآن پڑھنا زبان سے ذکر کرنا ہے۔ لسانی ذکر کہلاتا ہے۔

ایمان لانا ایک بار کا کام ہے۔ اعمال سے زبان سے ذکر کرنے کی ایک حد ہے۔ جب بندہ سو جائے گا تو غافل ہو جائے گا۔ ذکرِ قلبی وہ ذکر ہے جس کی کوئی حد نہیں۔ بندہ سو جائے یا بے ہوش جائے قلب میں اللہ کی یاد جاری رہے گی۔ ذکرِ قلبی سے قلب کو ذاکر کر لینا چاہیے تاکہ ذکر میں انقطاع نہ آئے، غفلت نہ آئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے لیے کم از کم ذاکر ہونا ضروری ہے۔ ذکر کا پہلا درجہ کم از کم ذکر ایمان لانا ہے۔ فرمایا، جو میرا ذکر ہی نہیں کرتے، ایمان ہی نہیں لاتے ان سے رخِ انور پھیر لیجیے۔ فرمایا: ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۙ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ⓷⓪ ان کے علم کی یہی انتہا ہے۔ بے شک آپ کا پروردگار اس کو خوب جانتا ہے جو اس کے راستے سے بھٹک گیا ہے اور وہ اس سے بھی خوب واقف ہے جو ہدایت پر ہے۔

یہ ایمان کیوں نہیں لاتے ، یہ اللہ کو پہچاننے کی کوشش کیوں نہیں کرتے ، یہ لوگ اللہ کی یاد سے کیوں دور ہوتے ہیں؟ فرمایا، ان کا مقصدِ حیات دنیا ہے۔ ان کا مقصد حصولِ آخرت ہے ہی نہیں۔ ان کے علم کی رسائی یہاں تک ہے۔ انہوں نے پڑھنے لکھنے میں عمریں کھپا دیں لیکن اس علم کو پانے کی جستجو نہ کی جو عظمتِ الٰہی سے آشنا کرتا، جو آخرت سے آشنا کرتا، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا ذوق عطا کرتا۔ ان کے علم کی رسائی یہاں تک تھی کہ خوب دولت کماؤ، شہرت کماؤ، بڑا معروف شخص کہلاؤ!

یہ آیۂ کریمہ کفار کے حالات سنا کر ہمیں متنبہ کر رہی ہے لیکن آج جو تعلیمی نظام ہم پر مسلط ہے اس میں جو تعلیم دی جاتی ہے وہ بھی اللہ کی عظمت سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت، قرآن کی حقانیت نہیں سکھاتی صرف وہ کچھ سکھایا جاتا ہے جس سے زیادہ سے زیادہ دنیا کمائی جائے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ساری زندگی دنیا کے پیچھے بھٹکتا رہتا ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ دنیوی علوم نہیں سیکھنے چاہیں۔ ضرور سیکھنے چاہیں۔ ساری عمر سیکھتے رہنا چاہیں لیکن اوّلیت دین کو ہے۔ دین سیکھا جائے اور دنیا کو دین کی حدود کے اندر رکھا جائے۔ جب دنیا کے سارے امور کو ایک حد کے اندر رکھنا ہے تو اس حد کا جاننا اس سے پہلے شرط ہے۔ جب ہم دین نہیں سیکھتے تو دنیا کو دین کے تابع کیسے کریں گے؟ پھر تو محض دنیا طلبی میں زندگی بسر ہو جائے گی! جدید سائنس کی بنیادیں رکھنے والے مسلمان تھے۔ جب مسلمان علمی اور تحقیقی میدان میں کمالات دکھا رہے تھے اس وقت مغرب جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ بحری بیڑے، جہاز، فنِ سپاہ گری سائنسی ترقی اور تحقیق ان سب کی بنیاد مسلمان محققین نے رکھی۔ اہلِ مغرب نے اسی کو بڑھایا انہی بنیادوں پر مزید کام کر کے ایجادات اپنے نام کر لیں۔ یعنی مسلمان دینی علوم میں فاضل تھے اور دنیوی علوم کے بھی ماہر تھے۔ آج ہم نے دین کو غیر اہم سمجھ کر چھوڑ دیا ہے۔ دنیوی علوم کو بھی محض دولت کمانے کا ذریعہ بنا لیا ہے۔ اس لیے سچ نہیں بولتے۔ دوسرے کا حق مارتے ہیں، رشوت لیتے ہیں، سود کھاتے ہیں، قرضے لے کر ہڑپ کر جاتے ہیں۔ انہیں صرف دنیا چاہیے۔ حکومت ملے، اقتدار ملے، دولتِ دنیا ملے، دنیا، دنیا اور صرف دنیا۔ اسی میں فنا ہو جاتے ہیں۔ لیکن یاد رہے جو بھی حق کی راہ سے بھٹکتا ہے وہ اللہ سے پوشیدہ نہیں۔ اللہ کے علم سے کچھ باہر نہیں۔ اللہ کریم ہر فرد کے ارادوں، تمناؤں، آرزوؤں سے آگاہ ہیں لہٰذا جو دنیا طلبی میں اللہ کی عظمت کو بھول جاتے ہیں انہیں بھی خوب جانتا ہے۔ انہیں اس کا بدلہ ضرور بھگتنا پڑے گا اور جو ہدایت پاتے ہیں اللہ جل شانہٗ ان سے بھی واقف ہیں۔ جو اسی دارِ دنیا میں رہتے بستے ہوئے دنیا کے کام بھی عبادت کے طریقے سے کرتے ہیں اللہ انہیں خوب جانتے ہیں۔ دنیا کا ہر کام جو اللہ کی اطاعت اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اتباع میں کیا جائے وہ دین ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ پاک کا مفہوم ہے کہ مومن کی دنیا بھی دین ہے یعنی مومن دنیا کے کام بھی کرتا ہے تو اس میں اللہ کی اطاعت ہوتی ہے۔ اس لیے

وہ دنیوی کام بھی دین بن جاتا ہے۔اور کافر دین کے نام پر جو کام کرتا ہے وہ بھی حصولِ دنیا کے لیے کرتا ہے۔

کارخانہءقدرت اس لیے چل رہا ہے کہ۔۔۔:

فرمایا: وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۙ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ﴿۳۱﴾ اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے تاکہ جن لوگوں نے برے کام کیے ان کو ان کے کاموں کا بدلہ دیں اور جنہوں نے نیکیاں کیں ان کو نیک بدلہ دیں۔ فرمایا، زمینوں و آسمانوں کی تمام چیزیں اللہ جل شانہٗ کی ذاتی ملکیت ہیں اور اسی کے قبضہء قدرت میں ہیں۔ یہ کارخانہءقدرت اس لیے چل رہا ہے کہ ہر انسان کو موقع ملے اور وہ اپنی آخرت اور دنیا سنوار لے۔ یہ نظام اس بات کا متقاضی ہے کہ برے کام کرنے والے برے انجام کو بھگتیں اور اطاعت اور اتباع کرنے والے خوبصورت بدلہ پائیں۔ یہاں کی زندگی ہو یا اخروی زندگی۔ عالمِ دنیا ہو یا عالمِ آخرت، زمین کی نعمتیں ہوں یا آسمان کی حقیقتیں، یہ سب اللہ جلّ شانہٗ کا ذاتی مال ہے اور ہر شئے پر اس کا مکمل قبضہ ہے لہٰذا جو برائی کرتا ہے اس کے برے نتائج اسے دنیا میں بھی بھگتنے پڑتے ہیں اور آخرت میں بھی برا بدلہ پائے گا۔ دنیا کی حکومت اور اقتدار اللہ کی تقسیم ہے۔کوئی کافر بھی بادشاہ ہو سکتا ہے۔کوئی بدکار بھی امیر ہو سکتا ہے۔کوئی بدکار بہت طاقتور اور مشہور شخص ہو سکتا ہے لیکن اسے دنیا میں یہ سزا ملتی رہتی ہے کہ وہ سکون کا ایک لمحہ بھی نہیں پا سکتا۔ تڑپتے ہوئے زندگی گزارتا ہے، مزید کی ہوس سے اس کی زندگی بے چین رہتی ہے۔ دنیا کی دولت، نعمتوں کے انبار کے باوجود حسرتوں بھری زندگی گزارتا ہے یعنی دنیا کی نعمتیں بھی اللہ کے قبضہءقدرت میں ہیں۔ جو اللہ کی نعمتوں کو اللہ کے حکم کے مطابق استعمال نہ کرے وہ نعمتوں سے لطف نہیں لے سکتا! دنیا کے امیر ترین لوگوں کے حالات پڑھیں، پتا چلتا ہے کہ بے شمار دولت کے ہوتے ہوئے وہ ایسے امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ دنیا کی نعمتیں کھا پی نہیں سکتے۔ چند بے ذائقہ غذائیں اور وہ بھی مخصوص مقدار میں لینا ہی ان کا مقدر ہے۔کیسی عجیب گرفت ہے کہ حسرت سے دیکھ سکتا ہے، کھا نہیں سکتا۔ نیند نہیں آتی، حسرت سے راتوں کو بیٹھ کر سوچتا ہے کہ کیسے خوش نصیب ہیں جو راحت والی نیند لے رہے ہیں۔ جب دنیا کی لذتیں ہی اس کے لیے بے معنی ہو گئی ہوں تو اس بے شمار دولت کا اسے کیا فائدہ؟

یہی ارشاد ہو رہا ہے کہ دنیا و آخرت کی ساری نعمتیں اللہ کے قبضہءقدرت میں ہیں۔ دنیا میں ہر کسی کو جو ملتا ہے اس کا امتحان اسی میں ہے کہ وہ اللہ جل شانہٗ کی اطاعت کے دائرے میں رہتا ہے یا من مانی کرتا ہے! جو راستہ اختیار کرے گا اسی کی منزل پر پہنچ جائے گا!

نیک کون؟

ارشاد ہورہا تھا کہ جن لوگوں نے نیکیاں کیں ان کو نیک بدلہ ملے گا۔ اب ارشاد ہورہا ہے کہ نیک لوگ کون ہیں؟ ان کی کیا صفات ہیں؟ فرمایا: اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ ۔۔۔ جو لوگ بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے بچتے ہیں۔ نیک لوگ بڑے بڑے گناہوں سے یعنی کفر وشرک، بدعت، آخرت کا انکار، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں گستاخی، صحابہ کرامؓ کی توہین کبائر سے بھی کبائر ہیں، اِثْم کہتے ہیں عملی گناہ کو۔ گناہوں کی ایک قسم ایسی ہے جو عموماً ہر معاشرے میں برائی ہی شمار ہوتی ہے جیسے چوری کرنا، جھوٹ بولنا، رشوت لینا وغیرہ۔ فرمایا: اِلَّا اللَّمَمَ ۔۔۔ سوائے چھوٹی چھوٹی غلطیوں کے۔ لغزشوں کو، چھوٹے گناہوں کو لمم کہتے ہیں۔ مفسرین کے نزدیک لمم اس گناہ کو کہتے ہیں جو اتفاقاً سرزد ہوجائے اور بندہ فوراً نادم ہوکر توبہ کرے، اصلاح کرلے۔ فواحش کہتے ہیں بے حیائی کے کاموں کو۔ ارشاد ہورہا ہے کہ اللہ کے نیک بندے وہ ہیں جو بڑے بڑے گناہوں سے بچتے ہیں بے حیائی اور فحاشی سے دور رہتے ہیں۔ بتقاضائے بشریت ان سے بھی غلطی ہوسکتی ہے۔ نیک لوگوں سے بھی غلطی ہوجاتی ہے لیکن وہ اس پر فوراً نادم ہوکر تائب ہوجاتے ہیں۔ مفسرینِ کرام لکھتے ہیں کہ اللہ کے بڑے بڑے نیک بندے، صاحبِ مناصب، اقطاب، ابدال، غوث، ان سے بھی غلطی ہوسکتی ہے کہ اولیاء اللہ معصوم نہیں ہوتے۔ صرف نبی معصوم عن الخطا ہوتے ہیں۔ نیکوں سے بھی سستی، کمی اور کوتاہی ہوجاتی ہے۔ جس پر وہ تائب ہوجاتے ہیں آئندہ کے لیے باز آجاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی سفارش ہوسکتی ہے لیکن جو صریح اسلام کے خلاف چل پڑتا ہے اس کی سفارش کیسے ممکن ہے؟

اللہ کی مغفرت ان لوگوں کے لیے بہت وسیع ہے جو بڑے گناہوں سے بچتے ہیں اور اپنی لغزشوں، کوتاہیوں اور چھوٹے چھوٹے گناہوں پر نادم ہو کر اصلاح پذیر ہو جاتے ہیں۔ فرمایا: اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۔۔۔ بے شک آپ کے پروردگار کی مغفرت بہت وسیع ہے۔ وہ تم کو خوب جانتا ہے جب تم کو مٹی سے پیدا فرمایا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے۔

فرمایا، بلاشبہ آپ کے پروردگار کی بخشش بہت وسیع ہے لہٰذا جو خطائیں بتقاضائے بشریت ہوجاتی ہیں، بشرطیکہ عقیدہ درست ہو، اللہ معاف فرما دیتے ہیں۔ یہ کون تعیّن کرے گا کہ عقیدہ درست تھا، ارادہ ٹھیک تھا لیکن ٹھوکر لگ گئی۔ فرمایا، اللہ جل شانہٗ سب سے بہتر جانتے ہیں۔ وہ خود جانتے ہیں۔ انہیں اردگرد کے لوگوں سے گواہی لینے کی

ضرورت نہیں۔ وہ خود ہر جگہ، ہر آن، ہر ایک کو دیکھ رہے ہیں، جانتے ہیں! اللہ جل شانہٗ تو تمہیں اس وقت بھی جانتے تھے جب تمہارے ذرّاتِ بدن زمین میں منتشر تھے۔ اللہ کے مربوط نظام سے گزر کر تم صلبِ پدر سے شکمِ مادر میں آئے۔ تم خود کو نہیں جانتے تھے۔ اللہ تم سے ہر حال میں واقف تھے۔ اس لیے خود کو متقی نہ سمجھو۔ صرف اللہ ہی جانتے ہیں کہ کون متقی ہے!

اپنے پارسا ہونے کا دعویٰ نہ کرو:

فرمایا: فَلَا تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ ۖ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ ﴿٣٢﴾ تو اپنے آپ کو پاک صاف نہ سمجھا کرو، جو پرہیزگار ہے وہ اس سے خوب واقف ہے۔ فرمایا، تم تو خود کو نہیں جانتے تھے۔ اب اپنے متقی ہونے کے دعوے نہ کرو کہ میں بڑا پارسا ہوں، بڑا نیک ہوں۔ اگر ایمان نصیب ہو گیا ہے، نیکی کی توفیق مل رہی ہے، تقویٰ نصیب ہو رہا ہے تو بھی دعویٰ نہ کرو، اسے اللہ کی عطا سمجھو۔ مزید خاکساری اختیار کرو، مزید جھک جاؤ۔ نیکی اور اللہ کی اطاعت میں اپنی بڑائی مت لاؤ۔ بڑائی صرف اللہ کے لیے ہے۔ تم کچھ نہیں ہو کہ کہو کہ نیک ہوں یا پارسا۔ عظمت، کبریائی صرف اللہ کے لیے ہے۔ اللہ کی توفیق سے ہی نیکی کی جاسکتی ہے۔ نیکی پر اجر بھی اسی نے دینا ہے لہٰذا نیکیوں پر فخر کرنا چھوڑ دو! اس لیے کہ یہ بہت بڑی محرومی ہے کہ کوئی نیکی کر کے راندۂ درگاہ ہو جائے۔ اسے نیکی پر گھمنڈ اور غرور ہو جائے۔ اور اللہ اسے اپنی بارگاہ سے نکال دے۔ یہ بہت ہی بڑی محرومی ہے! نیکی کر کے اسے برباد نہ کرو۔ عظمت اللہ کے لیے ہے اور اگر کوئی واقعی نیک ہے تو اللہ کو بتانے کی ضرورت نہیں۔ وہ خود خوب جانتے ہیں کہ کون نیکی کر رہا ہے! اور تقویٰ کی کیفیت کو اپنے ساتھ قبر میں لے جانا ضروری ہے۔ اس لیے نیکی کے کام میں لگے رہو، انجام کار کون متقی ہوگا یہ صرف اللہ جانتے ہیں!

سورۃ النجم رکوع 3 آیات 33 تا 62

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

أَفَرَءَيْتَ الَّذِي تَوَلَّىٰ ﴿٣٣﴾ وَأَعْطَىٰ قَلِيلًا وَأَكْدَىٰ ﴿٣٤﴾ أَعِندَهُ عِلْمُ الْغَيْبِ
فَهُوَ يَرَىٰ ﴿٣٥﴾ أَمْ لَمْ يُنَبَّأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَىٰ ﴿٣٦﴾ وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّىٰ ﴿٣٧﴾ أَلَّا
تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ﴿٣٨﴾ وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ﴿٣٩﴾ وَأَنَّ سَعْيَهُ
سَوْفَ يُرَىٰ ﴿٤٠﴾ ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفَىٰ ﴿٤١﴾ وَأَنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُنتَهَىٰ ﴿٤٢﴾ وَأَنَّهُ
هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكَىٰ ﴿٤٣﴾ وَأَنَّهُ هُوَ أَمَاتَ وَأَحْيَا ﴿٤٤﴾ وَأَنَّهُ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ
وَالْأُنثَىٰ ﴿٤٥﴾ مِن نُّطْفَةٍ إِذَا تُمْنَىٰ ﴿٤٦﴾ وَأَنَّ عَلَيْهِ النَّشْأَةَ الْأُخْرَىٰ ﴿٤٧﴾ وَأَنَّهُ
هُوَ أَغْنَىٰ وَأَقْنَىٰ ﴿٤٨﴾ وَأَنَّهُ هُوَ رَبُّ الشِّعْرَىٰ ﴿٤٩﴾ وَأَنَّهُ أَهْلَكَ عَادًا الْأُولَىٰ ﴿٥٠﴾
وَثَمُودَا فَمَا أَبْقَىٰ ﴿٥١﴾ وَقَوْمَ نُوحٍ مِّن قَبْلُ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا هُمْ أَظْلَمَ
وَأَطْغَىٰ ﴿٥٢﴾ وَالْمُؤْتَفِكَةَ أَهْوَىٰ ﴿٥٣﴾ فَغَشَّاهَا مَا غَشَّىٰ ﴿٥٤﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكَ
تَتَمَارَىٰ ﴿٥٥﴾ هَٰذَا نَذِيرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْأُولَىٰ ﴿٥٦﴾ أَزِفَتِ الْآزِفَةُ ﴿٥٧﴾ لَيْسَ لَهَا
مِن دُونِ اللَّهِ كَاشِفَةٌ ﴿٥٨﴾ أَفَمِنْ هَٰذَا الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ ﴿٥٩﴾ وَتَضْحَكُونَ وَلَا
تَبْكُونَ ﴿٦٠﴾ وَأَنتُمْ سَامِدُونَ ﴿٦١﴾ فَاسْجُدُوا لِلَّهِ وَاعْبُدُوا ۩ ﴿٦٢﴾

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے منہ پھیر لیا ﴿۳۳﴾ اور تھوڑا سا مال دیا اور ہاتھ روک لیا ﴿۳۴﴾ کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے کہ وہ اُسے دیکھ رہا ہے ﴿۳۵﴾ کیا جو (باتیں) موسیٰ (علیہ السلام) کے صحیفوں میں ہیں ان کی خبر اس کو نہیں پہنچی ﴿۳۶﴾ اور ابراہیم (علیہ السلام) کے (صحیفوں کی) جنہوں نے پوری

بجا آوری کی ﴿۳۷﴾ کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے شخص (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا ﴿۳۸﴾ اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے ﴿۳۹﴾ اور یہ کہ اُس کی محنت بہت جلد دیکھی جائے گی ﴿۴۰﴾ پھر اس کو پورا بدلہ دیا جائے گا ﴿۴۱﴾ اور یہ کہ آپ کے پروردگار کے پاس ہی پہنچنا ہے ﴿۴۲﴾ اور یہ کہ وہی ہنساتا اور رُلاتا ہے ﴿۴۳﴾ اور یہ کہ وہی مارتا اور زندہ کرتا ہے ﴿۴۴﴾ اور یہ کہ وہی نَر اور مادہ دو قسم کے پیدا فرماتا ہے ﴿۴۵﴾ نطفے سے جب (رحم میں) ڈالا جاتا ہے ﴿۴۶﴾ اور یہ کہ دوبارہ پیدا کرنا (حسبِ وعدہ) اُس کے ذمہ ہے ﴿۴۷﴾ اور یہ کہ وہی دولت مند بناتا ہے اور مفلس کرتا ہے ﴿۴۸﴾ اور یہ کہ وہی پروردگار ہے شعریٰ (ستارہ) کا بھی ﴿۴۹﴾ اور یہ کہ اُس نے عادِ اوّل کو ہلاک کیا ﴿۵۰﴾ اور ثمود کو بھی، تو کوئی باقی نہ رہا ﴿۵۱﴾ اور اس سے پہلے نوح (علیہ السلام) کی قوم کو بھی، بے شک وہ لوگ بڑے ظالم اور سرکش تھے ﴿۵۲﴾ اور (اُسی نے) اُلٹی ہوئی بستیوں کو دے پٹکا ﴿۵۳﴾ پھر ان پر چھایا جو چھایا ﴿۵۴﴾ تو اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت میں شک (اور انکار) کرتے رہو گے ﴿۵۵﴾ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی اگلے ڈر سنانے والوں میں سے ایک ڈر سنانے والے ہیں ﴿۵۶﴾ آنے والی آ پہنچی ﴿۵۷﴾ کوئی غیر اللہ اس کو ہٹانے والا نہیں ﴿۵۸﴾ تو کیا تم اس کلام سے تعجب کرتے ہو؟ ﴿۵۹﴾ اور ہنستے ہو اور روتے نہیں ﴿۶۰﴾ اور تم غفلت میں پڑے ہو ﴿۶۱﴾ سو اللہ کے آگے سجدہ کرو اور (صرف اسی کی) عبادت کرو ﴿۶۲﴾

تفسیر و معارف

نیک لوگوں کے نیک اوصاف اور نیک انجام کے ذکر کے بعد ایسے بدکردار لوگوں کا ذکر ہے جو حق سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ فرمایا: اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ تَوَلّٰى ۝ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے منہ پھیر لیا۔ وَاَعْطٰى

قَلِيلًا وَّاَكْدٰى ﴿۳۴﴾ اور تھوڑا سا مال دیا اور ہاتھ روک لیا۔

بعض مشرکین کو جب یہ خبر پہنچتی کہ اعمال کا محاسبہ ہوگا، اس پر ثواب وعذاب ہوگا لہٰذا توبہ کرلو، مسلمان ہو جاؤ، اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت کرلو تو وہ حق سے منہ موڑ لیتے۔ مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ ایک مشرک تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی باتیں سن کر اسلام پر کچھ مائل ہوگیا تو اس کے کسی دوست نے کہا تم عذاب سے نہ گھبراؤ، تم مال کا کچھ حصّہ مجھے دیتے رہو، میں تمہارا عذاب اپنے سر لے لیتا ہوں۔ اس پر اس نے کچھ عرصہ اسے مال دیا، اس شرط پر کہ تم میرا عذاب بھگتو گے پھر وہ بھی دینا چھوڑ دیا۔ مال کی محبت اتنی تھی کہ جسے اپنا فائدہ سمجھ کر دے رہا تھا وہ بھی جاری نہ رکھ سکا! کفر کی یہی خصوصیت ہے کہ بندہ مال کی اندھی محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

یہ ایک مشرکانہ عقیدہ ہے جو بدقسمتی سے آج مسلمانوں میں در آیا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ اسلام پر عمل نہ کیا جائے محض محرم میں کچھ دیگیں پکا کر غریبوں کو دے دیں یا ربیع الاوّل میں دیگیں پکا دیں اور بس کام ختم۔ نجات ہو جائے گی۔ کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ رشوت لیتے رہو، سود کھاتے رہو، کم تولتے رہو، دھوکہ فریب سب کچھ کرتے رہو اور پیر صاحب کو نذرانہ دے آؤ، پیر صاحب عذاب ٹال دیں گے یا پھر یہ سارے غلط کام کر کے عمرہ کر آؤ، حساب برابر ہو جائے گا۔ یہ ساری صورتیں مذموم ہیں۔ بہت بڑا جرم ہے۔ یہ وہی عقیدہ اور وہی طریقہ ہے جو مشرکوں کا ہے جس کے بارے ارشاد ہوا ہے کہ ان لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ بس تھوڑا سا مال دے دیا، اب آخرت کا عذاب ان سے ٹل جائے گا تو یاد رکھیں ایسا نہیں ہوگا۔ اور ایسا کام وہی لوگ کرتے ہیں جو حق سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی دعوت قبول نہیں کرتے۔

اسلام قبول کر لینے سے مراد ہے، اطاعت، اتباع اور عمل۔ یہ جو سمجھ لیا جاتا ہے کہ بس کلمہ پڑھ لیا اور کام ختم ہوگیا۔ کلمہ پڑھنے سے کام ختم نہیں ہوتا، کلمہ پڑھنے سے ذمہ داری شروع ہوتی ہے کہ جو کلمہ پڑھا ہے اس پر عمل کیا جائے اور احکام شریعت کے مطابق امور دنیا انجام دیے جائیں۔

فرمایا: اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ﴿۳۵﴾ کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے کہ وہ اسے دیکھ رہا ہے۔

فرمایا، یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ تھوڑا سا مال اللہ کی راہ میں خرچ کردو پھر جو چاہے کرتے رہو۔ جو ایسا کرتے ہیں کیا ان کے پاس غیب کی خبریں ہیں؟ کیا انہوں نے آخرت کے انجام کو دیکھ لیا ہے؟ آخرت کی خبر، عذاب وثواب کی خبر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم دیتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے تو ایسا نہیں فرمایا تو ان کے پاس کون سا ذریعہ ہے جس سے یہ معلوم کر کے ایسا کہہ رہے ہیں؟ کیا انہوں نے آخرت کو دیکھ رکھا ہے کہ یہاں کسی کو تھوڑا سا مال دے کر وہاں ان کی جان بچ جائے گی؟

اَمۡ لَمۡ یُنَبَّاۡ بِمَا فِیۡ صُحُفِ مُوۡسٰی ﴿۳۶﴾ کیا جو (باتیں) موسیٰ (علیہ السلام) کے صحیفوں میں ہیں ان کی خبر اس کو نہیں پہنچی۔ وَ اِبۡرٰہِیۡمَ الَّذِیۡ وَفّٰۤی ﴿۳۷﴾ اور ابراہیم (علیہ السلام) کے (صحیفوں کی) جنہوں نے پوری بجا آوری کی۔

آدم علیہ السلام سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک سب میں یہی اصول تھا اور ہے کہ عملی زندگی پر نتائج مرتب ہوں گے۔ ایسا نہیں ہوگا کہ دنیا میں لوگ برائی کرتے رہیں، حرام کماتے رہیں اور اس میں سے کچھ خرچ کر کے سمجھ لیں کہ یہ کافی ہے۔ ان کی نجات ہو جائے گی۔ ایسا نہیں ہوگا۔ کیا انہوں نے موسیٰ علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام پر نازل ہونے والی کتابوں کے احکام نہیں جانے کہ کس طرح ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ربّ کی اطاعت کا وعدہ پورا کیا، انبیائے سابقین، انؑ کے صحابہ اور امتیوں نے، عالم اور نیک لوگوں نے، باکردار لوگوں نے اسی اصول پر عقیدہ رکھا اور اسی پر عمل کرتے رہے۔ یہ کُلیہ جو ان مشرکین نے گھڑ لیا ہے کہ نذرانے دے دو، سارا معاملہ ختم ہو گیا تو ایسا نہیں ہوگا نہ ہی ایسا کسی الہامی کتاب میں ارشاد ہوا۔

یادرکھو! اَلَّا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰی ﴿۳۸﴾ کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے شخص (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ ہر ایک کو اپنے کردار کا جواب دینا پڑے گا کوئی دوسرا کسی دوسرے کی جگہ جوابدہ نہیں ہوگا۔ کوئی دوسرا کسی کے گناہوں کی پاداش میں نہیں پکڑا جائے گا۔

ایک حتمی فیصلہ:

وَ اَنۡ لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ﴿۳۹﴾ اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔

یعنی آخرت میں ہر انسان کو وہی ملے گا جو اس نے دنیا میں کمایا ہوگا۔ جس چیز کے لیے اس نے محنت و مجاہدہ کیا، جو کمائی کی، وہ اسے دنیا سے لے کر جائے گا اور اسی کا بدلہ، اسی کا اجر پائے گا۔ وہاں عدل ہوگا، انصاف ہوگا۔ کسی کی محنت ضائع نہیں جائے گی۔ جس نے نیک کام کیے وہ انعامات پائے گا۔ جس نے برے کام کیے اسے اپنے نتائج بھگتنے ہوں گے۔

ہماری بدنصیبی ہے کہ اس دور میں ہم نے اس آیہء کریمہ کا اطلاق دنیا پر کر لیا ہے کہ خوب کماؤ کیونکہ ہر بندے کے لیے وہی ہے جو اس نے سمیٹ لیا۔ خواہ بددیانتی کرو لیکن دولت جمع کرو۔ آیت کا سیاق وسباق دیکھیں، کس موضوع پر بات ہو رہی ہے۔ یہ آیت بتا رہی ہے کہ آخرت کے لیے اپنا ذاتی عمل ضروری ہے۔ خود عمل نہیں کرو گے تو کسی بُت کی سفارش، کسی معبودِ باطل کی سفارش، کسی پیر فقیر کی سفارش سے امیدِ نجات نہ رکھو!

ایصالِ ثواب:

فرمایا: وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ﴿٤٠﴾ اور یہ کہ اس کی محنت بہت جلد دیکھی جائے گی۔ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ﴿٤١﴾ پھر اس کو پورا بدلہ دیا جائے گا۔ وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿٤٢﴾ اور یہ کہ آپ کے پروردگار کے پاس ہی پہنچنا ہے۔

ہر شخص کی محنت پرکھی جائے گی۔ ہر عمل کی پرکھ دو طرح سے ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ بندے کا عمل اللہ کے حکم پر مبنی ہو اور وہ اسے پورے خلوص سے بجا لائے۔ دیکھا جائے گا کہ اس کا عمل کیسا تھا؟ اس نے خود گھڑ لیا تھا یا اطاعتِ الٰہی میں کیا تھا، اس نے وہ کام حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے طریقے پر کیا تھا؟ اور وہ اس میں کتنا مخلص تھا؟ یعنی نیکی کو ان دو پہلوؤں پر پرکھا جائے گا۔ پھر ہر ایک کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ جس عمل میں جتنا اتباع، جتنا خلوص ہوگا اتنا انعام پائے گا۔ عمل میں جتنا جھوٹ، نفاق ہوگا یا بے عملی ہوگی اسی کے مطابق سزا پائے گا۔ بالآخر سب کو اللہ کریم کی بارگاہ میں پہنچنا ہے۔ لاکھوں لوگ دنیا میں آتے ہیں، اتنے ہی دنیا سے چلے جاتے ہیں۔ ایک جمِ غفیر خاک میں مدفون ہو رہا ہے۔ اپنے پالنہار کے پاس واپس جا رہے ہیں۔ ان سب کو اپنے کیے کا بدلہ ملے گا۔

اس آیۂ مبارکہ سے ایصالِ ثواب کی نفی نہیں ہے۔ البتہ اسی اصول پر ثواب پہنچے گا جو اصول شفاعت کا ہے کہ جس کے لیے اللہ اجازت دے۔ یعنی اللہ نے ایصالِ ثواب کی اجازت دی ہے اور اللہ کے مومن بندے کو نفلی عبادات کا ثواب دیا جا سکتا ہے۔ جس نے زندگی میں عقیدے اور اعمال کی اصلاح نہ کی، عقیدہ تباہ کر کے دنیا سے گیا اس کو ثواب کیسے ملے گا، اس کی شفاعت کیسے ہوگی!

جو کوئی دنیا سے جاتا ہے، ربّ العالمین کی بارگاہ میں ہی پہنچتا ہے۔ اسی کی عظمت پر بات پہنچتی ہے۔ زندگی بھر کی خوشی غمی کے اسباب بھی وہی بناتا ہے۔ فرمایا: وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى ﴿٤٣﴾ اور یہ کہ وہی ہنساتا ہے اور رلاتا ہے۔ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا ﴿٤٤﴾ اور یہ کہ وہی مارتا اور زندہ کرتا ہے۔ دارِ دنیا میں بھی انسان پر وہی ذات خوشی بھیجتی ہے اور وہی قادر ایسے حادثات بھیج دیتا ہے کہ ہنسنے والے رونے لگ جاتے ہیں۔ کسی کے اختیار میں کچھ نہیں۔ حالات کی تنگی ترشی میں بندے کو ہدایت دی ہے کہ اپنا جائزہ لے۔ دیکھے، جہاں جہاں وہ خطا کر رہا ہے، باز آ جائے۔ زندگی کو اللہ کی اطاعت کے دائرے میں لائے۔ تنگ حالی میں اللہ سے دعا کرے۔ اپنے گناہوں پر استغفار کرے، رجوع الی اللہ کرے۔ اللہ کی رحمت ہر چیز سے وسیع تر ہے۔ وہ کرم کرنے والی ذات ہے اس سے زیادہ کریم کوئی نہیں!

موت و حیات کے فیصلے بھی اس کے اپنے ہیں۔ جن لوگوں کو لوگ قتل کر دیتے ہیں ان میں سے جو مرنے والا سچا، کھرا،

نیک تھا اللہ اسے شہادت سے سرفراز کرنا چاہتے ہیں۔ مارنے والا بے دین، بدکار ہے اسے قتل کے جرم میں گرفتار کروانا چاہتے ہیں۔ بعض اوقات مرنے والے کی موت بطورِ سزا اس پر وارد ہوتی ہے۔ موت وحیات کے سارے اسباب وہی قادرِ مطلق پیدا کرتا ہے۔ وہ قادر ہے جسے چاہے موت دے اور جسے چاہے حیات دے۔ نجات پانا اور نہ پانا یہ بندے کے کردار اور اس کے اپنے فیصلے کے مطابق ہے جو عقیدہ وکردار جس نے چاہا قبول کیا اور اس پر زندگی بسر کی!

وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿٤٥﴾ اور یہ کہ وہی نر اور مادہ دو قسم کے پیدا فرماتا ہے۔ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ﴿٤٦﴾ نطفے سے جب (رحم میں) ڈالا جاتا ہے۔

اگر لوگوں کو اپنے پر اختیار ہوتا تو اپنی مرضی کرتے۔ اگر کسی کو مخلوق پیدا کرنے پر اختیار ہوتا، قدرت حاصل ہوتی تو اپنی مرضی سے بیٹے پیدا کرتے، بیٹیاں پیدا کرتے۔ یہ اختیار کسی کے پاس نہیں، سوائے اللہ کے! جب پیدا کرنے پر کسی کا اختیار نہیں تو مارنے پر کس کا اختیار ہے۔ قاتل کے اپنے گناہ ہیں کہ اس نے قتل کا جرم کیا۔ مقتول کا اپنا کردار ہے کہ وہ کس سبب سے قتل ہوا؟ وہ شہید ہوا یا اس پر موت بطورِ سزا مسلط کی گئی۔ دنیا میں جب جنگیں چھڑ جاتی ہیں۔ انسانوں کی کثیر تعداد متاثر ہوتی ہے۔ جنگیں بربادی لاتی ہیں تو یہ سب لوگوں کے اپنے اعمال اور کردار کے نتائج ہوتے ہیں۔ ارشاد ہے: ظَهَرَ الْفَسَادُ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِى النَّاسِ (الروم: 41) لوگوں کے اعمال کے باعث خشکی اور دریا میں فساد پھیل رہا ہے۔ یعنی جب لوگوں کے اعمال وکردار اس حد تک بگڑ جاتے ہیں تو ان پر ایسے ہی نتائج مرتب ہوتے ہیں۔

صرف اللہ ہی قادرِ مطلق ہے۔ اولاد دینا اس کا کام۔ اولاد کا پالنہار وہ خود۔ قطرۂ آب سے انسان کی تخلیق کا عمل جاری کرنے والا۔ بچے سے جوان کرنے والا۔ زندگی دینے والا اور موت دینے والا وہی اکیلا ربّ ہے۔

وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ﴿٤٧﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى ﴿٤٨﴾ اور یہ کہ دوبارہ پیدا کرنا (حسبِ وعدہ) اس کے ذمہ ہے۔ اور یہ کہ وہی دولت مند بناتا ہے اور مفلس کرتا ہے۔

جو ربّ نطفہ سے انسان بنا دیتا ہے اس کے لیے ہی ہے کہ وہ منتشر ذرّات بدن کو یکجا کر کے زندہ کر دے۔ جو زندگی دیتا ہے، مارتا ہے، اسی کو سزاوار ہے کہ دوبارہ زندہ کر دے۔ یہ اسی کی قدرتِ کاملہ ہے۔ امیری، خوش حالی یا غربت اسی کا نظام ہے۔ جب وہ کسی کو آزمانا چاہتا ہے تو اسے دولت، اقتدار، اختیار، نعمتیں، حکومتیں سب عطا کر دیتا ہے۔ یہ اس کی آزمائش ہوتی ہے کہ وہ یہ سب کچھ پا کر اللہ کی اطاعت کرتا ہے یا نافرمانی پر جم جاتا ہے۔ دوسرے کی آزمائش اس طرح سے کرتا ہے کہ اس پر رزق کی کمی کر دیتا ہے۔ اس کو پرکھا جاتا ہے کہ وہ اس مجبوری میں بھی اللہ کی اطاعت کرتا ہے، اسی پر اعتماد کرتا ہے یا دوسروں کے در پر بھٹکتا ہے! دوسری جگہ ارشادِ باری ہے: فَاَمَّا الْاِنْسَانُ

إِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ (الفجر:15) جب اس کا پروردگار اس کو آزماتا ہے پھر عزت دیتا اور نعمت بخشتا ہے تو کہتا ہے (آہا) میرے پروردگار نے مجھے عزت بخشی اور: وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ (الفجر:16) اور جب (دوسری طرح) آزماتا ہے تو اس پر روزی تنگ کر دیتا ہے تو کہتا ہے (ہائے) میرے پروردگار نے مجھے ذلیل کیا۔ یہ نظامِ الٰہی کے مختلف پہلو ہیں۔ ہر پہلو میں انسان کی پرکھ ہے!

نافرمانی کا انجام:

وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿۴۹﴾ اور یہ کہ وہی پروردگار ہے شعریٰ (ستارہ) کا بھی۔ وَاَنَّهٗٓ اَهْلَكَ عَادَا الْاُوْلٰى ﴿۵۰﴾ اور یہ کہ اس نے عادِ اوّل کو ہلاک کیا۔ وَثَمُوْدَا۠ فَمَآ اَبْقٰى ﴿۵۱﴾ اور ثمود کو بھی، تو کوئی باقی نہ رہا۔ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى ﴿۵۲﴾ اور اس سے پہلے نوح (علیہ السلام) کی قوم بھی، بے شک وہ لوگ بڑے ظالم اور سرکش تھے۔

شعریٰ ستارہ، مشرکین جس کی پرستش کرتے ہیں، یہ بھی اللہ کی تخلیق ہے۔ مشرکین کا ایک پورا طبقہ شعریٰ ستارے کی پوجا کیا کرتا تھا۔ فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ تو اس کے بھی خالق ہیں اور تمہارے بھی تو مخلوق ہو کر تم ایک تخلیق کو معبود بنائے بیٹھے ہو؟ اس ستارے کے سبب زمین پر کوئی اثرات مرتب ہوئے ہیں یا فضا میں کوئی اچھا اثر پیدا ہوتا ہے تو یہ خصوصیات اس ستارے کے بنانے والے نے اس میں رکھی ہیں۔ ستارے کا ذاتی کمال تو کچھ بھی نہیں!

عادِ اوّل کو بھی شرک کی مصیبت نے آن پکڑا تھا۔ مال و دولت کی فراوانی نے انہیں متکبر کر دیا تھا۔ تمہارے پاس نہ وہ مادّی ترقی ہے جو ان کے ہاں تھی۔ تم نہ ان جیسے قد آور اور طاقتور ہو نہ تمہارے پاس ان جیسے وسائل ہیں۔ وہ سائنسی علوم میں بہت آگے تھے۔ مال و دولت کی فراوانی تھی۔ طاقت و قوت بے پناہ تھی۔ وہ ہر شعبے میں تم سے آگے تھے لیکن جب عذابِ الٰہی آیا تو کچھ نہ کر سکے! ہوا نے پٹخ پٹخ کر مار دیا۔ یوں اوندھے پڑے تھے جیسے کھجور کے بڑے بڑے درخت گرے ہوئے ہوں۔

اسی کردار نے ثمود کو تباہ کیا۔ ان پر عذاب کے تھپیڑوں کو کوئی روک نہ سکا۔ وہ بھی مادّی ترقی میں بہت آگے بڑھے ہوئے لوگ تھے۔ ان کی ایجادات سے بندہ حیرت زدہ ہو جاتا ہے۔ اور نوح علیہ السلام کی قوم جو عاد و ثمود سے پہلے تباہ کر دی گئی اور اتنا بڑا سیلاب آیا جو روئے زمین پر آیا۔ ساری انسانیت میں سے صرف وہی انسان بچ سکے جو کشتیءِ نوح میں سوار تھے۔ جہاں تک انسان آباد تھے۔ روئے زمین پر وہاں تک یہ سیلاب آیا اور سب اس میں غرق

ہو گئے سوائے نوح علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کے جو آپؑ کے ساتھ کشتی میں سوار تھے۔ کشتی میں سوار تمام لوگوں میں سے کسی کی نسل آگے نہیں چلی سوائے نوح علیہ السلام کے بیٹوں کے۔ دنیا میں اس وقت جتنی آبادی ہے وہ سب نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہے۔ اسی لیے نوح علیہ السلام کو آدمِ ثانی بھی کہتے ہیں۔ حتیٰ کہ یاجوج ماجوج بھی نوح علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ اگرچہ وحشی ہیں، جنگلی ہیں، جنگلوں میں پڑے ہیں لیکن ان کا نسب بھی نوح علیہ السلام سے ملتا ہے۔

اللہ کے نافرمانوں کے انجام کی داستانیں زبان زدِ عام ہیں، بکھری پڑی ہیں۔ فرمایا: وَالْمُؤْتَفِكَةَ أَهْوٰى ﴿۵۳﴾ اور (اسی نے) الٹی ہوئی بستیوں کو دے پٹکا۔ فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ﴿۵۴﴾ پھر ان پر چھایا جو چھایا۔ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿۵۵﴾ تو اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت میں شک (اور انکار) کرتے رہو گے۔

فرمایا، ان بستیوں کا حال دیکھ لو! لوط علیہ السلام کی قوم پر آسمانوں سے پتھر برسائے گئے اور وہ اسی میں مر کر دفن ہو گئے۔ اسی پر بس نہیں ہوا، پوری زمین اکھیڑ لی گئی اور الٹا کر وہیں پھینک دی گئی۔ پھر ان پر عذاب الٰہی جس طرح چھایا، جس طرح انہیں اس عذاب کی لپیٹ میں لیا گیا وہ تاریخ کا حصہ ہے تو تم اللہ کی کن کن نعمتوں میں شک کرتے رہو گے۔ ہر نعمت اسی کی بارگاہ سے بٹتی ہے۔ عطا بھی وہی کرتا ہے لیتا بھی وہی ہے۔ عذاب بھی وہی بھیجتا ہے۔ نعمتیں بھی دیتا ہے اب معذب قوموں کے حالات اس لیے بتائے جا رہے ہیں کہ آج پتا چل جائے کہ اللہ کی نافرمانی کے نتائج کیا تھے۔ آج کے سننے والو! تم نافرمانی کر کے کیسے بچو گے؟ تمہارے پاس اس کی کیا دلیل ہے کہ تم اللہ کی اطاعت نہیں کرو گے اور محفوظ بھی رہو گے؟

جان لو کہ بعثتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عظیم نعمت ہے:

فرمایا: هٰذَا نَذِيرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْأُولٰى ﴿۵۶﴾ یہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) بھی اگلے ڈرسنانے والوں میں سے ایک ڈرسنانے والے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کی آخری کڑی ہیں۔ جس طرح گزشتہ انبیاؑ لوگوں کو ان کے اعمال کے نتائج دنیا میں بتاتے رہے تاکہ لوگ بروقت متنبہ ہو جائیں، خبردار ہو جائیں اور اصلاحِ احوال کر لیں اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم برائی کے انجامِ بد کی خبر دینے والے ہیں۔ تمہیں آج، بروقت، انجامِ بد سے مطلع کر رہے ہیں۔ دیکھو! آنے والی سر پر کھڑی ہے۔

أَزِفَتِ الْآزِفَةُ ﴿۵۷﴾ آنے والی آ پہنچی لَيْسَ لَهَا مِن دُونِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿۵۸﴾ کوئی غیر اللہ اس کو ہٹانے والا نہیں۔ قرآن گزشتہ قوموں کے احوال اس لیے بتاتا ہے کہ صداقتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واضح ہو جائے

اور معلوم ہو جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت نعمتِ عظمیٰ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سلسلہء نبوت کی آخری کڑی ہیں۔ آخرت امت کوئی نئی نبوت نہیں آئے گی، کوئی نئی کتاب نہیں آئے گی، کوئی نئی امت پیدا نہیں ہوگی۔ یہ آخری امت ہے۔ قیامت سر پر کھڑی ہے۔ قیامت کا بڑا حادثہ رونما ہونے کو ہے۔ اور جس کی موت آتی ہے اس کی چھوٹی سی قیامت تو آجاتی ہے۔ یعنی دارِ عمل ختم ہو جاتا ہے، دارِ جزا شروع ہو جاتا ہے۔ روز کا مشاہدہ ہے کہ کتنے لوگ موت کی آغوش میں جا رہے ہیں۔ اللہ کے علاوہ اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ قیامت کب واقع ہوگی؟ جب اللہ چاہے گا۔ یہ اپنی مرضی سے نہیں آسکتی نہ تم اسے روک سکتے ہو۔ تمہاری طاقت، تمہارا خزانہ، تمہاری سائنسی ترقی، تمہاری عقل اور تمہارے علوم موت کے مقررہ لمحے کو آنے سے روک نہیں سکتے۔ بڑے بڑے شہنشاہ موت کے گھاٹ اتر جاتے ہیں، لاؤ لشکر یہیں رہ جاتے ہیں۔ کوئی ایسا نہیں جو قیامت کو یا موت کو روک سکتا ہو۔ کسی کو دس، پچاس یا سو سال مہلت ملتی ہے تو اللہ نے دی ہوتی ہے جب موت بھیج دیتا ہے کسی کے بس میں نہیں کہ اسے روک سکے۔

اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴿۵۹﴾ تو کیا تم اس کلام سے تعجب کرتے ہو؟ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ ﴿۶۰﴾ اور ہنستے ہو اور روتے نہیں۔ وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴿۶۱﴾ اور تم غفلت میں پڑے ہو، تمہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کا کلام سن کر حیرت ہوتی ہے کہ یہ عجیب باتیں ہیں۔ تم مذاق اڑاتے ہو۔ تم اپنی سوچوں اور فکر کو دیکھو۔ اپنے کردار کو دیکھو اگر یہ گزشتہ کفار جیسا ہے تو تمہیں تو رونا چاہیے۔ اپنے انجام کی فکر کرنی چاہیے جبکہ تم غفلت میں پڑے رہتے ہو۔

فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ﴿۶۲﴾ سو اللہ کے آگے سجدہ کرو اور (صرف اسی کی) عبادت کرو۔ طریقہء نجات صرف ایک ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں سربسجود ہو جاؤ۔ بے چون و چرا اطاعتِ الٰہی اختیار کرلو۔ بے حیل و حجت اس کی فرمانبرداری کرلو۔ دامانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم تھام لو، اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اختیار کرلو!

یہ آیت سجدہ کی ہے۔ پڑھنے، سننے والے سب پر ایک سجدۂ تلاوت واجب ہو جاتا ہے۔ اس میں صرف ایک سجدہ ہوتا ہے۔ اللہ اکبر کہہ کر سجدے میں چلے جائیں تین بار سجدے کی تسبیح سبحان ربی الاعلیٰ کہیں اور اللہ اکبر کہہ کر پھر کھڑے ہو جائیں۔

سورۃ القمر رکوع 1 آیات 1 تا 22

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ﴿١﴾ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ
مُّسْتَمِرٌّ ﴿٢﴾ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ﴿٣﴾ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ
مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ﴿٤﴾ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ﴿٥﴾ فَتَوَلَّ
عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ﴿٦﴾ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ
الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ﴿٧﴾ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ؕ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ
هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ﴿٨﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ
وَّازْدُجِرَ ﴿٩﴾ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ﴿١٠﴾ فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ
مُّنْهَمِرٍ ﴿١١﴾ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ﴿١٢﴾ وَحَمَلْنٰهُ
عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ﴿١٣﴾ تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ﴿١٤﴾ وَلَقَدْ
تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿١٥﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿١٦﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا
الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿١٧﴾ كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ
وَنُذُرِ ﴿١٨﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿١٩﴾ تَنْزِعُ
النَّاسَ ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿٢٠﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿٢١﴾ وَلَقَدْ
يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٢٢﴾

قیامت نزدیک آ پہنچی اور چاند شق ہو گیا ﴿۱﴾ اور اگر یہ کوئی نشان (معجزہ) دیکھتے
ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں یہ ایک ہمیشہ کا جادو ہے ﴿۲﴾ اور ان لوگوں

نے جھٹلایا اور اپنی خواہشات کی پیروی کی اور ہر بات کا وقت مقرر ہے ﴿۳﴾ اور
بے شک ان کو (سابقین کے) ایسے حالات پہنچ چکے ہیں کہ ان میں عبرت
ہے (اور) اعلیٰ درجہ کی دانشمندی ﴿۴﴾ پھر ڈرانا ان کو کچھ فائدہ نہیں دیتا ﴿۵﴾ تو
آپ ان کی کچھ پرواہ نہ کیجیے جس دن بلانے والا ان کو ایک ناخوش چیز کی طرف
بلائے گا ﴿۶﴾ تو اپنی آنکھیں نیچی کیے ہوئے قبروں سے نکل پڑیں گے گویا بکھری
ہوئی ٹڈیاں ہیں ﴿۷﴾ بلانے والے کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہوں گے کافر
کہتے ہوں گے کہ یہ دن بڑا سخت ہے ﴿۸﴾ ان سے پہلے قومِ نوحؑ نے تکذیب
کی پھر ہمارے بندۂ خاص (نوح علیہ السلام) کو جھٹلایا اور کہا یہ دیوانہ ہے اور
انہیں دھمکی دی ﴿۹﴾ تو انہوں نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ مَیں کمزور ہوں
سو آپ (ان سے) انتقام لیں ﴿۱۰﴾ پس ہم نے کثرت سے برسنے والے پانی
سے آسمان کے دہانے کھول دیے ﴿۱۱﴾ اور زمین سے چشمے جاری کر دیے تو پانی
ایک کام کے لیے جو تجویز ہو چکا تھا جمع ہو گیا ﴿۱۲﴾ اور ہم نے ان
(نوح علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں) کو اس (کشتی) پر جو تختوں اور میخوں
سے بنی تھی سوار کر دیا ﴿۱۳﴾ جو ہماری نگرانی میں رواں تھی یہ سب اُس شخص
کا انتقام لینے کے لیے کیا گیا جس کو کافر مانتے نہ تھے ﴿۱۴﴾ اور ہم نے اس
(واقعہ) کو عبرت بنا دیا تو کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟ ﴿۱۵﴾ تو میرا
عذاب اور میرا ڈرانا کیسا ہوا؟ ﴿۱۶﴾ اور بلاشبہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل
کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟ ﴿۱۷﴾ عاد
نے بھی تکذیب کی تھی سو (دیکھو) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا ﴿۱۸﴾ بے شک
ہم نے ان پر ایک تیز ہوا بھیجی ایک دوامی نحوست کے دن میں ﴿۱۹﴾ لوگوں کو
اس طرح اُکھاڑ اُکھاڑ پھینکتی تھی گویا کہ وہ اُکھڑی ہوئی کھجوروں کے تنے
ہیں ﴿۲۰﴾ سو (دیکھو) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا ﴿۲۱﴾ اور ہم نے قرآن کو
سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے ﴿۲۲﴾

تفسیر و معارف

سورۂ قمر شروع ہوتی ہے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے مکہ مکرمہ کے عہدِ مبارک میں نازل ہوئی۔ ارشاد ہے:

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ① قیامت نزدیک آ پہنچی اور چاند شق ہو گیا۔ قیامت کی سب سے بڑی نشانی آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلّم کی بعثتِ عالی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت کے بعد جو بڑا حادثہ ہوگا وہ قیامت کا ہوگا۔

یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے معجزہ شق القمر کا ذکر ہے۔ مشرکینِ مکہ اکثر یہود کے علما سے مشورہ کرتے کیونکہ وہ انہیں مذہبی امور میں زیادہ عالم سمجھتے تھے۔ ان یہود کی اکثریت مدینہ میں تھی۔ یہود کے مطابق جادو کا اثر آسمان پر ممکن نہیں تھا اور معجزات کو منکرین کی اکثریت جادو سمجھتی تھی۔ یہودیوں نے مشرکینِ مکہ کو مشورہ دیا کہ تم ان سے افلاک میں گردش کرنے والے سیاروں کے بارے کوئی مطالبہ کرو کیونکہ آسمانوں میں جادو اثر نہیں کرتا۔ چنانچہ مشرکین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم سے مطالبہ کیا کہ آپ چاند کو شق کر دیجیے تو ہم آپ کو مان لیں گے۔ اللہ جلّ شانہٗ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو یہ معجزہ عطا فرما دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے انگلی سے چاند کو اشارہ فرمایا اور چاند دو ٹکڑوں میں بٹ کر اتنے فاصلے پر ہٹ گیا کہ کوہ حرا درمیان میں رہ گیا اور حرا کے دونوں طرف چاند کے دو ٹکڑے نظر آنے لگے۔ جب سب نے تسلی سے دیکھ لیا تو چاندے کے ٹکڑے آپس میں مل گئے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا بہت بڑا معجزہ تھا۔ لیکن بدبختی اور اعمال کی سزا آدمی کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ کھلی آنکھوں یہ دیکھنے کے بعد منکرین کہنے لگے آسمان پر تو جادو ہوتا نہیں لیکن ایسے لگتا ہے ہماری نگاہوں پر جادو ہو گیا ہے اس لیے ہمیں چاند دو ٹکڑوں میں نظر آ رہا ہے۔ اس کا فیصلہ تو اب باہر سفر پر نکلے ہوئے لوگوں کے واپس آ کر مکہ داخل ہونے والوں کی زبانی ہوگا۔ مکہ مکرمہ میں لوگ روزانہ آتے جاتے تھے۔ مشرکین، مشرک ہو جانے کے باوجود، بیت اللہ کو بت خانہ بنا دینے کے باوجود، اس کی عظمت کے قائل تھے اور تجارتی اغراض سے بھی لوگوں کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔ کہنے لگے، جو لوگ باہر سے آئیں گے، ان سے پوچھیں گے کہ کیا باہر کے لوگوں نے بھی یہی دیکھا۔ جب لوگ مکہ مکرمہ آئے تو سب نے تصدیق کی کہ چاند دو ٹکڑے ہوا تھا اور پھر وہ ٹکڑے جڑ گئے تھے۔ یہ سن کر بھی وہ ایمان نہ لائے۔ اللہ کی قدرت کہ برصغیر میں مالابار (موجودہ سری لنکا) کے مہاراجہ نے بھی دیکھا اور اس واقعے کو تاریخ کے ساتھ اپنی ڈائری میں لکھ لیا۔ جب مسلمان تاجر مالابار پہنچے، اُسے دعوتِ اسلام پہنچی تو وہ مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ اپنے اپنے نصیب اور اپنے اپنے کردار کی بات ہے۔ جو لوگ مکہ میں تھے، پاس تھے، وہ ساری عمر اعتراض ہی کرتے رہے اور کہاں مکہ مکرمہ، کہاں مالابار اور وہاں کا راجہ یہ معجزہ دیکھ کر

مسلمان ہوگیا۔ ناسا کے ادارے نے چاند کی جو تصاویر جاری کی ہیں ان میں واضح طور پر نظر آتا ہے۔ نصف چاند میں گرداگرد ایک خط بنا ہوا ہے۔ اسی طرح جیسے کوئی چیز پھٹ کر جڑتی ہے تو نشان رہ جاتا ہے۔ چاند بجائے خود روشن نہیں ہے۔ کرۂ زمین کی طرح مٹی، پتھروں سے بنا ہے۔ رات کو جب سورج زمین سے اوجھل ہو جاتا ہے تو اس کی کرنیں چاند پر سیدھی پڑتی ہے اور یہ چمکنے لگتا ہے۔ اس کو بغور دیکھیں تو صاف نظر آتا ہے کہ پھٹ کر پھر جڑا ہے۔

وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ﴿۲﴾ اور اگر یہ کوئی نشان (معجزہ) دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں یہ ایک ہمیشہ کا جادو ہے۔

مشرکین مکہ نے خود ہی معجزہ طلب کیا، خود ہی دیکھنے کے باوجود منکر ہو گئے اور کہنے لگے یہ زیادہ ہی سخت جادو ہے۔ جب بھی ان کے پاس کوئی دلیل آتی ہے یہ مانتے ہی نہیں، منہ پھیر لیتے ہیں اور یہی کہا کرتے ہیں کہ جادوگر ایسے ہی ہوتے ہیں۔ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ﴿۳﴾ اور ان لوگوں نے جھٹلایا اور اپنی خواہشات کی پیروی کی اور ہر بات کا وقت مقرر ہے۔ ان کا انکار کرنا کسی دلیل کے ساتھ نہیں ہے۔ جب اللہ کے آخری نبی و رسول، امام الانبیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا مبلغ ہو، سب سے پُرتاثیر کلام ہو، بہترین خیر خواہی کے ساتھ نصیحت ہو تو بندہ فدا بھی ہو جائے تو کم ہے لیکن یہ منکرین ایسی ہستی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا بھی انکار کر دیتے ہیں۔ کس وجہ سے؟ خواہشات کی پیروی کی خاطر انکار کر دیتے ہیں۔

ہر گناہ کا محرک انسان کے نفس کی خواہشات ہیں:

ایسا نہیں ہے کہ انہیں پتا نہیں ہے۔ انہیں پتا ہے لیکن اصل وجہ یہ ہے کہ یہ اپنی خواہشات کو چھوڑنا نہیں چاہتے۔ خواہشات کی تکمیل کے لیے انکار کرتے ہیں۔ لیکن ان کا انکار عذاب الٰہی کو ٹال نہیں سکتا۔ ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے۔ ان کے انکار سے ان کی موت ٹلے گی نہ موت کے بعد جواب طلبی ٹلے گی اور نہ ہی ان کا عذاب ٹلے گا۔ ہر کام نے اپنے مقرر وقت پر ہونا ہے۔ ایک دن حق اور باطل کا فیصلہ ضرور ہوگا۔

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ﴿۴﴾ اور بے شک ان کو (سابقین کے) ایسے حالات پہنچ چکے ہیں کہ ان میں عبرت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو بتا رہے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ پہلے انبیاؑ کی بعثت، ان کی امتوں کا انکار، منکرین کی ہلاکت، یہ سب تاریخ کا حصہ ہے جو ان تک پہنچی ہے اور انہوں نے اپنے پہلوں سے، اپنے آباءاجداد سے یہ باتیں سنی ہیں کہ جنہوں نے مانا وہ کس طرح کامیاب رہے اور جنہوں نے نہیں مانا وہ کس طرح تباہ ہوئے۔ اگر یہ خواہشات کی پیروی نہ کرتے تو ان کی ہدایت کے لیے اس میں بہت سا سامانِ عبرت ہے۔ ان کی

ہدایت کے لیے وہ پہلی تاریخ چلی آ رہی ہے وہی کافی تھی۔

دانش مند کون؟

فرمایا: حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۝۵ (اور) اعلیٰ درجہ کی دانشمندی۔ اللہ کریم کے نزدیک دانشمند کون ہے؟ وہ جو حالاتِ دنیا، تاریخِ دنیا سے سبق حاصل کر لیتا ہے۔ اللہ کے کلام اور نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے ارشادات کے مطابق زندگی کو ڈھال لیتا ہے۔ اس دنیا میں خاک پر بیٹھ کر جنت میں اپنا گھر تعمیر کر لیتا ہے۔ وہ بڑا دانا ہے جو یہاں بیٹھ کر، گھر جنت میں بنا رہا ہے۔

دنیا میں تو ہر کوئی محنت کرتا ہے۔ زندگی بھر کی کمائی جمع کر کے مکان بناتا ہے۔ اسے سنوارتا ہے۔ بیٹے جوان ہو جائیں، بہوئیں آ جائیں تو کہتی ہیں، بابا مسجد چلا جا! سارا دن پنکھا چلاتا ہے بابا، اتنا بل آ جاتا ہے مسجد جا کر پنکھا چلا۔ وہی گھر جو بڑی محنت سے بناتے ہیں انہی کمروں میں کوئی گھسنے نہیں دیتا۔ وہی اولاد ہوتی ہے جن کو بولنا سکھاتے ہیں۔ بڑی ہو کر کہتی ہے بابا ایک ہی بات کو کئی کئی بار دہراتا ہے۔ بات کا سلیقہ بھی نہیں آتا۔ دنیا کا تو یہ حال ہے! اس میں کون سی عقلمندی ہے کہ دنیا کے لیے بندہ آخرت کو چھوڑ دے! عقلمند تو وہ ہے جو دنیا میں رہتے ہوئے جنت میں اپنا گھر بناتا ہے!

دانشمندی تو یہ تھی کہ پہلوں کے تذکرے سے عبرت حاصل کرتے لیکن انہیں کوئی نصیحت بھی کام نہیں دیتی۔ انہوں نے تاریخ سے عبرت حاصل کی نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی تشریف آوری پر ایمان قبول کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے مبعوث ہو جانے سے بڑھ کر بڑی دلیل اور کیا تھی لیکن یہ پھر بھی محروم رہے۔ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۝۵ پھر ڈرانا ان کو کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ إِلَىٰ شَيْءٍ نُّكُرٍ ۝۶ تو آپ ان کی کچھ پروا نہ کیجیے۔ جس دن بلانے والا ان کو ایک ناخوش چیز کی طرف بلائے گا۔ فرمایا، جو آپ کی بات نہیں سنتے آپ ان کی پروا نہ کریں۔

ہمیں اپنے رویوں پر غور کرنا ہوگا:

کفار و مشرکین نے نافرمانی کی تو اللہ سے فرما دیا، میرے حبیب! (صلی اللہ علیہ وسلّم) ان سے رخِ انور پھیر لیں۔ حسرت مجھے اپنے آپ پر اور اپنے مسلمان بھائیوں پر ہوتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی نعت بھی پڑھیں تو ڈھول باجے کی تھاپ پر پڑھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے مزامیر کو حرام قرار دیا ہے۔ ہم حرام کو نعت کے ساتھ ملا کر پڑھتے ہیں۔ نعت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی تعریف نہیں ہوتی۔ اپنی خواہشات کے پورا ہونے کی تمنا ہوتی ہے کہ مجھے دنیا کی یہ نعمت مل جائے اور وہ نعمت مل جائے۔ آخرت کی طلب نہیں، ہدایت کی طلب نہیں،

استقامت کی خواہش نہیں بس دنیا کی دولتوں سے میری جھولی بھر جائے!

ایسے جاہلوں کے لیے اللہ کریم اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ارشاد فرما رہے ہیں کہ ان سے اپنا رخِ انور پھیر لیجیے۔ انہیں خواہشات نفس پر بکنے دیجیے۔ میرے خیال میں کفار کی فکر کرنے کی بجائے ہمیں اپنے رویوں پر غور کرنا چاہیے کہ ہماری سوچ وفکر اور کردار و عمل کیسا ہے! کیا اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم متوجہ ہوتے ہیں یا رُخِ انور پھیر لیتے ہیں؟

فرمایا: خُشَّعًا اَبۡصَارُهُمۡ يَخۡرُجُوۡنَ مِنَ الۡاَجۡدَاثِ كَاَنَّهُمۡ جَرَادٌ مُّنۡتَشِرٌ ۙ تو اپنی آنکھیں نیچی کیے ہوئے قبروں سے نکل پڑیں گے۔ گویا بکھری ہوئی ٹڈیاں ہیں۔ یہ آج آپ کے بلانے سے نہیں آرہے لیکن ایک دن انہیں بلانے والا بلائے گا۔ بڑی سخت چیز کی طرف بلائے گا، بڑی خوفناک چیز کی طرف بلائے گا! میدانِ حشر کی طرف۔ جہاں جنت سجی ہوگی۔ جہاں جہنم سامنے لائی جائے گی۔ اور محاسبہ ہوگا۔ آج یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی نہیں سنتے تو اس دن بلانے والے کی ضرور سنیں گے۔ ایک دن انہیں بلایا جائے گا تو یہ قبروں سے انسان بن کر آنکھیں جھکائے ہوئے، لرزتے کانپتے ہوئے اس مشکل مقام، میدان حشر میں آ کھڑے ہوں گے۔ مُّهۡطِعِيۡنَ اِلَى الدَّاعِ ؕ يَقُوۡلُ الۡكٰفِرُوۡنَ هٰذَا يَوۡمٌ عَسِرٌ (القمر:8) بلانے والے کی طرف دوڑے چلے جارہے ہوں گے۔ کافر کہتے ہوں گے یہ دن بڑا سخت ہے۔ اس دن تو بُلانے والے کی اتنی اطاعت کریں گے کہ بھاگتے ہوئے میدانِ حشر میں آرہے ہوں گے۔ اس دن یہ نہیں کہیں گے کہ میں قبر میں ہی ٹھیک ہوں۔ آج یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے بتانے پر یقین نہیں کر رہے۔ اس دن یہی کہہ رہے ہوں گے، قیامت تو واقعی قائم ہوگئی۔ مشکل وقت تو آ گیا!

ارشاد ہوتا ہے، اے میرے حبیب! (صلی اللہ علیہ وسلّم) یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ پہلے انبیاؑ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔ وہ اللہ کی طرف بلاتے رہے، منکرین تکذیب کرتے رہے۔ كَذَّبَتۡ قَبۡلَهُمۡ قَوۡمُ نُوۡحٍ فَكَذَّبُوۡا عَبۡدَنَا وَقَالُوۡا مَجۡنُوۡنٌ وَّازۡدُجِرَ (القمر:9) ان سے پہلے قومِ نوح نے تکذیب کی پھر ہمارے بندۂ خاص (نوح علیہ السلام) کو جھٹلایا اور کہا یہ دیوانہ ہے اور انہیں دھمکی دی۔

نوح علیہ السلام نو سو پچاس برس تبلیغ فرماتے رہے اور قوم ساڑھے نو سو سال ہی انکار کرتی رہی۔ آپؑ سے جھگڑتی رہی۔ آپؑ کو ایذائیں پہنچاتی رہی، طعن کرتی رہی اور مان کر نہ دیا۔ کبھی آپؑ کو پاگل کہتے کہ یہ کیسی عجیب باتیں کرتے ہیں۔ کہتے ہیں ہم مر کر جب خاک ہو جائیں گے تو پھر زندہ کر دیے جائیں گے۔ مردہ زندہ ہو کر باتیں کریں گے۔ ان سے حساب کتاب ہوگا، انہیں عذاب وثواب ملے گا! یہ ایسی باتیں کہتے ہیں جو کسی نے دیکھی نہ سنیں۔ آپؑ کو ایذا دے کر کہیں پھینک جاتے۔ کبھی دھمکیاں دیتے کہ سنگسار کر دیں گے، جلا دیں گے۔ بالآخر نوح علیہ السلام نے

اپنے پروردگار کو پکارا: فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ﴿۱۰﴾ تو انہوں نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ میں کمزور ہوں سو آپ (ان سے) انتقام لیں۔ آپؑ نے عرض کی، اے اللہ! ساڑھے نوسو سال بیت گئے۔ میری ہمت جواب دے گئی ہے اب آپ میری مدد فرمایئے اور ان کا محاسبہ فرمایئے کہ یہ میرے بس سے باہر چکے ہیں۔

فَفَتَحْنَاۤ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ﴿۱۱﴾ پس ہم نے کثرت سے برسنے والے پانی سے آسمان کے دہانے کھول دیے۔ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُیُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰۤى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ﴿۱۲﴾ اور زمین سے چشمے جاری کر دیے تو پانی ایک کام کے لیے جو تجویز ہو چکا تھا جمع ہو گیا۔

ہم نے ایسے بارش برسائی جیسے آسمانوں کے دروازے ہی کھول دیے ہوں۔ اوپر بلندیوں سے پانی برسایا اور زمین نے بھی اپنا پانی چھوڑ دیا اور جو فیصلہ ہو چکا تھا اس پر عملدرآمد کر دیا گیا۔ یہ سوال کیا جاتا ہے کہ یہ سیلاب اور طوفان ساری روئے زمین پر آیا یا زمین کے کچھ حصے پر آیا۔ قرآنِ حکیم میں یہی آیا ہے کہ جہاں تک انسانی آبادیاں تھیں وہاں تک ہر چیز غرق ہو گئی۔ انسان کا کردار ہی کائنات کو متاثر کرتا ہے۔ انسان ہی کے لیے کائنات کی ہر نعمت مسخر کی گئی ہے۔ جب گھر کا مالک گھر سمیت غرق ہوتا ہے تو گھر کی چیزیں بھی غرق ہو جاتی ہیں۔ یہی ہوا۔ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ﴿۱۳﴾ (ہم نے نوح علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں) کو اس (کشتی) پر جو تختوں اور میخوں سے بنی تھی سوار کرا دیا۔ تَجْرِیْ بِاَعْیُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ﴿۱۴﴾ جو ہماری نگرانی میں رواں تھی۔ یہ سب اس شخص کا انتقام لینے کے لیے کیا گیا جس کو کافر مانتے نہ تھے۔

اتنا بڑا اور تیز طوفان تھا کہ بڑے بڑے پہاڑ اس میں غرق ہو گئے۔ ایک ایک لہر پہاڑوں سے بڑی اٹھتی تھی۔ بڑے بڑے جہاز بھی ہوتے تو تباہ ہو جاتے لیکن وہ اگرچہ ایک بہت بڑی کشتی تھی لیکن چند تختے تھے جو میخوں سے جوڑ دیے گئے تھے۔ اسے ہم نے غرق نہیں ہونے دیا۔ یہ ہماری زیرِ نگرانی پانی میں تیر رہی تھی۔ اسے ہماری حفاظت اور نگہداشت حاصل تھی۔ اس کا طوفان نے کچھ نہ بگاڑا۔ اور جنہوں نے کفر کیا ان کو اس کا بدلہ مل گیا۔ انہوں نے اپنا انجام دیکھ لیا۔ وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَاۤ اٰیَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۵﴾ اور ہم نے اس (واقعہ) کو عبرت بنا دیا تو کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے۔ فَكَیْفَ كَانَ عَذَابِیْ وَنُذُرِ ﴿۱۶﴾ تو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا ہوا؟

نوح علیہ السلام کی قوم، متمول، دانشور، عالم و فاضل اور علوم دنیا کے ماہر لوگ تھے انہوں نے ایسی مادّی ترقی کی تھی جس کی مثال ملنا محال ہے۔ وہ ایک خاص محلول بناتے تھے اسے ایک خاص قسم کے پتھر پر ڈالتے تو وہ موم کی طرح نرم ہو جاتا۔ اس سے مختلف شکلیں بناتے۔ ان میں خاصیت پیدا ہو جاتی کہ وہ دن کو سورج کی روشنی جذب کر لیتیں اور جب سورج غروب ہو جاتا تو روشنی دینے لگتیں۔ ان کو وہ اپنی گلیوں، بازاروں، راستوں پر رکھ دیتے اور

راستے روشن ہو جاتے۔ ہر طرف ایسی روشنی ہو جاتی جیسے چاند نکلا ہوا ہو۔ ان کی یہ مادی ترقی ان کے کام نہ آسکی۔ ہم نے ان کا وہ حال کیا کہ پچھلوں کے لیے عبرت کا سامان بن گئے۔ تو کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟ اور سمجھ لے کہ جب ہمارا عذاب آتا ہے تو کیسے آتا ہے۔

جن باتوں سے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ڈراتے ہیں وہ کس قدر سچی ہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے۔ فرمایا: وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۷﴾ اور بلاشبہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟

قرآن حکیم، اللہ کا ذاتی کلام ہے۔ سب سے اعلیٰ کلام ہے۔ ادب میں اس کا ارفع مقام ہے۔ لغت میں، صرف ونحو میں، علمِ کلام میں غرض ہر انداز اور ہر پہلو سے یہ سب سے اعلیٰ کتاب ہے۔ کوئی کتاب جتنی اعلیٰ ہوتی ہے، اتنا اس کا سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اسے اہلِ علم اور فاضل لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ قرآن کے بارے اللہ کریم فرماتے ہیں ہم نے اسے سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے بشرطیکہ خلوصِ دل سے نصیحت حاصل کرنا چاہے۔ جو محض دکھاوے کے لیے پڑھے یا خواہشات کی تکمیل کے لیے محض اس سے وظائف ہی پڑھتا رہے تو یہ عجیب بات ہے!

قرآنِ کریم کا سارا زور یہ ہے کہ خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ اللہ کی اطاعت کرو! ہم نے آج قرآن کو خواہشات پوری کرنے کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔ فلاں وظیفہ پڑھو فلاں خواہش پوری ہو گی فلاں پڑھو فلاں حاجت پوری ہو گی۔ ایسے لوگوں کو قرآن کیا سمجھ آئے گا! قرآن تو ان لوگوں کے لیے آسان ہے جو سمجھنے کے لیے اسے پڑھتے ہیں۔ ان کے سینے قرآن سمجھنے کے لیے اللہ کھول دیتے ہیں۔ شرح صدر نصیب ہو جاتا ہے۔

فرمایا: كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۱۸﴾ عاد نے بھی تکذیب کی تھی سو (دیکھو) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا۔ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿۱۹﴾ بے شک ہم نے ان پر ایک تیز ہوا بھیجی ایک دوامی نحوست کے دن میں۔ تَنْزِعُ النَّاسَ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿۲۰﴾ لوگوں کو اس طرح اکھاڑ اکھاڑ کر پھینکتی تھی گویا کہ وہ اکھڑی ہوئی کھجوروں کے تنے ہیں۔ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۲۱﴾ سو (دیکھو) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا؟

اسی طرح قومِ عاد نے بھی انکار کیا تھا دیکھو لو پھر کس طرح عذاب آیا۔ اور ہماری وہ باتیں جو انہیں عذاب سے ڈراتی تھیں اور نبیؑ کے وہ ارشادات جو انہیں اللہ کی گرفت سے ڈراتے تھے کس طرح سچ ثابت ہوئے۔ ہم نے ان پر ہوا کو مسلط کر دیا۔ تیز آندھیاں چلیں۔ ان کے کردار کے باعث ان کے لیے وہ دن منحوس ثابت ہوئے۔ دنوں اور راتوں میں کوئی نحوست نہیں۔ کسی قوم، کسی فرد اور کسی معاشرے کا کردار ان کے لیے اس دن کو منحوس کر دیتا ہے۔

ورنہ سارے دن اللہ کے ہیں۔ کسی دن میں فی نفسہٖ نحوست نہیں۔

وہ طاقتور مضبوط اور قد آور لوگ اس طرح پٹخے گئے گویا کھجور کے درخت کاٹ کر پھینکے گئے ہوں۔ اللہ کریم کی ہر تخلیق اللہ کی فرماں بردار ہے اور اللہ اپنی تخلیق سے جب چاہے جو چاہے کام لیتا ہے۔ پانی زندگی کا بنیادی سبب ہے لیکن اسے قومِ نوح کے لیے تباہی اور موت کا سبب بنا دیا۔ ہوا اس سے بھی زیادہ ضروری شے ہے عاد کے لیے ہوا ہی موت کا سبب بن گئی۔

قرآنِ حکیم، کلامِ الٰہی ہے۔ تاریخ کی کتاب نہیں۔ اللہ کریم نے اپنے ذاتی کلام سے لوگوں کے لیے ہدایت کو آسان بنا رکھا ہے۔ یہ ساری تاریخی مثالیں دے کر یہی سمجھانا مقصود ہے کہ اللہ کی نافرمانی سے بچو اور راہ ہدایت پر چلو۔ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٢٢﴾ اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے۔ قرآن کو ہم نے نصیحت حاصل کرنے کے لیے سہل بنا دیا ہے۔ یہ ہر شخص کو سمجھ آ جاتا ہے۔ عالم کو اپنی حیثیت کے مطابق۔ عام آدمی کو اپنی استعداد کے مطابق لیکن شرط یہ ہے کہ وہ نصیحت حاصل کرنے کی نیت سے قرآن کھولے!

سارے قرآن کا حاصل یہ ہے کہ اپنی خواہشات چھوڑ کر اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں اور ہم قرآن سے صرف وظیفے تلاش کرتے ہیں۔ محض خواہشات کی تکمیل کے لیے قرآن کھولتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو قرآن کی سمجھ نہیں آتی۔ سمجھ انہیں آتی ہے جو قرآن سے نصیحت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

سورۃ القمر رکوع 2 آیات 23 تا 40

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ﴿۲۳﴾ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ
ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿۲۴﴾ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ﴿۲۵﴾
سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ﴿۲۶﴾ اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ
فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿۲۷﴾ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ
مُّحْتَضَرٌ ﴿۲۸﴾ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ﴿۲۹﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ
وَنُذُرِ ﴿۳۰﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿۳۱﴾
وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۳۲﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ
لُوْطٍۢ بِالنُّذُرِ ﴿۳۳﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ۭ نَجَّيْنٰهُمْ
بِسَحَرٍ ﴿۳۴﴾ نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ ﴿۳۵﴾ وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ
بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿۳۶﴾ وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ
فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۳۷﴾ وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴿۳۸﴾ فَذُوْقُوْا
عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۳۹﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۴۰﴾

ثمود نے بھی ڈرانے والوں (یعنی پیغمبروں) کی تکذیب کی ﴿۲۳﴾ پھر کہا کہ کیا ہم
ایک آدمی کو جو ہم ہی میں سے ایک ہے، کی پیروی کریں تو یقیناً ہم گمراہی اور دیوانگی
میں پڑ گئے ﴿۲۴﴾ کیا ہم سب میں سے اس پر وحی نازل ہوئی ہے بلکہ یہ جھوٹا، خود
پسند ہے ﴿۲۵﴾ عنقریب ان کو کل معلوم ہو جائے گا کہ جھوٹا (اور) خود پسند کون

تھا ﴿۲۶﴾ (اے صالح علیہ السلام!) ہم ان کی آزمائش کے لیے اونٹنی بھیجنے والے ہیں تو آپ ان کو دیکھتے رہیں اور صبر کریں ﴿۲۷﴾ اور ان کو بتا دیں کہ ان میں پانی بانٹ دیا گیا ہے ہر ایک باری پر (باری والا) حاضر ہوگا ﴿۲۸﴾ سو انہوں نے اپنے رفیق کو بلایا تو اس نے (اونٹنی پر) وار کیا پھر اس کی کونچیں کاٹ دیں ﴿۲۹﴾ سو (دیکھو) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا ﴿۳۰﴾ ہم نے ان پر ایک چیخ بھیجی تو وہ ایسے ہو گئے جیسے باڑ (لگانے والے کی باڑ) کا چورا ﴿۳۱﴾ اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟ ﴿۳۲﴾ قومِ لُوطؑ نے بھی ڈرانے والوں (پیغمبروں) کی تکذیب کی ﴿۳۳﴾ (تو) ہم نے ان پر کنکروں بھری ہوا چلا دی سوائے لوط (علیہ السلام) کے ماننے والوں کے کہ ہم نے ان کو پچھلی رات سے ہی بچا لیا ﴿۳۴﴾ اپنی طرف سے فضل کر کے۔ جو شکر کرے ہم اس کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں ﴿۳۵﴾ اور یقیناً انہوں (لُوط علیہ السلام) نے ان کو ہماری پکڑ سے (پہلے) ڈرایا بھی تھا پھر انہوں نے ڈرانے میں شک کیا ﴿۳۶﴾ اور بے شک انہوں نے ان کے مہمانوں کو لے لینا چاہا تو ہم نے ان کی آنکھیں مٹا دیں سو میرے عذاب اور ڈرانے کا مزہ چکھو ﴿۳۷﴾ اور پھر صبح سویرے ان پر اٹل عذاب آ پہنچا لو! میرے عذاب اور ڈرانے کا مزہ چکھو ﴿۳۹﴾ اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے سو ہے کوئی جو نصیحت حاصل کرے؟ ﴿۴۰﴾

تفسیر و معارف

انبیاءؑ کی تکذیب کرنے والوں کے انجامِ بد سے آگاہ کرتے ہوئے اب ثمود کی قوم کا ذکر ہو رہا ہے فرمایا: كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ﴿۲۳﴾ ثمود نے بھی ڈرانے والوں (یعنی پیغمبروں) کی تکذیب کی۔ نذیر کا اردو ترجمہ ڈر سنانے والا لکھا جاتا ہے کیونکہ اردو کا دامن عربی الفاظ کے مفہوم کو مکمل طور پر ادا نہیں کرتا۔ اردو زبان، عربی کی وسعت کو نہیں سما سکتی اس لیے عربی لفظ کا متبادل لفظ اردو میں نہیں ملتا۔ انذار یہ ہے کہ کسی غلطی کے برے نتیجے سے بروقت آگاہ کر دیا جائے۔ اس کے واقعہ ہونے سے پہلے بتا دیا جائے کہ یہاں خطرہ ہے۔ تمام انبیاءؑ کو اللہ کریم نے نذیر فرمایا ہے۔ خود

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآنِ حکیم میں بشیراونذیرا یعنی بشارت دینے والے اور ڈر سنانے والے فرمایا گیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہم جو غلط کام کرتے ہیں، انجام کار اس کا جو نتیجہ آئے گا، اس کی اطلاع پہلے ہی دے دینا، تنبیہہ کر دینا، خبردار کرنا۔

ثمود نے بھی انبیاؑ کا انکار کیا۔ فَقَالُوٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿۲۴﴾ پھر کہا کہ کیا ہم ایک آدمی کو جو ہم ہی میں سے ایک ہے، کی پیروی کریں تو یقیناً ہم گمراہی اور دیوانگی میں پڑ گئے۔ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ﴿۲۵﴾ کیا ہم سب میں سے اس پر وحی نازل ہوئی ہے بلکہ یہ جھوٹا، خود پسند ہے۔

ثمود نے انبیاؑ کی شان میں گستاخی کی۔ انہیں غلط القاب سے پکارا۔ ان کی تضحیک کی۔ اور وہی بودے اعتراض کیے جو ان سے پہلے کفار کا شیوہ رہا ہے۔ ہر متکبر اور خود پسند حق کا انکار ہی کرتا ہے سو انہوں نے بھی کیا کہ یہ نبیؑ کیسے ہوسکتا ہے، یہ تو انسان ہے۔ سوتا جاگتا، چلتا پھرتا ہے۔ ہمارے جیسا بشر ہے۔ پھر یہ اکیلا ہے۔ اس کے ساتھ کوئی جمعیت نہیں۔ مالی طور پر بھی ہمارے مقابلے کا نہیں۔ اس میں ایسی کون سی انوکھی بات ہے کہ ہم اس کے پیچھے لگیں؟ ہم سارے اسی علاقے کے رہنے والے ہیں، اسی قوم کے افراد ہیں۔ ہم سب کو چھوڑ کر اسی پر وحی نازل ہوگئی، ہم پر کیوں نہیں ہوئی؟ اگر اس پر وحی آئی تو ہم بھی یہیں تھے، ہمیں کیوں سنائی نہیں دی؟ ہماری رائے میں یہ شخص جھوٹ بول رہا ہے۔ اگر ہم ایسے آدمی کی بات مان لیں تو یہ پاگل پن اور دیوانگی ہوگی!

ارشاد ہوتا ہے: سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ﴿۲۶﴾ عنقریب ان کو کل معلوم ہو جائے گا کہ جھوٹا (اور) خود پسند کون تھا۔ آج دارِ دنیا ہے کل دارِ آخرت ہوگا۔ آج نیکی اور بدی کی راہنمائی کر دی گئی ہے۔ آج مہلتِ عمل ہے۔ راہ انتخاب کھلی ہے۔ جب یہ عرصہ فرصت ختم ہوگا، دنیوی زندگی ختم ہوگی تو کل انہیں پتا چل جائے گا کہ کون جھوٹا، برا اور غلطی پر تھا۔

صالح علیہ السلام سے انہوں نے معجزہ مانگا۔ اللہ کریم نے آپؑ کو بتا دیا کہ ہم ان کے مطالبے پر اونٹنی تو پیدا کر رہے ہیں لیکن وہ ان کے لیے آزمائش کا سبب بن جائے گی۔ آپؑ کی قوم نے مطالبہ کیا کہ ایک بہت بڑی چٹان سے اونٹنی نکلے۔ وہ گابھن ہو۔ بچہ دے تب ہم مانیں گے! اپنی طرف سے جو ناممکن محسوس کیا اس کا مطالبہ کر دیا۔ خالقِ حقیقی، قادرِ مطلق کی عظمت کو نہ پہچانا۔ اپنے نبی صالح علیہ السلام کو مان لیتے تب ہی عظمتِ باری دل پر وارد ہوتی لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا۔ اللہ کریم نے اپنے نبیؑ کو بتا دیا کہ ہم اونٹنی پیدا کر دیں گے وہ بچہ بھی دے گی لیکن ان کا امتحان بن جائے گی۔ فرمایا: اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿۲۷﴾ (اے صالح علیہ السلام!) ہم ان کی آزمائش کے لیے اونٹنی بھیجنے والے ہیں تو آپ ان کو دیکھتے رہیں اور صبر کریں۔ آپ حوصلے سے انتظار کیجیے کہ انجام کار کیا ہوتا ہے! وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿۲۸﴾ ان کو بتا دیں کہ ان میں پانی بانٹ

دیا گیا ہے ہر ایک باری پر (باری والا) حاضر ہوگا۔ اس قوم کے پاس پانی کا ایک چشمہ تھا جہاں ساری رات، سارا دن پانی جمع ہوتا رہتا تھا۔ انہیں بتا دیجیے کہ یہ اونٹنی ڈیل ڈول میں بڑی ہے۔ ایک دن یہ چشمے سے سیراب ہوگی۔ اس دن اس کی باری ہوگی۔ دوسرے دن تم اور تمہارے مویشیوں کے ریوڑ پانی استعمال کریں گے۔ اور تم اسی دن اپنے لیے ضرورت کے لیے برتن بھر لینا۔ انہیں یہ بات ناگوار گزری کہ یہ کیا بات ہوئی؟ انہوں نے اپنے ایک ساتھی کو آواز دی جواں میں بڑا مضبوط تھا، جسے وہ مضبوط سمجھتے تھے۔ وہ آیا۔ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَىٰ فَعَقَرَ ﴿۲۹﴾

سوانہوں نے اپنے رفیق کو بلایا تو اس نے (اونٹنی پر) وار کیا پھر اس کی کونچیں کاٹ دیں وہ پتلی ٹانگیں جو اونٹنی کے گھٹنے سے نیچے ہوتی ہیں اور پاؤں سے اوپر جہاں صرف ہڈی ہوتی ہے اسے کونچ کہتے ہیں۔ یہ اونٹنی معجزاتی تھی۔ غیر معمولی بڑی تھی۔ اسے گرانا، پکڑنا، ذبح کرنا آسان نہیں تھا تو اس شخص نے تلوار سے اس کی کونچیں کاٹ دیں۔ وہ گر گئی تو مار دیا۔

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿۳۰﴾ سو (دیکھو) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا۔ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿۳۱﴾ ہم نے ان پر ایک چیخ بھیجی تو وہ ایسے ہو گئے جیسے باڑ (لگانے والے کی باڑ) کا چورا۔ انہوں نے اونٹنی کو مار دیا لیکن آپ نے دیکھ لیا کہ اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ ان پر کس طرح عذاب آیا۔

اعجازِ قرآن:

قرآنِ حکیم نے نوح علیہ السلام کی قوم، لوط علیہ السلام کی قوم، ھود علیہ السلام کی قوم، صالح علیہ السلام کی قوم اور بنی اسرائیل کے متکبر ترین حکمران فرعون کے انجام بد کے واقعات کو بار بار دہرایا ہے۔ حالانکہ قرآن حکیم کا اعجاز یہ ہے کہ یہ مختصر ترین کتاب ہے جو قیامت تک کے ہر مسئلے کا جواب اور حل دیتی ہے۔ اس میں کوئی غیر ضروری یا زائد از ضرورت بات نہیں ہوتی۔ اس اعجاز کے باوجود اللہ کریم نے کتابِ الٰہی میں ان قوموں کے حالات اور واقعات جا بجا دہرائے ہیں؟

انسانی مزاج ایسا ہے کہ بار بار بتانے کے باوجود کم لوگ ہی یاد رکھتے ہیں۔ اکثر نفس کی غلامی میں غرق رہتے ہیں۔ کہتے ہیں "مریں گے تو دیکھ لیں گے۔" یہ بار بار کا دہرانا تاکید کے لیے ہے۔ اللہ کریم نے اعمال کے نتائج کو بار بار دہرایا ہے۔ نیکی کے انجامِ خیر اور برائی کے انجامِ بد کا بار بار تذکرہ فرمایا ہے۔ نظامِ دنیا کے دلائل دیے ہیں کہ جس طرح دنیا میں ہر عمل کا ایک نتیجہ برآمد ہوتا ہے اسی طرح آخرت میں کردار کا نتیجہ بھی آئے گا! یہ تو اللہ کی رحمت ہے کہ دارِ دنیا میں ہی بتا رہے ہیں۔ کفار تو اپنے انجام کو پہنچ گئے یہ تاکید ہمیں ہے کہ ان قوموں کی نافرمانی کے احوال جانو اور یقین کر لو کہ اللہ کے عذابوں سے بچنے کا راستہ قرآن پر ایمان لانا ہے، قرآن پر عمل کرنا ہے!

صالح علیہ السلام کو ہم نے بتا دیا اور آپؑ نے قوم کو بتا دیا کہ تم نے اللہ کی نشانی، اس اونٹنی کو مار ڈالا ہے۔ اب

تمہارے پاس تین دن ہیں۔ تمہارے چہروں کے رنگ بدلتے جائیں گے۔ چوتھے دن تم تباہ ہو جاؤ گے۔ صالح علیہ السلام کو حکم ہوا کہ آپ اپنے متبعین، یعنی ایمان دار لوگوں کو ساتھ لے کر نکل جائیں۔ آپؑ نے حکم کی تعمیل کی۔ ان منکرین نے عذاب کی وعید سن کر بھی آپؑ کا مذاق اڑایا کہ دیکھیں گے کیا ہوتا ہے! آپؑ کے جانے کے بعد ان پر عذاب آن پڑا۔ اسی طرح اُن کے رنگ بدلے۔ چوتھے دن تباہ ہو گئے۔ ہم نے ان پر صرف ایک آواز بھیج دی۔ وہ آواز اتنی سخت اور تیز تھی کہ ان کے دل پھٹ گئے، جسم کے پرخچے اڑ گئے۔ مکان گر گئے۔ شہر تباہ ہو گئے۔ اور وہ لوگ ایسے مرے پڑے تھے جیسے زمیندار کی پرانی خشک باڑھ ہو کہ ٹوٹ پھوٹ کر گری پڑی ہو۔

قرآن سمجھنے کے لیے آسان:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۳۲﴾ اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟

قرآنِ حکیم نے سارا زور اس بات پر دیا ہے کہ اپنی عقل، اپنے شعور، اپنی خواہشات اور اپنے تجربات سے فیصلے نہ کرو۔ جو دل چاہے اس کے لیے جواز پیدا نہ کرو۔ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اطاعت کرو۔

کفار تو انکار کر کے محروم ٹھہرے۔ ہم جو مسلمانی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ہماری بدنصیبی بھی یہی ہے کہ ہم قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کی بجائے قرآن سے ذاتی خواہشات کی تکمیل چاہتے ہیں۔ قرآن بتاتا ہے کہ اللہ کے احکام من وعن قبول کرو۔ قرآن کی پیروی کرو۔ ہم کہتے ہیں، قرآن ہماری خواہشات پوری کرے۔ ہم نے قرآن پر عمل کرنے کی بجائے اسے وظائف کی کتاب ہی بنا لیا ہے۔ بس قرآن سے اتنا ہی کام ہے کہ فلاں سورت پڑھو تو فلاں کام ہو جائے گا۔ قرآن نے جو ضابطہ دیا ہے۔ امورِ دنیا انجام دینے کا جو قاعدہ سکھایا ہے اس سے پہلو تہی کرتے ہیں۔ عملاً قرآن ہماری عملی زندگی میں نہیں محض خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ سمجھ رکھا ہے!

عذابِ الٰہی محیط ہے۔ بچنے کے لیے۔۔۔:

اللہ کریم معذب قوموں کے حالات ہمیں اس لیے بتاتے ہیں کہ ہم باور کر لیں کہ تمام نافرمانوں پر عذاب آ کر رہا صرف وہ لوگ بچے جن کے ہاتھ میں لوط علیہ السلام کا دامن تھا۔ ہمیں بتایا جا رہا ہے کہ عذابِ الٰہی محیط ہے جب آتا ہے تو چھا جاتا ہے۔ بچنے کے لیے ہاتھ میں دامانِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونا چاہیے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۢ بِالنُّذُرِ ﴿۳۳﴾ قوم لوط نے بھی ڈرانے والوں (پیغمبروں) کی تکذیب کی۔ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ۭ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ﴿۳۴﴾ (تو) ہم نے ان پر کنکروں بھری ہوا چلا دی سوائے لوط (علیہ السلام) کے ماننے والوں کے ہم نے ان کو پچھلی رات سے ہی بچا لیا۔

جب لوط علیہ السلام کی قوم نے انکار کیا تو ہم نے ہواؤں کو جو عام حالات میں بارانِ رحمت لاتی ہیں، بادل بارش لاتی ہے، زندگی کی نوید لاتی ہے، حکم دیا کہ ان پر پتھر برساؤ۔ ان پر ایسی ہوائیں مسلط کر دیں جنھوں نے پتھر برسائے اور سب پر عذاب آیا سوائے آلِ لوط کے۔ یعنی لوط علیہ السلام کے پیروکاروں کے۔ لوط علیہ السلام کو حکم دے دیا کہ جب رات ختم ہونے کے قریب ہو، صبح طلوع ہونے، قریب ہو تو آپ اپنے متبعین کو لے کر یہاں سے نکل جائیں۔ جب آپؑ اور ساتھی نکل گئے تو پیچھے ایسی ہوا چلی جس نے پتھر برسائے، ہر چیز کو تہس نہس کر دیا۔ پھر زمین کو اکھیڑ کر اوپر آسمانوں تک لے گئے وہاں سے الٹ دیا۔

نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِىْ مَنْ شَكَرَ ﴿٣٥﴾ اپنی طرف سے فضل کر کے۔ جو شکر کرے ہم اس کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔ آلِ لوط نے اطاعت کی، فرمانبرداری کی تو اللہ نے اپنا احسان فرمایا اور انہیں عذاب سے محفوظ رکھا۔ جو ہماری نعمتوں پر ہمارا احسان مانتے ہیں ان کو ہم ایسے ہی انعامات دیتے ہیں۔ یہاں بھی شکر کو اطاعت کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے کہ اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنے والے ہی شکر گزار ہیں۔ اطاعت کرنا ہی شکر ہے۔ اور عنداللہ شکر کرنے والے وہی تھے جو لوط علیہ السلام کا اتباع کرتے تھے۔ واضح کر دیا کہ ہم نے پوری قوم، ساری آبادیوں، اس خطہء زمین کو تباہ و برباد کر دیا۔ ہوا جو زندگی کا سبب تھی وہ موت کا سبب بن گئی لیکن وہ لوگ جو لوط علیہ السلام کا دامن تھامے ہوئے تھے انہیں ہم نے بچا لیا اور ان پر انعام کیا۔ ہم ہر اس بندے کو جو شکر کرے ایسا ہی انعام دیا کرتے ہیں۔ یہاں شکر کے معنی کی تعیین خود قرآن نے کر دی۔ شکر کیا ہے؟ اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دامن تھام لینا۔ اللہ کے نبیؐ کے بتائے ہوئے طریقے پر چلنا۔ اللہ کے رسولؐ کی اطاعت کرنا۔ یعنی خلوصِ دل سے اطاعتِ الٰہی اور اتباعِ رسولؐ کرنا ہی شکر ہے۔

وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿٣٦﴾ اور یقیناً انہوں (لوط علیہ السلام) نے ان کو ہماری پکڑ سے (پہلے) ڈرایا بھی تھا پھر انہوں نے ڈرانے میں شک کیا۔ لوط علیہ السلام نے انہیں ہماری گرفت سے ڈرایا تھا۔ ہر وقت بتاتے رہتے تھے کہ تم جو کر رہے ہو اس کا نتیجہ بہت خراب ہے۔ زہر کھا رہے ہو، یقیناً مرو گے، مت کھاؤ، جو کام تم کر رہے ہو یہ زہر ہے، اگر تم باز نہ آئے تو اس زہر کے اثر سے بچ نہ سکو گے۔ لیکن انہوں نے لوط علیہ السلام کی باتوں میں شک کیا کہ یہ تو محض اپنی سرداری بنانا چاہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ باپ دادا کا مذہب چھوڑ کر میری پیروی کرو۔ اگر ہم ان کی بات مان لیں تو پھر یہ بڑے بن جائیں گے، قوم کے سردار یہ ہوں گے اور ہم ان کے پیروکار ہوں گے۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے!

وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِىْ وَنُذُرِ ﴿٣٧﴾ اور بے شک انہوں نے ان کے مہمانوں کو لے لینا چاہا تو ہم نے ان کی آنکھیں مٹا دیں سو میرے عذاب اور ڈرانے کا مزہ چکھو۔

لوط علیہ السلام نے قوم کو بہت سمجھایا لیکن جیسے ہی اللہ کے فرشتے لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے جو نوعمر لڑکوں کی شکل میں تھے تو آپؑ کی قوم ان جھپٹ پڑی کہ انہیں ہمارے حوالے کردیں۔ اورانہیں پکڑنے کودوڑے تو اللہ نے ان کی بینائی چھین لی۔ آنکھیں مسخ کردیں۔ ایسے کردیا گویا ان کے چہرے پر آنکھ تھی ہی نہیں۔ پھر بھی توبہ نہیں کی۔ پھر بھی ہوش میں نہ آئے اور نہ ہی باز آئے تو فرمایا، اب عذاب کا مزا چکھو۔ اب تمہیں پتا چل جائے گا کہ اللہ کے نبیؑ کا ڈرانا حق تھا۔

وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴿۳۸﴾ اور (پھر) صبح سویرے ان پر اٹل عذاب آ پہنچا۔

فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۳۹﴾ لو! میرے عذاب اورڈرانے کا مزہ چکھو۔

انسان دن بھر کے تھکے ہارے رات کو تھکن سے چور جسم لے کر بستر پر پڑے رہتے ہیں تا کہ صبح تازہ دم ہو کرنئی زندگی، نیا جذبہ لے کر اٹھیں۔ ان کی وہ صبح، تازہ دم ہو کر اٹھنے کے بجائے اللہ کے عذاب میں آئی۔ صبح سویرے جب فجر طلوع ہورہی تھی ان پر عذاب مسلط ہوگیا۔ ایسا عذاب آن پہنچا جو آنے کے بعد ٹل نہیں سکتا تھا۔ اللہ کے نبیؑ نے بروقت متنبہ کیا تھا لیکن یہ باز نہ آئے تو آج عذاب بھگتیں اور دیکھ لیں کہ نبیؑ کی صداقت کے کیا معنی ہوتے ہیں!

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۴۰﴾ اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کردیا ہے سو ہے کوئی جو نصیحت حاصل کرے؟

یہاں جتنی بار نافرمان اور منکرین کا ذکر آیا کم وبیش اس کے آخر میں قرآن کے کتابِ ہدایت ہونے کا ذکر بھی آیا۔ قرآن چونکہ کتابِ ہدایت ہے اس لیے ان قوموں کے کردار کی وضاحت کے ساتھ ان کے انجام سے باخبر کرتا ہے تاکہ لوگوں کو سمجھ آجائے کہ ہر طرح کے عذابوں سے بچنے کی جائے پناہ صرف قرآن کے دامن میں ہے۔ یہاں ارشاد ہوا کہ ہم نے قرآن کو آسان کردیا ہے، ان لوگوں کے لیے جو خلوصِ دل سے اس سے راہنمائی حاصل کرنا چاہیں۔ یہ ان کے لیے آسان ہے جو اس سے ہدایت حاصل کرنا چاہتے ہیں ورنہ یہ مشکل ہے۔ اسی لیے جو ہدایت کے لیے نہیں پڑھتے انہیں اس سے اعتراض ہی حاصل ہوتے ہیں۔

قرآن دنیا کی واحد کتاب ہے جس کی کوئی ثانی کتاب نہیں! جس جیسی کوئی کتاب نہیں۔ یہ بہت وسیع المعانی اور انتہائی جامع کتاب ہے۔ کتاب جتنی بڑی ہو اتنی مشکل ہوتی ہے۔ اساتذہ سے سمجھنی پڑتی ہے، سیکھنی پڑتی ہے لیکن یہ جتنی بڑی کتاب ہے اتنی ہی آسان ہے۔ لیکن آسان صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو نصیحت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ جو خلوصِ دل سے اسے پڑھتے ہیں کہ اس سے نصیحت حاصل ہو۔ فرمایا، تو ہے کوئی جو اس سے نصیحت حاصل کرے!

سورۃ القمر رکوع 3 آیات 41 تا 55

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿۴۱﴾ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ
عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۴۲﴾ اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿۴۳﴾
اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿۴۴﴾ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾ بَلِ
السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ﴿۴۶﴾ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ
وَّسُعُرٍ ﴿۴۷﴾ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ؕ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ﴿۴۸﴾
اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿۴۹﴾ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴿۵۰﴾
وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۵۱﴾ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي
الزُّبُرِ ﴿۵۲﴾ وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿۵۳﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ﴿۵۴﴾
فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۵۵﴾

اور فرعون والوں کے پاس بھی ڈر سنانے والے آئے ﴿۴۱﴾ انہوں نے ہماری تمام
نشانیوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو ایسا پکڑا جیسا ایک غالب قدرت والا پکڑتا
ہے ﴿۴۲﴾ کیا تمہارے کافر ان سب سے بہتر ہیں یا تمہارے لیے آسمانی
کتابوں میں کوئی معافی ہے؟ ﴿۴۳﴾ یا یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری ایسی جماعت
ہے کہ غالب ہی رہے گی ﴿۴۴﴾ عنقریب ان کی جماعت شکست کھائے گی اور وہ
پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے ﴿۴۵﴾ بلکہ قیامت ان کا (اصل) وعدہ ہے اور قیامت
بڑی سخت اور ناگوار چیز ہے ﴿۴۶﴾ بے شک (یہ) مجرمین بڑی غلطی اور بے عقلی
میں ہیں ﴿۴۷﴾ جس روز یہ لوگ اپنے مونہوں کے بل جہنم میں گھسیٹے جائیں گے

(کہا جائے گا) کہ دوزخ (کی آگ) کے لگنے کا مزہ چکھو ﴿۴۸﴾ بے شک ہم نے ہر چیز کو اندازے سے پیدا فرمایا ہے ﴿۴۹﴾ اور ہمارا حکم یکبارگی ایسے ہو جائے گا جیسے آنکھ کا جھپکانا ﴿۵۰﴾ اور ہم تمہارے طریقہ والے لوگوں کو ہلاک کر چکے ہیں سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟ ﴿۵۱﴾ اور جو کچھ یہ لوگ کرتے ہیں صحیفوں (اعمال ناموں) میں (لکھا) ہے ﴿۵۲﴾ اور ہر چھوٹا اور بڑا (کام) لکھ دیا گیا ہے ﴿۵۳﴾ بے شک جو پرہیزگار ہیں وہ باغوں اور نہروں میں ہوں گے ﴿۵۴﴾ ایک عمدہ مقام میں، قدرت والے بادشاہ کے پاس ﴿۵۵﴾

تفسیر و معارف

قرآنِ حکیم ماضی کے سبق آموز واقعات بیان کر کے موجود لوگوں کو تنبیہ کر رہا ہے کہ ایسی ایسی طاقتور قومیں اپنی قوت کے باوجود عذاب کا شکار ہو گئیں تو تم کس طرح بے فکر بیٹھے ہو؟ اسی تسلسل میں اب آلِ فرعون کا ذکر ہے فرمایا: وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿۴۱﴾ اور فرعون والوں کے پاس بھی ڈر سنانے والے آئے۔ بلاشبہ فرعون اور اس کی آل سرکشی میں بہت آگے نکل چکے تھے۔ فرعون اپنی طاقت کے گھمنڈ میں خود کو خدا کہلواتا تھا اور بُت پرستی بھی کرتا تھا۔ وہ لوگ حق سے بہت دور جا چکے تھے لیکن رحمتِ الٰہی نے انہیں بھی محروم نہیں رکھا۔ آخر وہ بھی اللہ کی مخلوق تھے۔ اللہ نے ان کے پاس اپنا نبیؑ بھیجا اپنی کتاب اور معجزات دے کر بھیجا۔ جسؑ نے انہیں خبر دی کہ جو برے کام وہ دنیا میں کر رہے تھے انہیں اس کا نتیجہ آخرت میں بھی دیکھنا ہوگا۔ بُرائی کا نتیجہ صرف آخرت میں نہیں دنیا میں بھی بھگتنا پڑتا ہے کیونکہ دنیا، آخرت کے تابع ہے۔ دنیا عارضی ہے، آخرت دائمی ہے۔ جو اثر دائمی حیات پر مرتب ہوتا ہے وہ دنیوی اور عارضی زندگی کو بھی متاثر کرتا ہے لیکن انسان محسوس نہیں کرتا۔ مختلف توجیہات کرتا رہتا ہے، مختلف بہانے بناتا رہتا ہے حالانکہ مصیبت کا اصل سبب بندے کا کردار ہوتا ہے۔ اللہ کی نافرمانی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جب مصیبت آئے تو اپنے کردار کو دیکھنا چاہیے کہ کہیں یہ ہماری بداعمالی کی سزا تو نہیں!

فرمایا، آلِ فرعون اتنے سرکش ہو چکے تھے پھر بھی ہم نے ان کے پاس اپنا اولوالعزم رسول بھیجا۔ معجزات اور کتابِ الٰہی بھیجی۔ لفظ آل اور لفظ اہلِ بیت کو سمجھ لینا چاہیے۔ اہلِ بیت میں وہ لوگ شامل ہوتے ہیں جن کا خرچ اس گھر کے مالک کے ذمہ ہوتا ہے اور آل کا لفظ ان سب کو محیط ہے جو اس سربراہ، سردار، لیڈر کا اتباع کرتے ہیں۔ یہاں

لفظ آل استعمال ہوا ہے۔ یعنی فرعون کے متبعین!

فرمایا: كَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۴۲﴾ انہوں نے ہماری تمام نشانیوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو ایسا پکڑا جیسا ایک غالب قدرت والا پکڑتا ہے۔ جب انہوں نے انکار کی راہ اپنالی تو ہم نے انہیں ایسے پکڑا کہ یہ نابود ہو گئے۔ ایک ہی لمحے میں غرق دریا ہو گئے۔ ان کی حکومتیں، محلات، خزانے، لاؤ لشکر، سارا جاہ و حشم ایک لمحے میں ان سے چھن گیا اور وہ خود تباہ ہو گئے۔

آلِ فرعون کے عبرتناک انجام کو بیان کرنے کے بعد روئے سخن موجود لوگوں کی طرف ہوا۔ فرمایا: اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿۴۳﴾ کیا تمہارے کافران سب سے بہتر ہیں یا تمہارے لیے آسمانی کتابوں میں کوئی معافی ہے؟

فرمایا، کیا آج کے کافران لوگوں سے زیادہ مضبوط ہیں کہ وہ تو پکڑے گئے اور یہ نہیں پکڑے جائیں گے؟ ان کو کیا غلط فہمی ہے کہ یہ ان قوموں سے زیادہ طاقتور ہیں جن پر تباہی آئی! یا کسی آسمانی کتاب میں یہ لکھ دیا گیا ہے کہ ہر چیز سے بری ہیں جو چاہیں کرتے پھریں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اللہ کی کائنات میں ناانصافی نہیں ہو سکتی۔ کائنات کا ہر ذرّہ اسی کام میں لگا ہوا ہے جو اس کے ذمہ لگایا گیا ہے۔ ہر کام پر اس کے نتائج مرتب ہو رہے ہیں تو انسان جو اعمال کرتا ہے اس کے نتائج کیوں برآمد نہیں ہوں گے؟

انہیں اپنی کثرت پر ناز ہے۔ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿۴۴﴾ یا یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری ایسی جماعت ہے کہ غالب ہی رہے گی۔ یہ لوگ کہتے ہیں ہماری بڑی جمعیت ہے۔ عرب میں ہمارے پاسنگ اور کوئی نہیں۔ ہم کثرت میں ہیں اور غالب ہی رہنے والے ہیں۔ فرمایا: سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾ عنقریب ان کی جماعت شکست کھائے گی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ فرمایا، اللہ کریم کے سامنے تو تمہاری کوئی حیثیت نہیں۔ تمہاری کثرتِ جمعیت کی نہ قوت و طاقت کی کہ تم آخرت کا انکار کرتے ہو۔

اللہ کریم نے یہاں مسلمانوں کو خوشخبری دی کہ یہ جو اپنی تعداد کی کثرت پر گھمنڈ کر رہے ہیں، اپنی طاقت پر غرور کر رہے ہیں یہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ انہیں چھپنے کی جگہ نہیں ملے گی۔ یہ قدرت کی گرفت یا آخرت کی پکڑ کاٹن کر اکڑتے ہیں کہتے ہیں دنیا میں ہماری اتنی طاقت و قوت ہے۔ یہ دنیا میں بھی بھاگیں گے، مغلوب ہوں گے۔ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے اور ایسا ہی ہوا! یہ بدر میں مارے گئے، قید ہوئے اور بھاگے بھی۔ اُحد میں انہیں شکست ہوئی میدان چھوڑ کر بھاگے۔ خندق میں شکست کھا کر بھاگے۔ مکہ مکرمہ فتح ہو گیا اور بات ہی ختم ہو گئی یہ بالکل مغلوب ہو گئے۔

کفار کی پے در پے ہزیمت کی پیشگوئی یہاں کر دی گئی کہ یہ تو مسلمانوں کے مقابلے میں ٹھہر نہ سکیں گے اور بھاگیں گے۔ یہ قدرت سے مقابلہ کرنے کی کہاں سوچ بیٹھے ہیں! بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ﴿۴۶﴾ بلکہ قیامت ان کا (اصل) وعدہ ہے اور قیامت بڑی سخت اور نا گوار چیز ہے۔ قیامت ہر حال میں ضرور قائم ہوگی جو بڑی تلخ حقیقت ہے۔ خوش فہمیوں میں رہنا اور بات ہے اور حقائق کا سامنا اور بات ہے۔ قیامت حقائق کے سامنا کرنے کا نام ہے۔ کردار کی گمراہی، برائی، غلطی اور کوتاہی کے نتائج کو بھگتنے کا دن ہے۔

کفر کا نعرہ دورِ حاضر کی زبان پر:

کافر کی ساری زندگی اسی ایک نعرے پر گزرتی ہے کہ ''یہ میری زندگی ہے میں اپنی مرضی سے جیوں گا۔'' انہیں بتایا جاتا ہے کہ تمہارے خالق نے تمہارے ربّ نے تمہیں بنایا ہے اور اختیار دیا ہے کہ اپنی مرضی سے فیصلہ کرو لیکن فیصلہ کرنے کے لیے اللہ نے عقل و شعور دیا ہے۔ انبیا بھیجے ہیں، کتاب الٰہی نازل کی ہے، خیر و شر کی تمیز کرنے کے قابل بنایا ہے اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ خیر کا انجام کیا ہے اور شر کا عذاب کیا ہے۔ قیامت کو انہی حقائق کو سامنا کرنا ہوگا۔ لیکن کفار نے ہمیشہ اللہ کی بات سے منہ پھر لیا اور اسی بات پر قائم رہے کہ وہ من مانی سے زندگی گزاریں گے۔ آج کا مسلمان بھی اسی نعرے کو اپنا چکا ہے، کہتا ہے، یہ میری زندگی ہے میں اسے اپنی مرضی سے جیوں گا، والدین، اللہ رسول، دین، شریعت پر فیصلہ کریں تو کہتا ہے کہ یہ زندگی میری ہے، آپ کی تو نہیں! یہ نظریہ سرے سے غلط ہے۔

زندگی اللہ کی امانت ہے، کوئی اپنی مرضی سے جی کر کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کوئی ان سے پوچھے، کیا تم اپنی مرضی سے پیدا ہوئے ہو؟ اپنی مرضی سے اپنی شکل، وجود، صحت، طاقت بناتے ہو؟ کیا تم اپنی مرضی سے جوان ہی رہو گے، کبھی بوڑھے نہ ہو گے؟ کیا اپنی مرضی سے ہمیشہ زندہ رہو گے، مرو گے نہیں؟ تو پھر زندگی اپنی کہاں؟ یہ تو اللہ کی امانت ہے۔

اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿۴۷﴾ بے شک (یہ) مجرمین بڑی غلطی اور بے عقلی میں ہیں۔ یہ اللہ کے مجرم، حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے نافرمان بہت گمراہی میں ہیں۔ اللہ نے ان کو عقل و خرد سے نوازا تھا لیکن یہ اس سے کام نہیں لے رہے۔ یہ گویا پاگلوں جیسے ہیں۔ ان کی عقلیں کام نہیں کر رہیں۔ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ؕ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ﴿۴۸﴾ جس روز یہ اپنے مونہوں کے بل جہنم میں گھسیٹے جائیں گے۔ (کہا جائے گا) کہ دوزخ (کی آگ) کے لگنے کا مزہ چکھو۔

یہ وہ ہے جس کا تمہیں دنیا میں یقین نہیں آتا تھا۔ جس کے بارے تم سننا گوارا نہیں کرتے تھے۔ اب چکھو ان

عذابوں کو اور مزہ لو کہ آگ میں جلنا کیسا ہے؟

ہر شئے ایک اندازے پر پیدا کی گئی ہے:

اِنَّا كُلَّ شَیۡءٍ خَلَقۡنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿۴۹﴾ بے شک ہم نے ہر چیز کو اندازے سے پیدا فرمایا ہے۔ فرمایا، ہم نے ہر شئے کو ایک مقرر اندازے، درست اندازے پر پیدا فرمایا ہے۔ جس کام کا جو نتیجہ ہم نے مقرر فرمایا ہے وہ نتیجہ ہر حال میں برآمد ہوتا ہے۔ ہر چیز ایک اندازے پر پیدا کی گئی ہے اور وہ اپنی ذمہ داری ادا کر رہی ہے۔ اس پر نتیجہ برآمد ہو رہا ہے۔ فصلیں غلہ اور بھوسہ دے رہی ہیں۔ درخت پھل دے رہے ہیں تو انسان جو اس کائنات کا ماحصل ہے، جس کی خاطر یہ جہان بنائے گئے ہیں، اس کا کردار کیوں نتائج نہیں دے گا۔ دنیا میں دیکھ لو، سورج، چاند، ستارے اپنی اپنی ڈگر پر رواں دواں ہیں۔ جب سے یہ تخلیق ہوئے ہیں اپنی مقررہ ذمہ داری ادا کر رہے ہیں۔ ان میں سے کوئی ذرّہ برابر من مانی کرتا تو نظام کائنات تہ و بالا ہو جاتا۔ جب ساری تخلیقات اپنا اپنا کام کر رہی ہیں اور ان پر نتائج بھی نکل رہے ہیں تو انسان کو یہ غلطی کیوں لگی ہے کہ اس کے اعمال کے نتائج نہیں ہوں گے!

اللہ کی ذاتِ کریمی کا کرم ہے کہ اس نے زندگی کی مہلت دی ہے ورنہ وہ تو قادر ہے کہ پل بھر میں گرفت کر لے۔ فرمایا: وَمَآ اَمۡرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمۡحٍۭ بِالۡبَصَرِ ﴿۵۰﴾ اور ہمارا حکم یکبارگی ایسے ہو جائے گا جیسے آنکھ کا جھپکانا۔ اور ہمارا حکم تو پل بھر میں جاری ہو جاتا ہے۔ اللہ کی گرفت آنے میں کوئی دیر نہیں لگتی۔ وہ مہلت دیتا رہتا ہے۔ نیکی، بھلائی کی آواز پہنچاتا رہتا ہے لیکن تم توجہ نہیں کرتے تو یاد رکھو اس کی پکڑ آنے میں دیر نہیں لگے گی!

لفظ شیعہ کا قرآن میں استعمال:

وَلَقَدۡ اَهۡلَكۡنَآ اَشۡيَاعَكُمۡ فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ ﴿۵۱﴾ ہم تمہارے طریقہ والے لوگوں کو ہلاک کر چکے ہیں۔ سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟ اَشۡيَاعٌ شِيۡعَةٌ شیعہ کی جمع ہے۔ قرآن کریم نے ان گمراہ فرقوں کو جو گمراہ تھے لیکن خود کو سچا سمجھتے تھے اور اپنے حق پر ہونے کا دعویٰ کرتے تھے انہیں شیعہ کہا ہے۔ ایسی بے شمار اقوام گزری ہیں جو گمراہ تھیں لیکن کہتی تھیں کہ نبیؐ جو کہتے ہیں وہ درست نہیں اور اپنے آپ اور اپنے باپ دادا کو سچا سمجھتے تھے تو تاریخِ انسانی کے ایسے گمراہ فرقوں کو تباہی سے دو چار ہونا پڑا۔ قرآنِ حکیم ان کے لیے لفظ شیعہ استعمال کرتا ہے۔ تو ہے کوئی جو ان کے انجام سے عبرت حاصل کرے، نصیحت پکڑے؟

اللہ کریم گزشتہ قوموں کا ماضی یاد دلا کر احساس دلاتے ہیں کہ ماضی، تمہارے لیے بہترین سبق ہے۔ ماضی کو کریدو، دیکھو تم سے پہلوں نے کون سی غلطی کی اور اس کا کیا نتیجہ بھگتا۔ انسان تو ماضی کو حسرتوں کے لیے یاد کرتا ہے

کہ میراں فلاں کام بھی نہیں ہوا، فلاں بھی نہیں ہوا۔ ماضی رونے، آنسو بہانے کے لیے نہیں ہے۔ ماضی ایک کتاب ہے جو ہمیں، ہمارے کردار، افکار اور ہماری سوچوں تک کے نتائج سے آگاہ کرتی ہے۔ ماضی اقوامِ عالم کے کرتوتوں اور ان پر مرتب ہونے والے نتائج سے آگاہ کر کے آئیندہ کے لیے راہنمائی فراہم کرتا ہے کہ ماضی میں جہاں جس وجہ سے نقصان ہوا ہے آئیندہ اس کام سے بچا جائے۔ تو کوئی ہے جو اس سے سبق حاصل کرے؟

ہر شے علمِ الٰہی میں موجود ہے:

وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ﴿٥٢﴾ اور جو کچھ یہ لوگ کرتے ہیں صحیفوں (اعمال ناموں) میں (لکھا) ہے۔
وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّ كَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿٥٣﴾ اور ہر چھوٹا اور بڑا (کام) لکھ دیا گیا ہے۔

ہر شخص کا اعمال نامہ تیار ہو رہا ہے۔ جو کرتے ہو وہ لکھا جاتا ہے، جو بولتے ہو وہ لکھا جاتا ہے یہاں تک کہ سوچیں بھی اس کی بارگاہ میں نتیجہ پاتی ہیں۔ وہ ایسا کریم ہے کہ اگر کوئی برائی سوچتا ہے لیکن اس پر عمل نہیں کرتا تو اس کا مواخذہ نہیں ہوتا۔ اگر کوئی نیکی سوچتا ہے اور وہ کر نہیں سکتا تو اس سوچ پر بھی اس کو اجر ملتا ہے۔ اللہ کی عطا کردہ اتنی رعایتوں کے بعد بھی اگر کوئی عذاب کے راستے پر چلنا پسند کر لے تو یہ اس کی بدبختی ہے! اللہ کے مقرر کردہ فرشتے ہر چھوٹی بڑی بات لکھ رہے ہیں۔ اللہ جل شانہٗ کا علم قدیم ہے۔ مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے جانتے ہیں کہ کتنی مخلوق ہوگی، کون کیا کرے گا؟ اللہ نے اسے اپنے علم پر منحصر نہیں رکھا۔ فرشتے مقرر کر دیے جو ہر انسان کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اس کے الفاظ، گفتگو اور اعمال لکھتے جاتے ہیں۔ وہ سب قیامت کو سامنے لایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ دیکھ لے۔ اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہے۔ ہر ایک سے اس کے اعمال نامے کے مطابق جواب طلبی ہوگی۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ﴿٥٤﴾ بے شک جو پرہیزگار ہیں وہ باغوں اور نہروں میں ہوں گے۔ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿٥٥﴾ ایک عمدہ مقام میں، قدرت والے بادشاہ کے پاس۔ یقیناً وہ لوگ جنہوں نے اللہ سے اپنا تعلق استوار رکھا اس کی حفاظت کی، وہ اللہ کی نعمتوں کی جنت میں ہوں گے جو ایسا خوبصورت مقام ہے جس کا کوئی ثانی نہیں، لذت میں نہ آرام میں نہ خوبصورتی میں! اس عظیم بادشاہ کے پاس ہوں گے جس کی شان کے لائق ہیں جنت کی نعمتیں!

سورۃ الرحمٰن رکوع 1 آیات 1 تا 25

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلرَّحْمٰنُ ﴿١﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ﴿٢﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ﴿٣﴾ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴿٤﴾ اَلشَّمْسُ
وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ﴿٥﴾ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ﴿٦﴾ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ
الْمِيْزَانَ ﴿٧﴾ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ﴿٨﴾ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا
تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ﴿٩﴾ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ﴿١٠﴾ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ
ذَاتُ الْاَكْمَامِ ﴿١١﴾ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ﴿١٢﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبٰنِ ﴿١٣﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿١٤﴾ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ
مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ﴿١٥﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿١٦﴾ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ
الْمَغْرِبَيْنِ ﴿١٧﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿١٨﴾ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿١٩﴾
بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿٢٠﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢١﴾ يَخْرُجُ مِنْهُمَا
اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿٢٢﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٣﴾ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ
فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿٢٤﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٥﴾

نہایت مہربان ﴿۱﴾ اُسی نے قرآن کی تعلیم دی ﴿۲﴾ انسان کو پیدا فرمایا ﴿۳﴾
(پھر) اس کو بولنا سکھایا ﴿۴﴾ سورج اور چاند حساب کے ساتھ (چلتے) ہیں ﴿۵﴾
اور بوٹیاں اور درخت (اُسی کو) سجدہ کر رہے ہیں ﴿۶﴾ اور اسی نے آسمان کو اونچا
کیا اور (دنیا میں) ترازو رکھ دی ﴿۷﴾ کہ تولنے میں کمی بیشی نہ کرو ﴿۸﴾ اور
انصاف کے ساتھ وزن ٹھیک رکھو اور تول کو گھٹاؤ مت ﴿۹﴾ اور اُسی نے خلقت کے

لیے زمین بچھائی ﴿۱۰﴾ اس میں پھل ہیں اور کھجور (کے درخت) جن کے خوشوں پہ غلاف ہوتے ہیں ﴿۱۱﴾ اور (اس میں) غلہ ہے جس میں بھوسا (بھی) ہوتا ہے اور غذا کی چیز بھی ﴿۱۲﴾ تو (اے گروہِ جن وانس!) تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے ﴿۱۳﴾ اُسی نے انسان کو ٹھیکرے کی طرح کھنکتی مٹی سے پیدا فرمایا ﴿۱۴﴾ اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا فرمایا ﴿۱۵﴾ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے ﴿۱۶﴾ وہی دونوں مشرقوں کے مالک ہیں اور دونوں مغربوں کے مالک ہیں ﴿۱۷﴾ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے ﴿۱۸﴾ (اسی نے) دو دریا رواں کیے جو آپس میں ملتے ہیں ﴿۱۹﴾ دونوں میں ایک آڑ ہے کہ (اس سے) تجاوز نہیں کر سکتے ﴿۲۰﴾ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے ﴿۲۱﴾ ان (دونوں دریاؤں) سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں ﴿۲۲﴾ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے ﴿۲۳﴾ اور جہاز بھی اُسی کے ہیں جو سمندر میں پہاڑوں کی طرح اونچے کھڑے ہوتے ہیں ﴿۲۴﴾ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے ﴿۲۵﴾

تفسیر و معارف

صفاتِ الٰہی کو دوام ہے:

فرمایا: اَلرَّحۡمٰنُ ۝ نہایت مہربان۔ بہت بڑا رحم کرنے والا جس کا کوئی ثانی نہیں۔ ایسا بے مثل و بے مثال، ایسی عظمتوں والا، اتنا بڑا کہ کسی دوسرے کے لیے بڑائی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ وہ ذات بے حدوحساب رحم کرنے والی ہے۔ رحمٰن اور رحیم دونوں رحمت سے مشتق ہیں۔ علما فرماتے ہیں کہ عربی قواعد کے مطابق رحمٰن فعلان کے وزن پر ہے اور اس وزن پر جو اوصاف آتے ہیں اُن کا اظہار وقتی اور عارضی ہوتا ہے۔ مثلاً غضبان یعنی بہت غصے میں لیکن غصہ ختم بھی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح عطشان یعنی بہت پیاسا لیکن پانی پی لیا تو پیاس ختم ہو جاتی ہے۔ اللہ کریم کی رحمانیت کا

ظہور بھی دارِ دنیا میں ہے۔ اللہ کی ذات اور صفات لافانی ہیں لیکن جب دنیا ختم ہوجائے گی تو رحمانیت کا ظہور روک دیا جائے گا۔ دنیا میں رحمانیت سے کافر بھی مستفید ہو رہا ہے۔ زندگی، اولاد، مال و دولت اقتدار سب دنیوی نعمتیں کافر کے لیے بھی عام ہیں۔ یہ اللہ کی رحمانیت کی وسعتیں ہیں لیکن یہ دنیا کی زندگی تک ہیں۔ علما فرماتے ہیں کہ رحیم، فعیل کے وزن پر آتا ہے اور اس وزن پر آنے والے اوصاف دائمی ہوتے ہیں مثلاً حکیم، علیم یعنی عالم ہے یا دانا ہے تو ہمیشہ کے لیے ہے۔ اسی طرح رحیم اللہ کی دائمی صفت ہے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی رحم کرنے والا۔ جب دنیا ختم ہوجائے گی رحمانیت کا ظہور روک دیا جائے گا، آخرت میں رحیمیت کا ظہور ہوگا۔ دنیا میں تو رحمتِ عام تھی، ایمان کی تخصیص نہیں تھی لیکن آخرت میں رحمت، ایمان کے ساتھ ہے۔ جہاں ایمان نہیں ہوگا وہاں رحمتِ الٰہی نہیں ہوگی، غضبِ الٰہی ہوگا۔ اسی لیے علما فرماتے ہیں کہ اَللہ اَلرَّحْمٰنُ لِلدُّنْیَا وَالرَّحِیْمُ لِلْاٰخِرَۃِ یعنی دارِ دنیا کے لیے رحمٰن اور آخرت کے لیے رحیم ہیں۔

علوم قرآن بہت بڑا احسان:

انسان پر اللہ کریم کے احسان گنے نہیں جاسکتے لیکن سب سے پہلی بات جو ارشاد فرمائی گئی، فرمایا: عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ﴿۲﴾

اُسی نے قرآن کی تعلیم دی۔ گویا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اللہ نے انسان کو یہ استعداد بخشی کہ وہ علومِ قرآن سیکھ سکتا ہے۔ قرآنِ کریم اللہ کا ذاتی کلام ہے۔ قرآن سے مراد الفاظ و حروف، اوراق اور زبر زیر پیش نہیں ہے بلکہ اُن مفاہیم کا نام ہے جن کا اظہار یہ حروف کرتے ہیں۔ ورنہ تو ساری عربی اسی الف ب ج سے لکھی جاتی ہے۔ یہ الفاظ قرآن کا اظہار کرتے ہیں۔ قرآن وہ مفہوم ہے جو اِن میں مقید ہے اور وہ اللہ کا ذاتی کلام ہے۔ کلام میں متکلم کی ذات کا اثر ہوتا ہے، پرتو ہوتا ہے۔ کسی اچھے شاعر کا شعر سن کر لوگ شاعر کی تعریف کرتے ہیں اس لیے کہ اس میں اس کے علم کا عکس ہوتا ہے۔ کسی ادیب کی عبارت پڑھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ عبارت بہت خوبصورت ہے لیکن تعریف لکھنے والے کی کرتے ہیں کہ بڑا فاضل ہے دانشور ہے۔ اس لیے کہ کلام میں متکلم کی صفات کا پرتو ہوتا ہے۔ اللہ کریم نے انسان پر یہ بہت رحمت فرمائی کہ اُسے اپنے ذاتی کلام قرآن کو سمجھنے، جاننے، ماننے اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائی۔

فرمایا: خَلَقَ الْاِنْسَانَ ﴿۳﴾ انسان کو پیدا فرمایا۔ اس کا احسان ہے کہ اُس نے ذرّاتِ خاکی کو بے شمار روپ دے کر مختلف شکلوں سے گزار کر ایک مادّہ بنایا۔ اُس مادّے کو بے شمار مراحل سے گزار کر اسے انسان بنایا اور بے شمار اوصاف اور نعمتیں عطا فرمائیں۔ ایک ذرّے سے انسان بننے تک، دنیا میں آنے سے لے کر موت تک،

انسان کتنی نعمتیں استعمال کرتا رہتا ہے۔ سمع وبصارت، محسوسات، اعضائے رئیسہ یعنی بے شمار نعمتیں ہیں جو اُس کے نظامِ بدن کو توازن سے قائم رکھتی ہیں۔ ہر عضو اپنا اپنا کام کررہا ہے۔ ایک انسان کے اندر پورا جہان آباد ہے اور یہ سب اللہ کے احسان ہیں۔

قوتِ بیانیہ اور اُس کا بہترین مصرف:

تمام اوصافِ بدنی میں سب سے بڑا احسان ہے، فرمایا: عَلَّمَهُ الْبَيَانَ۝ (پھر) اس کو بولنا سکھایا۔ انسان کو قوتِ بیانیہ عطا فرمائی۔ یہاں لفظ 'بیان' استعمال ہوتا ہے جس میں بولنا لکھنا، پڑھنا، سننا، سمجھنا یہ تمام مفہوم آ جاتے ہیں۔فرمایا انسان کو قوتِ بیانیہ عطا ہوئی جس سے وہ اپنا مافی الضمیر بیان کرتا ہے دوسرے کی بات سنتا ہے سمجھتا ہے جانتا ہے۔ اللہ کریم نے انسان کو تخلیقی طور پر بے شمار حسیات دی ہیں اور وہ ہر حس کے تقاضے کو بہترین انداز میں پورا کرنا چاہتا ہے۔ اگر انسان میں یہ حس ہے کہ لباس پہنے، ستر پوشی کرے یا گرمی سردی سے بچے تو فقیر سے لے کر بادشاہ تک ہر بندہ کوشش کرتا ہے کہ اس کا لباس بہترین ہو۔اسی طرح غذا انسان کی ضرورت ہے اور انسان کھاتا تو چند لقمے ہی ہے لیکن ہر بندہ یہ کوشش کرتا ہے کہ کھانا لذیذ، خوش ذائقہ اور صحت کے لیے مفید ہو جسے وہ مزے سے کھائے۔ اسی طرح سر چھپانے کے لیے مکان کی ضرورت ہے تو ایک جھگی نشین بھی اپنی حیثیت کے مطابق خیمہ بناتا ہے اور ایک بادشاہ بڑے بڑے محلات بناتا ہے۔ ہر آدمی یہی چاہتا ہے کہ اُس کی رہائش اس کی حیثیت کے مطابق سب سے اچھی ہو۔اسی طرح سواری میں بھی ہر شخص بہترین سواری کا خواہاں ہوتا ہے تو جو سب سے اعلیٰ نعمت یعنی قوتِ بیانیہ اُس میں کیوں نہیں چاہتا کہ سب سے اعلیٰ کلام بیان ہو؟ سب سے اچھا کلام سنا جائے، پڑھا جائے؟ باقی تمام اوصاف میں تو سب سے بہترین درجے کی چیز حاصل کرنا چاہتے ہوں تو پھر قوتِ بیانیہ کا بھی مصرف سب سے بہترین کلام ہونا چاہیے۔ اس میں بھی تو کوشش کی جانی چاہیے کہ سب سے بہتر کلام پڑھا جائے۔ سب سے بہتر کلام سنا جائے۔ سب سے بہتر کلام سمجھا جائے اور سب سے بہتر کلام پر عمل کیا جائے وہ سب سے بہتر کلام اللہ کا قرآن ہے۔ یہ اللہ کریم کا احسان ہے کہ جو آدمی قرآن پر ایمان لے آتا ہے اور پھر اُس کی زندگی قرآن میں ارشاد کردہ ضابطہء حیات میں ڈھل جاتی ہے تو اللہ کریم اُس کے ہر کام کو تلاوتِ قرآن کا درجہ عطا فرماتے ہیں۔ چونکہ وہ بات کرنے میں بھی لحاظ رکھتا ہے کہ اللہ نے قرآن میں حسنِ کلام کا حکم دیا ہے اور بری باتوں سے، گلے شکووں اور غیبت سے منع کیا ہے چنانچہ اس کا کردار اور اعمال قرآن کے تابع ہوتے ہیں اور نتیجتاً اُس کے کام عبادت شمار ہوتے ہیں۔ دنیا کی ہر چیز میں انسان بہترین کا انتخاب کرتا ہے تو پھر قوتِ بیان کا استعمال بھی سب سے بہتر ہونا چاہیے سب سے خوبصورت ہونا چاہیے۔

گویا قوتِ بیان کا اصل معروف علومِ قرآن کا حصول اور اسے آگے پہنچانا ہے۔ اسے پڑھو، سنو، سمجھو اور سیکھو۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشادِ عالی ہے: خَيْرُ كُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ (بخاری)

کائنات میں ہر چیز توازن پر قائم ہے:

فرمایا: اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝ سورج اور چاند حساب کے ساتھ چلتے ہیں۔ کیا انسان دیکھتا نہیں کہ سورج اور چاند کس طرح سے اپنے اوقات اپنی حیثیت اور صفات میں پابند ہیں! جو سورج کی ذمہ داری ہے وہ پوری کر رہا ہے اور جو چاند کی ہے وہ پوری کر رہا ہے۔ صدیوں سے اپنی مقررہ رفتار میں چل رہے ہیں اور کبھی ان کے اوقات میں تقدیم یا تاخیر نہیں ہوئی۔ کبھی روشنی میں کمی بیشی نہیں ہوئی۔ انہیں کبھی مرمت کی ضرورت نہیں پیش آئی۔ ہر چیز ایک حساب، توازن اور ایک نظام کے ساتھ چل رہی ہے، ان سیاروں سے زمین کا نظام مربوط ہے۔ ہر سیارے کا زمین پر اثر مرتب ہوتا ہے۔ سائنس کے مطابق زمین پر جتنی روئیدگی ہے وہ سورج کی تپش سے ہوتی ہے، فصلیں پکتی ہیں۔ چاند کی چاندنی پھلوں میں شیرینی اور افراط پیدا کرتی ہے۔ ہر ستارہ بھی زمین پر ایک اثر پیدا کرتا ہے۔ ان اثرات میں کمی ہوتی ہے نہ زیادتی بلکہ ایک توازن ہے۔ اس سارے نظام میں کوئی بے ربط ہوتا ہے نہ بے مہار ہوتا ہے بلکہ اعتدال کے ساتھ اپنی اپنی خدمت بجالا رہے ہیں۔ فرمایا: وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ۝ اور بوٹیاں اور درخت (اسی کو) سجدہ کر رہے ہیں۔

ہر بیل ہر جڑی بوٹی سے لے کر بڑے بڑے تناور درختوں تک سب سربسجود ہیں یعنی اللہ کے حکم کی کامل پابندی کر رہے ہیں۔ جس کو جس خدمت کے لیے پیدا کیا ہے وہ بجالا رہا ہے۔ ہر بوٹی وہ خوشبو اور تاثیر دیتی ہے جو اُس کی ذمہ داری ہے۔ جب اللہ کریم حکم دیں تو پیدا ہو جاتی ہے اور حکم دیں تو جھڑ جاتی ہے، مر جاتی ہے۔ ہر چیز ایک عدل اور توازن کے ساتھ ہے یہ ممکن نہیں کہ کیکر کے درخت پر آم کا پھل لگ جائے یا غلطی سے آم کے درخت پر کیکر کے کانٹے اُگ جائیں۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ انسان گندم بوئے اور اُس پر چنے لگ جائیں یا چنے بوئے اور اُس پر جو اُگ آئیں۔ ہر چیز اپنے دائرہ کار میں سربسجود ہے۔ چونکہ اطاعت کے اظہار کا سب سے اعلیٰ طریقہ 'سجدہ' ہے اس لیے فرمایا کہ ہر چیز سربسجود ہے۔ کوئی اپنی خدمت میں غلطی یا ہیرا پھیری نہیں کرتی۔ ہر چیز اپنے توازن پر، اپنے وقت پر پھل دیتی ہے۔ انسان کی جس خدمت پر مامور ہے وہ بجالا رہی ہے۔

فرمایا: وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝ اور اسی نے آسمان کو اونچا کیا اور (دنیا میں) ترازو رکھ دی۔ اللہ نے آسمانوں کو بلندیوں پر مقرر کر دیا ہے ساری دنیا کا سائبان بنے ہوئے ہیں۔ ایسی چھت ہیں جن کو کسی

ستون یا دیوار کے سہارے کی ضرورت نہیں۔ ان میں کبھی کوئی خرابی یا نقص پیدا نہیں ہوا کہ مرمت کرانی پڑے۔ جب سے اللہ نے پیدا فرمائے ہیں اور جب تک وہ چاہے گا، اپنی ذمہ داری انجام دے رہے ہیں۔ آسمانوں کو بلندی عطا کرنے کا ایک یہ مفہوم بھی ہے کہ آسمانی نعمتیں انسان کی رسائی سے بالا رکھیں۔ سورج، چاند، بادل، ہوا وغیرہ سے حاصل ہونے والی نعمتوں پر کسی انسان کی اجارہ داری نہیں ہو سکتی۔ فرمایا: وَضَعَ الْمِیْزَانَ ﴿۷﴾ اور (دنیا میں) ترازو رکھ دی۔ ہر چیز میں توازن ہے جیسے ترازو پر چیزوں کو برابر برابر تول لیا جاتا ہے ویسے بھی ہر چیز تُل گئی ہے اور اپنا اپنا کام کر رہی ہے جو نعمتیں انسانی رشتوں اور واسطوں سے وابستہ فرمائیں اُن میں بھی ترازو یعنی عدل رکھا۔

توازن قائم رکھنا انسان کی ذمہ داری ہے:

فرمایا: اَلَّا تَطْغَوْا فِی الْمِیْزَانِ ﴿۸﴾ وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ ﴿۹﴾ کہ تولنے میں کمی بیشی نہ کرو۔ اور انصاف کے ساتھ وزن ٹھیک رکھو اور تول کو گھٹاؤ مت۔

اے انسان! اُس نے تمہیں اختیارات دیے ہیں لہٰذا یہ مناسب نہیں کہ تم اس میزان، اس ترازو میں خرابی پیدا کرو یا ڈنڈی مارو۔ سب سے پہلے اپنے عقائد کو متوازن رکھو۔ اللہ کی عظمت کا جہاں اقرار کرتے ہو وہاں غیر اللہ کا انکار بھی کرو۔ اگر ایک بندہ اسلام قبول کرتا ہے لیکن کفر کا انکار نہیں کرتا تو اُس کا اسلام قبول نہیں ہوتا لہٰذا جتنا ضروری احقاقِ حق ہے اتنا ہی ضروری ابطالِ باطل بھی ہے۔ یہ عقائد میں توازن ہے۔ انسان کو اللہ نے مدنی الطبع بنایا ہے یعنی مل جل کر رہنے والا، لہٰذا سب کے آپس میں لین دین اور معاملات ہوتے ہیں۔ یہ تعلقات اللہ کی رحمت ہیں جب ہر چیز میں توازن ہے تو تم بھی اس توازن کو بگڑنے نہ دو۔ دوستی دشمنی، صلح جنگ کے قوانین میں تعلقات رکھنے اور توڑنے کا بھی معیار ہے اس میں بھی اعتدال اور توازن رکھو۔ اوزان پورے رکھو۔ اُس نے معاملات اور لین دین میں انصاف کرنے کا، توازن قائم رکھنے کا حکم دیا ہے تاکہ فساد یا بگاڑ پیدا نہ ہو۔ انسان اپنی گفتار میں توازن رکھے یعنی زبان کے استعمال میں محتاط رہے۔ کسی پر تہمتیں نہ لگائے کسی کی غیبت نہ کرے۔ زبان سے ناموزوں الفاظ ادا نہ کرے، گالی گلوچ یا گستاخی نہ کرے۔ گویا ہر بات اللہ کی قائم کردہ ترازو میں تول کر بولے، عدل کرے۔ فکر اور سوچوں میں توازن رکھے۔ برائی نہ سوچے بلکہ بھلائی سوچے۔ اسی طرح لین دین کے معاملات میں، کاروبار میں عدل اور توازن ہو کسی کے ساتھ زیادتی نہ کی جائے۔ اپنا حق لیا جائے اور دوسرے کا حق ادا کیا جائے۔ پورا تولا جائے، کسی کا حق نہ چھینا جائے۔ اسی طرح ضروریاتِ دنیا کو پورا کرنے میں توازن ہو مثلاً رہائش میں انسان اپنی حیثیت کے مطابق گھر بنائے۔ شادی بیاہ میں اتنے اخراجات کرے جتنا آسانی سے اپنے وسائل میں کر سکتا ہے۔ اگر سود پر قرضہ اٹھا کر یا

زمین رہن رکھ کر بڑی دعوت بھی کر لی تو اس میں شان کہاں سے آ گئی؟ جب سب کو پتا چل جائے کہ اس نے سود پر قرضہ لیا ہے یا زمین رہن رکھی ہے تو پھر اس میں شان و شوکت والی بات تو نہیں رہتی۔ اگر انسان اپنی حیثیت کے اندر رہ کر امورِ دنیا انجام دے تو اُسے کبھی کوئی تکلیف نہ ہو۔ فرمایا، توازن کو برقرار رکھو عقائد سے لے کر گفتار و کردار اور افکار میں توازن رکھو آج دنیا بھر میں دہشت گردی کا راج ہے۔ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ یہ سب عدمِ توازن ہے۔ توازن بگڑ رہا ہے کہ لوگ اپنی پسند و ناپسند دوسرے پر مسلط کر رہے ہیں۔ جب دونوں نے توازن کھو دیا ہے تو پھر ٹکراؤ لازمی ہے۔ دونوں اللہ کے آگے جوابدہ ہیں اگر اپنا معاملہ اللہ سے درست رکھیں تو جھگڑا ختم ہو جائے گا۔ فرمایا، اپنی زندگی میں ایک میزان رکھو، اوزان پورے پورے رکھو۔ تعلقات میں، دوستی دشمنی صلح جنگ کے معیار اور قوانین ہیں، میزان ہے اُن میں کمی بیشی نہ کرو۔ اس میں ڈنڈی نہ مارو انصاف اور برابری کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ اگر سیارے اور ستارے اپنا توازن کھو دیں تو آپس میں ٹکرا کر ٹوٹ جائیں گے۔ پہاڑ، دریا توازن کھو دیں تو تباہی آ جاتی ہے۔ دریا کا توازن بگڑتا ہے تو سیلاب آ جاتا ہے ورنہ جب عدل پر بہتا ہے تو لوگ سیراب ہوتے ہیں، فصلیں اُگتی ہیں اور یہی دعا ہوتی ہے کہ یہ دریا کبھی خشک نہ ہو۔ اللہ کریم نے ہر چیز میں توازن رکھا ہے تو اسے بگڑنے مت دو اپنی زندگی میں میزان قائم رکھو۔

زمین اور اس میں اللہ کی بے شمار نعمتیں:

فرمایا: وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ﴿۱۰﴾ اور اُسی نے خلقت کے لیے زمین بچھائی۔ اللہ کریم نے جہاں آسمانوں کو بلندیاں دیں وہاں اسی کی رحمت نے زمین کو وہ خصوصیات عطا کیں کہ وہ مخلوق کے رہنے کے قابل ہوئی۔ اس کو فرش کی طرح ہر ذی روح کے لیے بچھا دیا تو سب کو اُٹھائے ہوئے ہے۔ خوبصورت چیزوں اور بدصورت چیزوں کو، اچھوں اور بُروں کو حتیٰ کہ جانوروں، درندوں کو بھی اُٹھائے ہوئے ہے، اُن کا بچھونا بھی بنی ہوئی ہے۔ کسی کو انکار نہیں کرتی۔ یہ اُس کی ذمہ داری لگائی گئی ہے اور وہ اس حکم کی بجا آوری میں کبھی سرتابی نہیں کرتی۔ اس زمین پر انسان و حیوان غلاظتوں کے ڈھیر لگا دیتے ہیں مردار گل سڑ رہے ہوتے ہیں وہ سب کو برداشت کرتی ہے، جو ذمہ داری اللہ نے لگا دی ہے کہ اُسے فرش بنا دیا ہے تو وہ ہر دم اطاعت کر رہی ہے اور سب کو اپنے سینے پر سجائے ہوئے ہے۔ اللہ نے زمین کو حکم دیا کہ مخلوق کے رزق کے خزانے بھی تجھے اُگلنے ہیں چنانچہ کب سے اُگل رہی ہے لیکن اس کے حجم یا وزن میں کمی آئی ہے نہ دینے میں کوتاہی ہوئی ہے۔ فرمایا: فِيْهَا فَاكِهَةٌ ۙ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ﴿۱۱﴾ اس میں پھل ہیں اور کھجور (کے درخت) جن کے خوشوں پر غلاف ہوتے ہیں۔

فرمایا، اس زمین میں انواع و اقسام کے پھلوں اور میووں کے خزانے سمو دیے۔ بیلوں پر لگنے والے پھل سے لے کر بڑے تناور کھجور کے درختوں پر لگنے والی شریں لذیذ نعمتیں تمہیں غلافوں میں لپیٹ کر دیتے ہیں۔ ایک کیلے کو ہی دیکھا جائے تو چھیلنے پر کتنی لذیذ مٹھائی اس میں سے ملتی ہے۔ ایک انار کو کس قدر خوبصورتی سے غلاف میں بند کر کے قدرت تمہیں دیتی ہے جب اس کو کھولتے ہو تو کیسی خوبصورت نعمت اُس میں سے ملتی ہے۔ یہ کون سا کاریگر زیرِ زمین بیٹھا ہے! اللہ کی قدرت کیسے خوبصورت پھل غلافوں میں بند کر تمہیں دے رہی ہے۔ کتنی غذائیں، دوائیں اور کتنے خوبصورت رنگا رنگ پھول اُگا رہی ہے جن میں خوشبو، ذائقہ اور تاثیر الگ الگ ہے۔ اس کے سینے سے اربوں تنکے نکلتے ہیں اور ہر تنکا گل بکف ہے۔ کون ہے جو اُن میں خوشبو اور رنگ بھرتا ہے؟ کون ہے جو اُن میں تاثیر پیدا کرتا ہے؟ فرمایا: وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ﴿۱۲﴾ اور (اس میں) غلّہ ہے جس میں بھوسا (بھی) ہوتا ہے اور غذا کی چیز بھی۔ زمین سے ہی غلّہ جیسے گندم چاول چنے وغیرہ اور خوبصورت انداز میں ایک ایک دانہ غلاف میں لپٹا ہوا ہوتا ہے۔ یہ غلاف یعنی بھوسا بھی ضائع نہیں جاتا بلکہ تمہارے جانوروں کی غذا بن جاتا ہے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ کسی بھی غذا کا، کسی پھل کا چھلکا تک ضائع نہیں جاتا بلکہ اس کے الگ طبی فوائد ہوتے ہیں۔ جیسے کیلے اور انار کے چھلکے بھی طب میں استعمال ہوتے ہیں۔ فرمایا تمہاری غذا کا بڑا حصّہ غلہ ہے اس کا ایک ایک دانہ بھی ہم لفافے میں بند کر کے دیتے ہیں جو اس کو حشرات الارض سے محفوظ رکھتا ہے۔ چنانچہ غلّہ تم کھا لیتے ہو اور اُس کا غلاف تنکے اور پتے جانوروں کی غذا بن جاتے ہیں۔

کس کس نعمتِ باری کا انکار کرو گے؟

فرمایا: فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۱۳﴾ تو (اے گروہِ جن و انس!) تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے۔

تم کس کس احسان کو فراموش کرو گے؟ کتنا نظامِ کائنات تمہاری خدمت پر لگا دیا۔ خود تمہیں کتنی خصوصیات عطا کیں۔ فرمایا: خَلَقَ الْإِنسَانَ مِن صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿۱۴﴾ اُسی نے انسان کو ٹھیکرے کی طرح کھنکتی مٹی سے پیدا فرمایا۔

مٹی جب گل سڑ کر خشک ہو کر ٹھیکری بن جاتی ہے تو دنیا کا کوئی کاریگر اُس سے کوئی چیز نہیں بنا سکتا۔ کچھ بنانے کے لیے مٹی کو نرم ہونا چاہیے، گلا سڑا یا متعفن نہیں ہونا چاہیے اور اسے اچھی طرح گوندھا جائے تو پھر وہ سانچوں میں ڈھالی جا سکتی ہے۔ فرمایا، میں قادر ہوں میں نے اُسی مٹی کی اُس ٹھیکری سے آدم علیہ السلام کا وجود بنایا اور تب

سے اب تک اُنہی ذرّاتِ خاکی کو انسانی وجودوں میں ڈھال رہا ہوں۔ فرمایا: وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ﴿۱۵﴾ اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا فرمایا۔

جنات کو آگ کے ایسے تیز شعلے سے پیدا فرمایا جس میں دھواں تک نہیں تھا یعنی اتنا واضح صاف شعلہ بن جاتا ہے جو صرف جلاتا ہے اُس سے کوئی چیز نہیں بنتی۔ فرمایا ہم نے اُس خالص آگ کے شعلے سے جس میں دھواں تھا نہ ہوا تھی ایک مخلوق پیدا کر دی، ہم ایسے قادر ہیں۔ فرمایا: فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۶﴾ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے۔ کبھی سر جھکا کے بیٹھ کر سوچو تو سہی، غور تو کرو کہ تم بھلا کس کس انعام کا انکار کرو گے؟ تمہارے پاس نافرمانی کی کوئی گنجائش ہے؟ ذرا غور کرو، فرمایا: رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿۱۷﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۸﴾ وہی دونوں مشرقوں کے مالک ہیں اور دونوں مغربوں کے مالک ہیں۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے۔ سورج کبھی ایک جگہ سے طلوع نہیں ہوتا بلکہ روز ایک نئے مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور روز ایک نئے مغرب میں غروب ہوتا ہے۔ گرمیوں اور سردیوں کے علیحدہ طلوع وغروب ہیں یہ نظامِ شمسی ایسا لگا بندھا نظام ہے جس پر موسموں کے تغیر وتبدل، بارشوں اور ہواؤں کے چلنے کا اور روئیدگی کا انحصار ہے۔ اس نظام کا خالق بھی اللہ ہے اور ربّ بھی وہی ہے۔ پیدا بھی اسی نے کیا ہے اور وہی اسے باقاعدگی سے چلا بھی رہا ہے اور یہ سب صرف تمہارے لیے ہو رہا ہے۔ سورج سفر میں ہے گرمیوں میں سر پر آ جاتا ہے سردیوں میں طلوع وغروب نیچے ہوتا جاتا ہے۔ یہ سارا نظام اسی پروردگار نے قائم رکھا ہوا ہے جو ساری مشرقوں اور مغربوں کا مالک ہے۔ پھر تم کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟ کس کس چیز کی ناشکری کرو گے؟

فرمایا: مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿۱۹﴾ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿۲۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۱﴾ اُسی نے دو دریا رواں کیے جو آپس میں ملتے ہیں دونوں میں ایک آڑ ہے کہ (اس سے) تجاوز نہیں کر سکتے۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے۔

وہ ایسا قادر ہے کہ اُس نے دو طرح کا پانی جاری کر دیا ہے جو ایک ہی زمین میں موجود ہے۔ ایک جگہ سے زمین کھودیں تو میٹھا پانی نکل آتا ہے جبکہ چند قدم دور کھودیں تو کڑوا نکل آتا ہے۔ ایک جگہ ملے ہوئے پانی ہیں لیکن میٹھا الگ ہے کڑوا الگ ہے۔ یہ آپس میں ملتے کیوں نہیں ہیں؟ ان کے درمیان اللہ نے ایک توازن، ایک پردہ رکھ دیا ہے کوئی بھی اپنی حد سے تجاوز نہیں کرتا۔ میٹھا اپنی جگہ رہتا ہے کڑوا اپنی جگہ رہتا ہے۔ سارا سمندر آبِ شور ہے، کڑوا ہے۔ سمندر میں سرد اور گرم پانی کی روئیں چلتی ہیں جو سینکڑوں میل ایک دوسرے کے ساتھ چلنے کے باوجود ایک دوسرے

کے ساتھ خلط ملط نہیں ہوتیں۔ اتنا وسیع سمندر ہے کہ تین چوتھائی زمین زیر آب ہے اور سارا پانی بہت تلخ اور کڑوا ہے۔ اُس میں اگر ہاتھ ڈال کر بیٹھو تو ہاتھ کی جلد اکڑ جاتی ہے منہ دھولو تو چہرہ اکڑ جاتا ہے۔ گھونٹ بھر لو تو پیا نہیں جا سکتا۔ یہ اُس کی قدرتِ کاملہ ہے کہ اسی سمندر کے کڑوے پانی سے بخارات اُٹھتے ہیں بادل بنتے ہیں اور بارش برستی ہے۔ بارش کا پانی سب سے میٹھا اور بہترین ہے اگر اُسے زمین پر گرنے سے پہلے حاصل کر لیا جائے۔ (فضائی آلودگی سے بچنے کے لیے چند منٹ بارش برسنے دیں پھر بارش کا پانی زمین پر گرنے سے پہلے کسی چیز میں جمع کر لیں) اب کڑوے پانی سے میٹھا پانی برسا دینا یہ اللہ کی قدرت ہے۔ میٹھا پانی انسان کی ضرورت ہے تو اُس نے کیسا انتظام فرما دیا کہ کڑوے کو فلٹر (FILTER) کر کے برسا دیتا ہے۔ گویا ایک FILTER PLANT لگایا ہوا ہے کہ سورج گرمی پہنچا رہا ہے بخارات بن رہے ہیں ہوا اُن بادلوں کو ٹنوں پانی سمیت اڑائے پھرتی ہیں اور جہاں حکم ہو برسا دیتی ہیں۔ اسی کی قدرت ہے کہ کڑوے اور میٹھے پانی اپنی حد سے تجاوز نہیں کرتے کہ آپس میں مل جائیں۔ تمہیں انسانی شعور بخشا، معرفتِ حق کی استعداد بخشی جو کسی دوسری مخلوق کو نہیں عطا ہوئی۔ پانی میں تو وہ شعور نہیں ہے۔ زمین اور ہواؤں میں درختوں اور جانوروں میں تمہارے والا احساس و شعور نہیں ہے۔ تمہیں جو نعمت قربِ الٰہی وصولِ حق اور رضائے الٰہی کو وصول کرنے کی دی تھی اُس نعمت کی ناشکری کر کے عذاب کی طرف جا رہے ہو! باقی ہر چیز کس طرح اپنی ذمہ داری پوری کر رہی ہے تو تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم کس کس مہربانی کی ناشکری کرو گے؟ اُس کی کس کس نعمت کو بھلا دو گے؟ فرمایا: يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿٢٢﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٢٣﴾ ان (دونوں دریاؤں) سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے۔

اُس نے زیرِ آب بھی خزانے پیدا کر دیے ہیں تم سمندروں سے موتی اور مونگوں کے علاوہ تیل نکال رہے ہو۔ سمندروں سے جواہرات نکل رہے ہیں، پانی سے موتی نکل رہے ہیں، زمین کے سینے سے تو نکالتے ہی تھے تم سمندروں سے بھی سامانِ زینت کے خزانے نکال رہے ہو۔ اس قادرِ مطلق نے کتنی دولت، نعمتیں، دوائیں، غذائیں بے شمار اسبابِ حیات ان شور سمندروں میں بھی رکھ دیے ہیں۔ تم کبھی بیٹھ کر سوچو تو سہی۔ اس بات پر غور و فکر تو کرو کہ تم کس کس انعام کو بھولو گے؟ کس کس نعمت کی ناشکری کرو گے؟ فرمایا: وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنشَآتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ﴿٢٤﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٢٥﴾ اور جہاز بھی اُسی کے ہیں جو سمندر میں پہاڑوں کی طرح اونچے کھڑے ہوتے ہیں۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

اللہ نے تمہیں توفیق دی تو اُس کے عطا کردہ وسائل سے تم بڑے بڑے بحری جہاز بنا لیتے ہو جو

بے شمار مخلوق اور ٹنوں کے حساب سے سامان اٹھائے سطح آب پر تیرتے ہیں۔ پانی کو وزن اٹھانے کی طاقت، لکڑی کو تیرنے کی طاقت، تمہیں جہاز بنانے کا شعور کس نے دیا؟ یہ پہاڑوں کی طرح کے بڑے بڑے بحری جہاز تمہارے نہیں ہیں یہ سب تمہارے ربّ کے ہیں۔ تم نے لکڑی پیدا کی نہ لوہا پیدا کیا۔ تم نے دماغ پیدا کیا نہ فکر پیدا کی۔ یہ کاروبار کا احساس، یہ طریقۂ کار، زیر آب نعمتیں، سطح آب پر سفر یہ ساری نعمتیں اُس کی عطا ہیں۔ اُس کا کرم ہے اُس نے تمہیں انسان بنایا، دماغ دیا، فہم و شعور دیا۔ تمہیں ضروریاتِ زندگی دیں اور اُن کی تکمیل کے انداز سکھا دیے۔ خشکی تو خشکی تم سمندروں پر بھی راج کر رہے ہو۔ تمہارے لیے بحری راستے بن گئے، سفر بھی کرتے ہو اور سامانِ تجارت موتی مونگے، سونا تیل، غذا، دوا مچھلیاں کتنی نعمتیں حاصل کر رہے ہو۔ یہ سب اُسی کی دَین ہے۔ اپنے گرد اگرد، اپنے ماحول کو دیکھو اور سوچو کہ تم کس کس نعمت سے لطف اندوز ہو رہے ہو! کیا تم اس کا شکر ادا نہیں کرو گے؟ کیا تم سب کچھ بھلا دو گے، ناشکری کرو گے؟

سورۃ الرحمن رکوع 2 آیات 26 تا 45

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝٢٦ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝٢٧ فَبِاَيِّ
اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝٢٨ يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ
شَاْنٍ ۝٢٩ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝٣٠ سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ۝٣١
فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝٣٢ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ
تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ۭ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا
بِسُلْطٰنٍ ۝٣٣ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝٣٤ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ
وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ۝٣٥ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝٣٦ فَاِذَا انْشَقَّتِ
السَّمَاۗءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ۝٣٧ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝٣٨ فَيَوْمَىِٕذٍ
لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَاۗنٌّ ۝٣٩ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝٤٠ يُعْرَفُ
الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ۝٤١ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبٰنِ ۝٤٢ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۝٤٣ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا
وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ۝٤٤ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝٤٥

جو (مخلوق) زمین پر ہے سب کو فنا ہونا ہے ﴿۲۶﴾ اور آپ کے پروردگار کی ذات
جو عظمت اور احسان والی ہے باقی رہے گی ﴿۲۷﴾ سو تم اپنے پروردگار کی کون کون
سی نعمت کا انکار کرو گے ﴿۲۸﴾ اسی سے سب آسمان اور زمین والے مانگتے ہیں وہ
ہر روز کسی نہ کسی کام میں رہتا ہے ﴿۲۹﴾ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا

انکار کرو گے ﴿۳۰﴾ اے جن وانس! (ہم عنقریب (حساب کتاب کے لیے) تمہاری طرف متوجہ ہوتے ہیں ﴿۳۱﴾ توتم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے ﴿۳۲﴾ اوراے جن وانس کے گروہ! اگر تم یہ کر سکتے ہو کہ آسمانوں اور زمین کی حدود سے کہیں باہر نکل جاؤ، تو نکل جاؤ مگر طاقت کے سوا تم نکل سکتے ہی نہیں ﴿۳۳﴾ توتم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے ﴿۳۴﴾ تم پرآگ کے شعلے اور دھواں چھوڑ دیا جائے گا پھر تم (اس کو) ہٹا نہ سکو گے ﴿۳۵﴾ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے ﴿۳۶﴾ پس جب آسمان پھٹ جائے گا تو اس طرح ہو جائے گا جیسے سرخ چمڑا ﴿۳۷﴾ توتم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے ﴿۳۸﴾ اس روز کسی انسان اور جن سے (معلوم کرنے کے لیے) اس کے جرم کے بارے نہ پوچھا جائے گا ﴿۳۹﴾ توتم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے ﴿۴۰﴾ گناہگار اپنے چہرے سے ہی پہچان لیے جائیں گے پھر پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے پکڑ لیے جائیں گے ﴿۴۱﴾ توتم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے ﴿۴۲﴾ یہی وہ جہنم ہے جسے گناہگار لوگ جھٹلاتے تھے ﴿۴۳﴾ وہ اس (دوزخ) میں اور (اس کے) کھولتے ہوئے پانی کے درمیان گھومتے پھریں گے ﴿۴۴﴾ توتم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے ﴿۴۵﴾

تفسیر و معارف

دنیا کو فنا ہے، ذاتِ باری کو بقا ہے:

فرمایا: كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿۲۶﴾ جو (مخلوق) زمین پر ہے سب کو فنا ہونا ہے۔ اس زمین و آسمان میں جو کچھ ہے اپنی ذات میں فانی ہے سب کچھ فنا ہونے والا ہے۔ ہر چیز تباہ و برباد ہو جائے گی۔ مکان گرتا ہے تو سب کچھ ختم ہو جاتا ہے لیکن اس کا ملبہ تو باقی رہ جاتا ہے کوئی چیز جل جاتی ہے تو اس کی راکھ باقی رہ جاتی ہے۔ سلطنتیں گرتی ہیں تو

رعیت غلام ہو جاتی ہیں مگر افراد تو ہوتے ہیں۔ فَان سے مراد ہے کہ دنیا کا تو نام ونشان تک نہیں رہے گا ملبہ رہے گا نہ راکھ ملے گی بلکہ یہ فنا ہو جائے گی۔ انسان اس میں کھو کر اطاعتِ الٰہی اور دامانِ پیامبر صلی اللہ علیہ وسلّم کو چھوڑ دیتا ہے، رشوت لے لیتا ہے، سود لیتا ہے چوری کرتا ہے، ناپ تول میں کمی کر لیتا ہے۔ یہ سب تو فنا ہو جائے گا۔ بھلا اس کی کیا حیثیت رہ جائے گی! البتہ کردار رہ جائے گا کہ تم نے اللہ کی اطاعت کی یا نافرمانی کی! آج تو کافر ومنکر بھی سائنسی اعتبار سے اس بات کے قائل ہو رہے ہیں کہ جب سے دنیا بنی ہے اس دن سے لے کر آج تک جو لفظ کسی کے منہ سے نکلا ہے وہ فضا میں موجود ہے یعنی کردار کی چھاپ موجود ہے۔ فرمایا کردار رہ جائے گا ہر چیز فنا ہو جائے گی۔ یہ کتنی نادانی ہے کہ فانی چیزوں کی خاطر اس ذاتِ باقی کا دامن چھوڑ دے! ہر چیز جس پر تم فدا ہو رہے ہو فنا کے گھاٹ اتر جائے گی۔ جب بندے کو یہ اعتبار آ جائے تو وہ اس کو کیوں اتنا چمٹائے رکھتا ہے؟ وہ سمجھتا ہے شاید میرے پاس ہمیشہ یہی حال رہے گا۔ اگر ہم کسی کو دس کروڑ دیں اور اسے کہیں کہ ابھی رکھ لو لیکن دو دن بعد ڈاکا پڑ جائے گا۔ وہ کہے گا کہ میں نہیں لیتا، نہ لوں گا نہ میرے گھر ڈاکو آئیں گے! فرمایا، جس پر فدا ہو کر تم اطاعتِ الٰہی سے منہ موڑ رہے ہو اس پر ڈاکا پڑنے والا ہے، اس کا تو نام ونشان مٹ جائے گا۔ فرمایا: وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿٢٧﴾ اور آپ کے پروردگار کی ذات جو عظمت اور احسان والی ہے باقی رہے گی۔ ہر چیز فنا ہو جائے گی لیکن تیرے ربّ کا جمال باقی ہوگا۔ اُس کی ذات دائمی، اُس کا حسن دائمی، اس کا کرم اور غضب بھی دائمی ہے۔ اُس کی ذات اور تمام صفات باقی اور دائمی ہیں۔ ذُو الْجَلٰلِ ۔۔۔ وہ ذات ایسی ہے جسے حقیقتاً عظمت وبڑائی سزاوار ہے اور جس سے کبھی چھنے گی نہیں۔ دنیا میں کوئی کتنی بلندی تک پہنچ جائے گر جائے گا۔ کوئی بادشاہ بن جائے، حکمران بن جائے ایک دن مر جائے گا۔ کوئی کتنا امیر ہو جائے ایک دن فقیر ہو جائے گا دولت زمین پر ہوگی اور وہ خود قبر میں اتر جائے گا۔ اُس کے ساتھ قبر میں زر وجواہر جائیں گے؟ اگر قبر میں رکھ بھی دیے جائیں تو اُس کے کس کام کے؟ یہ سب فانی چیزیں ہیں لیکن جمالِ باری، تیرے پروردگار کا حسن ہے جسے بقا ہے، فرمایا: وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿٢٧﴾ تیرے پروردگار کا جمال، اُس کی احسان کرنے والی ذات جو بہت بڑی عظمتوں کی مالک ہے ہمیشہ باقی ہوگی۔ وہ اتنی جلالت کے باوجود اتنا مہربان ہے ہر ایک پر احسان فرما رہا ہے۔ کسی کا رزق بند نہیں کرتا۔ کسی کو راہنمائی سے محروم نہیں رکھتا، حیات نہیں چھینتا وہ کسی کو نہیں بھولتا۔ وہ بہت بڑا احسان کرنے والا ہے۔ فرمایا: فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٨﴾ سو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے۔ انسان کو اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ وہ ذات کتنی مہربان ہے اور اس کے کتنے احسانات ہیں۔ دنیا کے امور میں تو ہر بات پر غور کرتا ہے سوچ بچار کرتا ہے۔ کہیں زمین خریدنی ہو تو مشورہ کرتا ہے کہ اُس کی

آئندہ قیمت بڑھے گی یا نہیں۔ اگر گھر بنانے کے لیے خریدنا چاہتا ہے تو دیکھتا ہے اس میں کلر یا سیم تو نہیں۔ اگر زراعت کے لیے زمین لینا چاہتا ہے تو دیکھتا ہے کہ زرخیز ہے۔ کیا یہ کبھی ذاتِ باری کے بارے بیٹھ کر سوچتا ہے کہ اس کی کتنی مہربانیاں کتنے کرم ہیں اُس پر؟ فرمایا، کبھی سوچو کہ تم اپنے ربّ کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟ یہ آیت بار بار دہرائی جا رہی ہے۔ اگر مفہوم سمجھ آجائے تو پتا چلتا ہے کہ اس کی ضرورت تھی۔ یہ یاد دلانا ضروری تھا۔ یہ بھی اللہ کا احسان ہے کہ بار بار یاد دلاتا ہے کہ اس بات پر غور کرو کہ اس نظامِ کائنات میں اُس کے کتنے احسانات سے مستفید ہو رہے ہو۔ کیا اُس کی اطاعت کی جانی چاہیے یا ناشکری کا کوئی جواز ہے۔ ہر کام میں غور و فکر کرتے ہو تو یہ بھی سوچو کہ اس کریم ربّ کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے! اس کے کس کس احسان کی ناشکری کرو گے؟ کبھی سوچو تو سہی کیا کرو کیا نہ کرو! اُس کی شان تو یہ ہے فرمایا: یَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ ﴿۲۹﴾ اسی سے سب آسمان اور زمین والے مانگتے ہیں وہ ہر روز کسی نہ کسی کام میں رہتا ہے۔ وہ صاحبِ اکرام ہے اور ساری مخلوق اس کی محتاج ہے۔ زمین کی گہرائیوں سے لے کر آسمانوں کی بلندیوں تک ہر چیز اس کے سامنے دستِ سوال دراز کیے ہوئے مانگ رہی ہے۔ ہر ذرّہ اپنا وجود اُسی سے مانگ رہا ہے، اپنی صفات اُسی سے مانگ رہا ہے، اپنا رزق اسی سے مانگ رہا ہے، انسان، حیوان، زمین اور آسمان اور جو کچھ اُن میں ہے سب اُس سے ہمہ وقت لے رہی ہیں اور وہ اس سے ذرا نہیں گھبراتا بلکہ ہر لمحے اُس کی عظمتوں اور احسانات کا ایک نیا رنگ آجاتا ہے۔ ہر ذی روح، جمادات و نباتات، ساری کائنات میں ساری مخلوق ہمہ وقت مانگ رہی ہے۔ وہ دیے جا رہا ہے کسی کو ٹھکراتا نہیں ہے کسی سے ناراض نہیں ہوتا کسی سے کوئی وصف نہیں روکتا کوئی ایک مانگنے والا ہو، دو ہوں، دس ہوں! یہاں تو ہر کوئی محتاج ہے سوالی ہے لیکن وہ ہر ایک کو دے رہا ہے ہر نعمت دے رہا ہے اور ہر لمحے، ہر روز، نئی عطا، نئے احسانات کیے جا رہا ہے۔ اس کی عظمت کا اظہار اس کی شان کے کئی پہلوؤں سے ہو رہا ہے۔ فرمایا: فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۰﴾ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے۔ تم اُس کی ان مہربانیوں کو کیسے بھول جاؤ گے؟ اس کے کس کس کرم سے منہ موڑو گے؟

آخرت میں جوابدہی، یقینی بات ہے:

فرمایا: سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَیُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿۳۱﴾ اے جن و انس! ہم عنقریب حساب کتاب کے لیے تمہاری طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

یہاں قرآن نے 'ثقلٰن' کا لفظ استعمال کیا ہے یعنی زمین کے دو بوجھ، دنیا میں دو طرح کی مخلوق مکلف ہے یعنی انسان اور جنّ، انہیں ثقلین کہتے ہیں۔ آج کل تو یہ نام رکھا جاتا ہے اور ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا نام نامی بھی جوڑ لیا جاتا ہے۔ یہ درست نہیں ہے۔ دراصل لوگ ناموں کے صوتی اثر سے متاثر ہو جاتے ہیں جبکہ مفہوم پر کم ہی توجہ دیتے ہیں بلکہ جانتے ہی نہیں۔ فرمایا، اے جنّ و انس تم مکلف مخلوق ہو جنہیں حساب دینا ہے۔ بات اسی دنیا تک ختم ہو جاتی تو کوئی بات تھی لیکن ایسا نہیں ہے۔ عنقریب یہ نظام لپیٹ دیا جائے گا ہر چیز فنا ہو جائے گی۔ پھر ہم ہوں گے اور تم ہو گے۔ یہاں 'فراغ' کا لفظ استعمال ہوا ہے یعنی ہر چیز سے فارغ ہو جائیں گے۔ اے جنوں اور انسانو! صرف ہم ہوں گے اور تم ہو گے پھر بات ہو گی۔ یہ کائنات ختم ہو جائے گی، کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ اللہ کی بارگاہ ہو گی اور تم ہو گے۔ ہم تم سے پوچھیں گے کہ تم نے کیا کیا۔ تم نے اس دن کی کیا تیاری کی ہے؟ ابھی وقت ہے تمہارے پاس، موت آئے گی تو دارِ عمل ختم ہو جائے گا۔ فرمایا: فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٢﴾ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے۔ تم نے کتنی نعمتوں کا شکر ادا کیا اور اس حساب اور جوابدہی کی کتنی تیاری کی؟ لوگوں کو دفن کر کے بےفکر ہو جاتے ہو۔ ذرا سوچو تمہیں بھی ایک دن قبر میں اترنا ہے۔ بہت جلد تمہارے اعمال کو پرکھا جائے گا۔ نعمتوں کا انکار یا بےعملی غضبِ الٰہی لائے گی اور شکر اور اطاعت کرم کا سبب بنے گی۔ تم اللہ کے کس کس احسان کو بھولو گے کس کس انعام کی ناشکری کرو گے؟ کبھی سوچو تو سہی۔ ہر کام کے لیے سوچتے ہو اس کے ماہرِ فن سے بات کرتے ہو۔ یہ جو تعلقاتِ باری ہیں اس کے ماہر انبیاؑ ہوتے ہیں۔ وہ انسانوں کے ان کے ربّ کے ساتھ ٹوٹے ہوئے تعلقات کو، ٹوٹے ہوئے دلوں کو، مرمتِ طلب شعور کو مرمت کر دیتے ہیں اور انہیں ذاتِ باری سے جوڑ دیتے ہیں۔ گناہ کی غلاظت اور کفر کی سیاہی دور کرتے ہیں دلوں کو روشن اور مہکا کر جمالِ الٰہی کا سزاوار بناتے ہیں۔ کیا ایسا کوئی جوڑنے والا تلاش کیا؟ کبھی مرمت کا خیال آیا؟ آج وقت ہے، سوچ لو کہ تم کس کس نعمت کی ناشکری کرو گے؟ کل ہماری بارگاہ ہو گی اور تمہارا کردار ہو گا۔ ہر عمل، ہر سوچ پر اثر مرتب ہو رہا ہو گا۔ ذرا سوچو تم کیا خرید رہے ہو، کیا بیچ رہے ہو؟ کل قبر میں میدانِ حشر میں برزخ میں تمہارے دامن میں کیا ہو گا۔ فرمایا: يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ۭ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿٣٣﴾ اے جنّ وانس کے گروہ! اگر تم یہ کر سکتے ہو کہ آسمانوں اور زمین کی حدود سے کہیں باہر نکل جاؤ تو نکل جاؤ مگر طاقت کے سوا نکل سکتے ہی نہیں۔

فرمایا، اے جنوں اور انسانو! اگر تمہیں یہ خیال ہو کہ تم ارض و سما کی حدود سے نکل سکتے ہو تو ایسا کر کے دیکھ

لو۔ اگر نکل بھی جاؤ تو اللہ کے قبضہء قدرت سے باہر نہیں جا سکتے حالانکہ تم ایسا بھی نہیں کر سکتے۔ تم ارض و سما کی حدود سے نکل ہی نہیں سکتے سوائے اس کے کہ اللہ ہی اس کی طاقت دے دے۔ اللہ نے فرشتوں کو طاقت دی ہے تو وہ آسمانوں پر جاتے ہیں زمین پر بھی آ جاتے ہیں۔ جنات بھی جسمِ لطیف رکھتے ہیں اور نظر نہیں آتے۔ یہ بھی آسمانوں پر چلے جاتے تھے۔ ابلیس بھی جن تھا جو آسمانوں پر رہا پھر اللہ کریم نے آسمانوں پر ان کا داخلہ بند کر دیا تو یہ آسمانوں کے ساتھ جا کر بیٹھنے کی جگہ بنا لیتے تھے اور وہاں سے فرشتوں کی باتیں سننے کی کوشش کرتے تھے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو بعثتِ عالی کے بعد ان کا وہاں بھی داخلہ بند کر دیا گیا۔ فرمایا، پہلی بات تو یہ ہے کہ کوئی انسان یا جن بغیر اللہ کی عطا کردہ طاقت کے ارض و سما کے نظام سے نکل نہیں سکتا اور اگر وہ آسمانوں سے آگے چلا بھی جائے تو اللہ کے اختیار سے باہر نہیں جاتا کہ وہاں بھی اللہ کی قدرت ہے، اُسی کا قبضہ ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام، شبِ معراج وجودِ عالی سمیت آسمانی حدود سے بالاتر جہاں تک ربّ نے چاہا تشریف لے گئے۔ اللہ کریم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو طاقت دی اور کن بلندیوں پر پہنچایا یہ کوئی نہیں جانتا۔ البتہ یہ سب جانتے ہیں آسمانوں کی حدود سے بالا تشریف لے گئے۔ اسی طرح مقبولانِ بارگاہ اور اہل اللہ کی ارواح سفر کرتی ہیں اور اُن کا پہلا قدم ہی آسمانوں سے بالاتر ہوتا ہے۔ روح مراقبے میں سب سے پہلے جہاں پہنچتی ہے وہ مقام احدیت ہے جو ساتوں آسمانوں سے نہایت بالاتر عرشِ عظیم کا گویا دروازہ ہے۔ اللہ کریم جہاں تک چاہتے ہیں کسی کو لے جاتے ہیں ورنہ از خود کوئی اپنی فطری، انسانی یا جناتی طاقت سے نہیں جا سکتا۔ جب تم اس کے قبضہء قدرت سے باہر نہیں جا سکتے اُس کی سلطنت کی حدود سے باہر نہیں جا سکتے، اُس کی دیے بغیر تمہارے پاس رزق کا کوئی ساماں نہیں ہے تو فرمایا: فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۴﴾ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے۔

ایک بادشاہ کے ملک میں بھی رہتے ہو۔ تمہارے جینے کا سارا اہتمام بھی وہی کرتا ہے، اُسی کے وظیفے پر زندہ ہو۔ پھر اُس کی نافرمانی کیا کیا تصور بھی کیا جا سکتا ہے؟ کبھی یہ سوچا ہے کہ ایک ہستی جو تمہاری خالق ہے مالک ہے، رازق ہے اور اس کے قبضہء قدرت سے باہر نکلنا ناممکن ہے تو اس کی کس کس نعمت کی ناشکری کر رہے ہو، کیسے کر سکتے ہو؟

کفرانِ نعمت کی سزا:

فرمایا: یُرْسَلُ عَلَیْکُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿۳۵﴾ تم پر آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑ دیا جائے گا پھر تم (اس کو) ہٹا نہ سکو گے۔ اللہ کی نعمتوں سے کفر اور انکار کا انجام تو آگ کی لپٹیں اور شعلے ہی

شعلے ہوں گے جو جلائیں گے تو انسان جلتا ہی رہے گا لیکن جل کر راکھ نہیں ہوگا بلکہ مسلسل اُس ایذا میں مبتلا رہے گا۔ اُس پر ایسا دھواں چھوڑ دیا جائے گا جس سے دم گھٹے گا یعنی طرح طرح کے عذاب مسلط کیے جائیں گے۔ یہ نافرمانی اور نعمتوں کے انکار کی سزائیں ہیں تو فرمایا: فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۶﴾ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے۔

دنیا میں تو بندہ آگ سے بھاگ سکتا ہے، دھویں سے باہر نکل سکتا ہے، بچنے کی کوشش کرسکتا ہے لیکن فرمایا، جہنم کی آگ اور دھویں سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔ تم اس سے کوئی راہ فرار نہ پاؤ گے۔ کوئی ایسا حیلہ نہ کرسکو گے کہ جان بچا سکو۔ کبھی سوچو تو سہی کہ اس کے کس کس احسان کو ٹھکرا رہے ہو!

یہ سوال اکثر پوچھا جاتا ہے کہ انسانی نافرمانی دس سال یا پچاس، ساٹھ یا سو سال کرتا ہے پھر اُسے ابدالاباد سزا کیوں ہوگی؟ قرآن کریم نے جو جواب دیا ہے وہ سب سے زیادہ موزوں ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ یہ تو ہم نے ان پر موت بھیج دی اگر یہ ابدالاباد زندہ رہتے تو یہی کفر کرتے رہتے۔ زندگی ان کے بس میں نہیں تھی اگر ان کے اختیار میں ہوتی تو یہ ہمیشہ جیتے رہتے اور ہمیشہ کفر ہی کرتے۔ اس لیے سزا بھی دائمی ہے۔

ایک عام سی مثال سے یہ بات سمجھی جاسکتی ہے۔ ایک شہد کی مکھیوں کا چھتہ ہو اور اُس میں ہزاروں مکھیاں موجود ہوں۔ آپ کو کوئی متنبہ بھی کر دے کہ اس چھتے پر پتھر نہ پھینکنا یا اس کو چھیڑنے سے گریز کرنا ورنہ مکھیاں کاٹیں گی۔ آپ وہ نصیحت سنی ان سنی کر کے اُس چھتے پر ایک پتھر پھینک دیتے ہیں تو وہ ہزاروں مکھیاں نکل کر جھپٹ پڑیں گی۔ اب آپ یہ کہیں کہ میں نے پتھر تو ایک پھینکا تھا لیکن اتنی مکھیاں کیوں آگئیں تو بے جا بات ہوگی۔ اس لیے کہ آپ کو متنبہ کیا گیا تھا کہ اس میں ہزاروں مکھیاں ہیں اگر اس کو چھیڑا تو سب آجائیں گی۔ اسی طرح دوزخ کے عذاب بھی بے شمار ہیں اور اُن کی عجیب عجیب صورتیں اور مدتیں ہیں۔ ہر دور میں انبیاؑ اور رسلؑ بھیج کر کتابیں اور صحائف نازل فرما کر انسان کو بتایا گیا کہ یہ جرم کرو گے تو یہ اس کی سزا ہوگی۔ اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔

ایسا وقت آنے والا ہے، فرمایا: فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَکَانَتْ وَرْدَۃً کَالدِّھَانِ ﴿۳۷﴾ پس جب آسمان پھٹ جائے گا تو اس طرح ہو جائے گا جیسے سرخ چمڑا۔

یہ آسمان جو صدیوں سے یونہی چادر تانے کھڑا ہے جسے کبھی مرمت کی ضرورت بھی نہیں پڑی، وہ دائمی نہیں ہے۔ یہ بھی ایک روز پھٹ جائے گا اور جس طرح تیل کی تلچھٹ بن جاتی ہے اسی طرح سرخ رنگ کا ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ فرمایا: فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۸﴾ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے۔ جب

ایک ایسا وقت آنے والا ہے تو تم اس کی نعمتوں کی ناشکری ہی کیسے جاؤ گے؟ اگر تم اس کی نعمتوں کا شکر ادا نہ کر سکے جھٹلاتے ہی رہے تو اُس دن تمہارے پاس کون سی جائے پناہ ہوگی؟ اس دن اللہ کے سوا کوئی جائے پناہ ہی نہیں تو پھر تم ناشکری کر کے یہ دروازہ اپنے لیے کیوں بند کر رہے ہو؟ اُس کے علاوہ اور کون ہے جو اُس وقت تمہارے کام آسکے؟

فرمایا: فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ﴿۳۹﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۰﴾ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ﴿۴۱﴾ اس روز کسی انسان اور جن سے (معلوم کرنے کے لیے) اس کے جرم کے بارے نہ پوچھا جائے گا۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے؟ گناہگار اپنے چہرے سے ہی پہچان لیے جائیں گے پھر پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے پکڑ لیے جائیں گے۔ دنیا میں جو کسی جرم کے الزام میں پکڑا جاتا ہے تو ایسے تفتیشی ادارے ہوتے ہیں جو ملزم سے پہلے تفتیش کرتے ہیں کہ اُس نے جرم کیا ہے یا نہیں۔ فرمایا، اُس روز تفتیش نہیں ہوگی اس لیے کہ اللہ تمہارے جرائم سے پہلے ہی آگاہ ہے۔ اُسے پوچھ گچھ یا پڑتال کی ضرورت نہیں ہے۔ انسانوں اور جنوں سے تفتیش نہیں کی جائے گی کہ جیسے کسی کے جرائم ہوں گے ویسا ہی اُس کا حلیہ بھی ہو جائے گا۔ اُن کی شکلیں مسخ ہو کر اور وجود اس طرح کے بن جائیں گے کہ اُن کا حلیہ بتا دے گا کہ یہ فلاں فلاں جرم کرتا رہا۔ عذاب والے فرشتے اُس کا حلیہ دیکھ کر سمجھ لیں گے کہ کس کو جہنم کے کس درجے میں ڈالنا ہے۔ اُنہیں پوچھنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ بدکار اپنے چہروں سے پہچان لیے جائیں گے۔ اس لیے کہ جو جرائم کیے ہوں گے ویسی شکل بن جائے گی۔ اُسی قاعدے کے مطابق سر کے بالوں اور قدموں سے پکڑ لیے جائیں گے اور گھسیٹ کر جہنم واصل کیے جائیں گے۔

تصوف میں ایک مراقبہ کرایا جاتا ہے جسے رویتِ اشکال کہا جاتا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ بھی کراتے تھے۔ اس مراقبے میں اگر کشفاً دیکھا جائے تو روح کی شکل نظر آتی ہے۔ دنیا میں جیسا کسی کا کردار ہو ویسا حلیہ اس کی روح کا بن جاتا ہے۔ چنانچہ بظاہر انسان نظر آنے والے لوگوں کو جب رویتِ اشکال میں دیکھیں تو اژدھا سانپ خنزیر کتے اور عجیب وغریب درندے نظر آتے ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی انسان حلال جانور کی صورت میں نظر آئے بھیڑ بکری گائے، بیل یا اونٹ وغیرہ تو سمجھ لو کہ اس کا ایمان باقی ہے اور وہ نجات میں ہے اس کی شکل مسخ نہیں ہوئی۔ اس کی نجات ہو سکتی ہے۔ اگر کوئی انسانی شکل پر نظر آئے تو وہ مومنِ کامل اور مقبولِ بارگاہ ہوگا۔ فرماتے تھے کہ اکثریت لیکن اُن لوگوں کی ہے جو درندوں اور تکلیف دہ جانوروں کی شکل پر ہیں۔ اللہ کریم جس کے لیے چاہتے ہیں پردے ہٹا دیتے ہیں اور وہ کشفاً یہ دیکھ لیتا ہے۔ آخرت میں اس روز تو یہ صورتیں سامنے آ جائیں گی

اور سر عام دیکھی جاسکیں گی۔ فرمایا، پھر کس برتے پر کس جرأت پر تم اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہو؟ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۲﴾ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کا انکار کرو گے۔ اُس دن یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تم نے کیا کیا کیا کہ وہ تو پہلے اور شکلوں سے ہی عیاں ہوگا۔ البتہ یہ پوچھا جائے گا کہ ایسا کیوں کیا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادِ عالی کا مفہوم ہے کہ جس بندے پر یہ سوال ہو گیا کہ تُو نے ایسا کیوں کیا، وہ ضرور دوزخ جائے گا۔ اگر مومن پر بھی سوال ہو گیا تو اُس کی سزا بھگتنے کے لیے دوزخ میں ڈالا جائے گا چونکہ کسی کے پاس اللہ کی نافرمانی کرنے کا کوئی جواز یا دلیل نہیں ہے۔ فرمایا، دنیا میں تمہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے بتانے پر اعتماد نہیں تھا کہتے تھے جائیں گے تو دیکھیں گے تو اب دیکھو! فرمایا: هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ یُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ یَطُوْفُوْنَ بَیْنَهَا وَبَیْنَ حَمِیْمٍ اٰنٍ ﴿۴۴﴾ یہی وہ جہنم ہے جسے گناہگار لوگ جھٹلاتے تھے۔ وہ اس (دوزخ) میں اور (اس کے) کھولتے ہوئے پانی کے درمیان گھومتے پھریں گے۔

فرمایا، آج دیکھ لو لیکن آج صرف دیکھو گے ہی نہیں بلکہ آج بھگتنا پڑے گی۔ یہ وہ جہنم ہے جس کا تم انکار کرتے تھے یا تمہیں یقین نہیں آتا تھا۔ آج دیکھ لو لیکن آج توبہ کا موقع نہیں ہے کہ توبہ کر کے بچ سکو۔ اب اس میں گھومو، چکر لگاتے پھرو۔ کھولتے ہوئے پانیوں میں، پیپ، خون اور آگ کے دریاؤں میں موج کرو۔ دنیا میں تو انکار ہی کرتے رہے، ان نتائج سے غافل رہے فرمایا: فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۵﴾ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے۔ اے گروہ جن وانس اپنے پروردگار کے کتنے احسانات فراموش کریں گے؟

سورۃ الرحمٰن رکوع 3 آیات 46 تا 78

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿٤٦﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٧﴾ ذَوَاتَآ
اَفْنَانٍ ﴿٤٨﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٩﴾ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ ﴿٥٠﴾ فَبِاَیِّ
اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥١﴾ فِیْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿٥٢﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ
رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥٣﴾ مُتَّكِـِٕیْنَ عَلٰی فُرُشٍۭ بَطَآىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ وَجَنَا
الْجَنَّتَیْنِ دَانٍ ﴿٥٤﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥٥﴾ فِیْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ۙ
لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿٥٦﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥٧﴾
كَاَنَّهُنَّ الْیَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿٥٨﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥٩﴾ هَلْ
جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿٦٠﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦١﴾ وَمِنْ
دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿٦٢﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٣﴾ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿٦٤﴾ فَبِاَیِّ
اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٥﴾ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿٦٦﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٧﴾ فِیْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿٦٨﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٩﴾ فِیْهِنَّ خَیْرٰتٌ حِسَانٌ ﴿٧٠﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٧١﴾ حُوْرٌ
مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ ﴿٧٢﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٧٣﴾ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ
اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿٧٤﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٧٥﴾ مُتَّكِـِٕیْنَ عَلٰی
رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِیٍّ حِسَانٍ ﴿٧٦﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٧٧﴾ تَبٰرَكَ
اسْمُ رَبِّكَ ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿٧٨﴾

اور جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اس کے لیے دو باغ ہیں ﴿۴۶﴾ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے ﴿۴۷﴾ (یہ دونوں باغ) بہت سی شاخوں والے (ہوں گے) (یعنی قسم قسم کے پھل) ﴿۴۸﴾ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے ﴿۴۹﴾ ان دونوں میں دو چشمے جاری ہوں گے ﴿۵۰﴾ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے ﴿۵۱﴾ ان دونوں میں تمام پھلوں کی دو دو قسمیں ہوں گی ﴿۵۲﴾ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے ﴿۵۳﴾ وہ لوگ ایسے بچھونوں پر تکیہ لگائے ہوں گے جن کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے اور دونوں باغوں کے پھل بہت نزدیک ہوں گے ﴿۵۴﴾ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے ﴿۵۵﴾ ان میں نیچی نگاہ والی (حوریں) ہیں جن کو (اہلِ جنت) سے پہلے نہ کسی انسان نے چھوا اور نہ جن نے ﴿۵۶﴾ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے ﴿۵۷﴾ گویا کہ وہ یاقوت اور مرجان ہیں ﴿۵۸﴾ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے ﴿۵۹﴾ بھلا نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا اور کچھ ہو سکتا ہے! ﴿۶۰﴾ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے ﴿۶۱﴾ اور ان دو باغوں کے علاوہ دو باغ (اور) ہیں ﴿۶۲﴾ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے ﴿۶۳﴾ دونوں گہرے سبز ﴿۶۴﴾ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے ﴿۶۵﴾ ان میں دو چشمے ابل رہے ہیں ﴿۶۶﴾ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے ﴿۶۷﴾ ان میں پھل اور کھجوریں اور انار ہوں گے ﴿۶۸﴾ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے ﴿۶۹﴾ ان میں نیک سیرت، خوب صورت عورتیں ہوں گی ﴿۷۰﴾ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے ﴿۷۱﴾ حوریں ہوں گی جو خیموں میں محفوظ ہوں گی ﴿۷۲﴾ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے ﴿۷۳﴾ ان (اہلِ جنت) سے پہلے ان کو نہ کسی آدمی نے چھوا ہوگا

اور نہ جن نے ﴿۷۴﴾ توتم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے ﴿۷۵﴾ سبز قالینوں اور نفیس مسندوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے ﴿۷۶﴾ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے ﴿۷۷﴾ بڑا بابرکت نام ہے آپ کے پروردگار (اللہ) کا جو عظمت والے اور احسان والے ہیں ﴿۷۸﴾

تفسیر و معارف

آخرت میں انعاماتِ الٰہی:

وہاں صرف دوزخ اور سزائیں ہی نہیں ہیں، وہاں صرف سختی ہی نہیں ہے، کرم بھی بہت ہیں۔ فرمایا: وَلِمَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۝ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝ ذَوَاتَاۤ اَفۡنَانٍ ۝ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝ اور جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اس کے لیے دو باغ ہیں۔ توتم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے۔ (یہ دونوں باغ) بہت سی شاخوں والے (ہوں گے)۔ توتم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے۔

اس دنیوی زندگی میں جس نے اللہ سے حیا کی اور اپنے ربّ کے سامنے پیش ہو کر جواب دینے سے ڈرتا رہا یعنی اللہ کے حضور حاضر رہنے کا احساس قائم رکھا۔ اور اللہ کی اطاعت کا راستہ اختیار کیا اُس کے لیے دو دو جنتیں ہیں۔ نعمتیں بھی دوگنا ہیں اور باغات بھی دوگنا ہیں۔ یہ وصف اہل اللہ کا ہے کہ انہیں آخرت کا استحضار نصیب ہوتا ہے یعنی ہر حال میں اللہ کے سامنے پیش ہونے کی کیفیت نصیب رہتی ہے۔ اسی لیے اہل اللہ کو صاحبِ حال بھی کہا جاتا ہے۔ یہ حضوری کی کیفیت خلوصِ دل سے اطاعتِ الٰہی اور اتباعِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا سبب بن جاتی ہے۔ فرمایا، جو آخرت کی جوابدہی سے ڈر کر اللہ کی نافرمانی سے بچا اُسے ایک نہیں دو دو باغ، ایک نہیں ہزاروں محلات ہیں اور کروڑوں نعمتیں عطا کی جائیں گی۔ پھر تم کس لیے اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہو جبکہ اقرار میں اتنی نعمتیں اور انکار میں اتنے عذاب ہیں! فرمایا، یہ دونوں باغ خوب گھنے، سرسبز و شاداب ہوں گے اور بہاریں اپنے عروج پر ہوں گی۔ ہر طرف پھل، پھول اور ہری بھری شاخیں لہلہا رہی ہوں گی۔ فرمایا: فِیۡهِمَا عَیۡنٰنِ تَجۡرِیٰنِ ۝ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝ ان دونوں میں دو چشمے جاری ہوں گے۔ توتم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے۔

ان باغوں میں ابلتے چشموں کا پانی جاری ہوگا ہر باغ اپنے چشمے سے سیراب ہو رہا ہوگا یہ چشمے اور باغ سدا

بہار ہوں گے۔ دنیا کی طرح یہ نہیں دیکھنا پڑے گا کہ نہر میں پانی آئے تو باغ کو ملے بلکہ جہاں باغ ہوگا وہاں پانی پہلے موجود ہوگا۔ ایک نہیں بلکہ کئی کئی چشمے جاری ہوں گے۔ اللہ کریم اپنے ذاتی کلام میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے توسط سے یہ وعدے فرمارہا ہے تو تم نے کبھی سوچا ہے کہ کس کس انعام کو، اُس کی جنتوں کو ٹھکرا کر دوزخ کا راستہ اپنا رہے ہو؟ تم کس کس انعام کی ناشکری کرو گے؟ فرمایا: فِيهِمَا مِن كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجَانِ ﴿٥٢﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٥٣﴾

ان دونوں میں تمام پھلوں کی دو دو قسمیں ہوں گی۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے۔ ان باغات میں ہر پھل کی دو دو قسمیں یعنی کئی کئی طرح کے پھل ہوں گے۔ ایک پھل کی آگے کئی اقسام ہوں گی جن کی لذت جدا جدا ہوگی۔ تم اُس کے کس کس انعام کی ناشکری کرو گے؟ فرمایا: مُتَّكِئِينَ عَلَىٰ فُرُشٍ بَطَائِنُهَا مِنْ إِسْتَبْرَقٍ ۚ وَجَنَى الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ﴿٥٤﴾ وہ لوگ ایسے بچھونوں پر تکیہ لگائے ہوں گے جن کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے۔

اللہ کریم کی اس قدر رحمتیں برس رہی ہوں گی کہ یہ بندگانِ الٰہی جن تختوں پر تکیے لگا کر تشریف فرما ہوں گے اُن پر ایسے نفیس بچھونے ہوں گے جن کے استر بھی کمخواب اور ریشم کے ہوں گے۔ یہ لوگ اُن پر گاؤ تکیے لگائے مزے سے بیٹھے ہوں گے اور پھل دار شاخیں اُن پر جھک رہی ہوں گی تاکہ کسی کو اُٹھ کر پھل توڑنے کی زحمت بھی نہ ہو۔ پھلوں سے لدی ہوئی شاخیں ہوں گی۔ فرمایا: فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٥٥﴾ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے۔

ذرا سوچو کہ تم اپنے آپ کو کس کس انعام سے محروم کر رہے ہو۔ اللہ کی نافرمانی کر کے خود کو کتنی نعمتوں سے دور کر رہے ہو!

کیا جنّات جنت میں جائیں گے؟

اہلِ جنّت کے انعامات میں، فرمایا: فِيهِنَّ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ﴿٥٦﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٥٧﴾ ان میں نیچی نگاہ والی (حوریں) ہیں جن کو (اہلِ جنت) سے پہلے نہ کسی انسان نے چھوا نہ جنّ نے۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے۔

حور جنت کی مخلوق ہے اور اہلِ جنت کو خوبصورت باحیا نیچی نگاہ والی حوریں عطا کی جائیں گی جو پاکدامن ہوں گی۔ انہیں کسی نے چھوا تک نہیں ہوگا۔ یہ دو بہت خوبصورت صفات بیان کی گئی ہیں جنّت کی حوروں کی، جو دنیا میں خاتون کا بھی مرتبہ بڑھاتی ہیں۔ عورت کی بنیادی خصوصیت ہے حیا، پردہ داری اور نیچی نگاہ جس سے مراد ہوتی ہے کہ

دنیا پر نہ ریجھے۔ دوسری صفت ہے کہ باعصمت ہو پاکدامن ہو۔

فرمایا: لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ﴿٥٦﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٥٧﴾ كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿٥٨﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٥٩﴾ جن کو (اہلِ جنت) سے پہلے نہ کسی انسان نے چھوا اور نہ جن نے۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے فرمایا، اُن جنتیوں کو جو حوریں دی جائیں گی وہ باحیا، بے مثل و بے مثال حسین اور باحیا بھی ہوں گی اور اُن سے پہلے کسی انسان یا جن نے اُنہیں مس بھی نہ کیا ہوگا۔ بعض علما حضرات نے اس آیہء مبارکہ سے دلیل لی ہے کہ جنات بھی جنت میں جائیں گے لیکن یہ دلیل کمزور ہے۔ قرآنِ کریم نے جہاں جنات کو نافرمانی پر دوزخ کی وعید سنائی ہے وہاں اطاعت گزاروں کو جنت کی بشارت نہیں دی بلکہ فرمایا: وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ (الاحقاف: 31) اور تمہیں دردناک عذاب سے محفوظ رکھیں گے اُن کا اجر یہ ہوگا کہ وہ ختم کر دیے جائیں گے۔ اُنہیں دردناک عذابوں سے بچا کر واپس آگ کے شعلوں میں تبدیل کر دیا جائے گا۔ جن کے جرائم ہوں گے وہ جہنم میں سزا بھگتیں گے اور سزا پوری ہونے پر وہ بھی ختم کر دیے جائیں گے۔ کافر کے بارے ارشاد ہے: وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَا لَيْتَنِي كُنْتُ تُرَابًا (النبا:40) اور کافر کہے گا کاش میں مٹی ہو جاتا۔ یعنی کافر کہے گا کاش مجھے دوزخ بھیجنے کی بجائے مٹی میں ملا دیا جاتا۔

جنات کے لیے ایمان اور نیکی پر صرف نجات کا وعدہ ہے۔ جنات میں انسانوں کی طرح معرفتِ حق کی استعداد نہیں ہے۔ اگر یہ استعداد ہوتی تو جنات میں بھی نبوت ہوتی جبکہ جنات میں نبوت نہیں ہے، وہ انسانوں کے تابع ہیں۔ جنات میں عالمِ امر کی روح نہیں ہے اس لیے انہیں دوام نہیں۔ اُن میں روح حیوانی ہے جو محض حیات دیتی ہے۔ اہلِ جنت کو دوام ہے اور جنت میں صرف انسان جائیں گے جنہیں نورِ نبوت سے نوازا گیا ہوگا۔

یہاں عرفاً کہا گیا ہے کہ جیسے دنیا میں کسی خاتون کو جن کا سایہ ہو جاتا ہے کہاں کبھی جن کا سایہ بھی اُن حوروں پر نہیں پڑا ہوگا۔ سو انسان سوچے کہ وہ اپنے پروردگار کی کتنی نعمتوں سے خود کو محروم کرے گا؟ وہ حوریں تو اتنی حسین و نازک اندام ہوں گی جیسے ہیرے جواہرات ہوتے ہیں۔ اور باعصمت باحیا ہوں گی۔ ذرا سوچو، اپنے گریباں میں جھانکو، دیکھو اللہ کی نافرمانی تمہیں کس کس انعام سے محروم کر رہی ہے۔ تم کس انجام کی طرف بڑھ رہے ہو!

بھلائی کا بدلہ بھلا ہے:

فرمایا: هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿٦٠﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦١﴾ بھلا نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا اور کچھ ہو سکتا ہے! تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے۔

اگر تم خلوصِ دل سے دامانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم تھامو گے، اتباعِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم کرو گے، اطاعتِ الٰہی کرو گے تو یہ بھلائی ہے، نیکی ہے اور اس کا بدلہ بھلا ہی ہو سکتا ہے۔ نیکی اور بھلائی کا بدلہ احسان اور کرم نوازی کے سوا کیا ہوگا؟ تم اطاعت کرو گے تو یقیناً انعام پاؤ گے۔ اپنا محاسبہ کرو، سوچو کہ تمہارے لیے اللہ نے کتنی نعمتیں بنائیں، جنت بنائی اور تم نافرمانی کر کے خود کو کس کس انعام سے محروم کر رہے ہو!

فرمایا: وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿٦٢﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٣﴾ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿٦٤﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٥﴾ اور ان دو باغوں کے علاوہ دو باغ (اور) ہیں۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے۔ دونوں گہرے سبز۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے۔ وہ لوگ جو آخرت کا استحضار رکھ کر زندگی پرہیزگاری میں گزارتے ہیں، اُن کے لیے دو دو جنتوں کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ان باغوں کے علاوہ بھی عامۃ المومنین کے لیے، ہر ایک کی خاطر دو دو باغ ہوں گے۔ اُنہیں بھی دو دو جنتیں عطا ہوں گی۔ یعنی جنت کسی ایک باغ کا نام نہیں ہے کہ اس کی حدود و قیود ہوں۔ وہاں بے شمار وسیع و عریض باغات ہوں گے اور ہر ایک کی اپنی ملکیت ہوگی۔ یہاں کسی شہر میں کوئی باغ ہو تو سارے شہر کے لیے ہوتا ہے۔ فرمایا، وہاں سب کے اپنے اپنے وسیع و عریض بے شمار باغ ہوں گے۔ پھر انسان اللہ کے کس کس انعام کو ٹھکرائے گا! یہ باغ ایسے ہوں گے جن میں ہمیشہ ایک ہی موسم ہے، سدا بہار ہیں کہ ہمیشہ سرسبز رہیں گے۔ ان میں خزاں کا گزر نہیں۔ یہاں کے پھل ہمیشہ لگے ہوئے، شیریں ہوں گے، لذیذ ہوں گے۔ وہاں کے درخت خوب گہرے سبز ہوں گے جن کے پتے کبھی نہیں جھڑیں گے۔ دنیا کے باغوں میں بہار بھی آتی ہے، خزاں بھی آتی ہے۔ یہاں پھل لگتے ہیں تو انہیں پکنے میں وقت لگتا ہے جب کچے ہوتے ہیں تو کڑوے اور تلخ بھی ہوتے ہیں لیکن جنت کے پھل سدا بہار ہوں گے ہمیشہ مزیدار شیریں اور پکے ہوئے۔ تم نافرمانی کر کے کتنے انعامات سے خود کو دور لے جا رہے ہو! ذرا دیکھو۔ فرمایا: فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿٦٦﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٧﴾ ان میں دو چشمے ابل رہے ہیں۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے۔

ان باغوں کی خصوصیت یہ ہوگی کہ ہر باغ میں چشمے ابل رہے ہوں گے۔ دنیا میں تو خشک سالی سے بعض

اوقات چشمے بھی سوکھ جاتے ہیں اور پھر ہر باغ کو چشمہ بھی میسر نہیں ہوتا۔ یہاں تو باغ پانی کے محتاج ہیں لیکن جنت میں ہر باغ میں ابلتے ہوئے چشمے ہوں گے۔ جہاں کوئی باغ ہوگا پانی کو وہاں پہنچنا ہوگا وہ خواہ پہاڑ کی چوٹی پر ہو تو وہیں چشمے ابل پڑیں گے۔ انسان کبھی سوچے کہ وہ دنیا کی لذتیں اور راحتیں پانے کے لیے جب اللہ کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ کیا لے رہا ہے اور اللہ کی کیسی کیسی نعمتیں چھوڑ رہا ہے۔ دنیا تو فانی ہے یہ مٹ جائے گی۔ یہ تلخ ہے، ملتی بھی ہے تو ساتھ کڑواہٹ لاتی ہے، پریشانیاں لاتی ہے۔ جنت میں کوئی پریشانی نہیں ہے۔ وہاں کی خوشیاں دائمی ہیں اور نعمتیں بھی ابدی ہیں۔ فرمایا: فِيهِمَا فَاكِهَةٌ وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ ﴿٦٨﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٦٩﴾ ان میں پھل اور کھجوریں اور انار ہوں گے۔ توتم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے۔

ان باغات میں پھلوں کی کثرت ہوگی طرح طرح کے پھلوں سے لدے پھندے درخت ہوں گے۔ کھجوریں اور انار بھی ہوں گے۔ ان کے علاوہ بے شمار پھل ہوں جو ہمیشہ تازہ اور لذیذ ہوں گے۔ توتم اپنے پالنے والے کی کون کون سی نعمتوں کو ٹھکراؤ گے؟ کس کس انعام کو چھوڑو گے اور کس کی خاطر چھوڑ رہے ہو؟ ذرا دیکھتے رہو!

حور:

فرمایا: فِيهِنَّ خَيْرَاتٌ حِسَانٌ ﴿٧٠﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٧١﴾ حُورٌ مَّقْصُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ ﴿٧٢﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٧٣﴾ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ﴿٧٤﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٧٥﴾ ان میں نیک سیرت، خوبصورت عورتیں ہوں گی۔ توتم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے۔ حوریں ہوں گی جو خیموں میں محفوظ ہوں گی۔ ان (اہلِ جنت) سے پہلے ان کو نہ کسی آدمی نے چھوا ہوگا اور نہ جن نے۔ توتم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے۔

فرمایا، وہاں بہت ہی خوب سیرت، خوبصورت حوریں ملیں گی جو باحیا اور خیموں میں محفوظ ہوں گی۔ اُن کے حُسن کو کسی آنکھ نے دیکھا نہیں ہوگا۔ اُن پر کسی کی میلی نظر تک نہیں پڑی ہوگی نہ انہیں کسی نے مس کیا ہوگا۔ گویا کسی خاتون کے لیے حسین ہونا بھی بڑی صفت ہے لیکن اس کے ساتھ سیرت کا نیک ہونا اس کے حُسن کو چار چاند لگا دیتا ہے۔ خاتون کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ وہ گھر کی زینت ہے گھر کی عزت و آبرو ہے وہ شمعِ محفل نہیں ہے۔ حُورٌ مَّقْصُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ ﴿٧٢﴾ 'حوریں ہوں گی جو خیموں میں محفوظ ہوں گی' سے پتا چلتا ہے کہ خواتین کے حسن، طہارت پاکیزگی اور سارے کمالات میں اُن کے پردے کو بڑا دخل ہے۔ افسوس کہ آج ہماری عہد کی خواتین پردہ ترک کر کے سرِ بازار بن سنور کر نمائش کے لیے جا رہی ہیں۔ ہر میلی نگاہ اُن کے چہرے پر پڑتی ہے، اُن کے وجود پر پڑتی ہے۔ وہ

لباس بھی ایسا پہنتی ہیں کہ مختلف حیلے بہانوں سے بدن کا کوئی حصہ ننگا رہ جائے۔ دوسرا ایسا چست لباس زیب تن کرتی ہیں جس سے وجود کے خدوخال نمایاں ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی خواتین پر لعنت فرمائی ہے اور ایسے لباس کو بے لباسی قرار دیا ہے۔ مسلمان خواتین کو یہ حیا کرنی چاہیے۔ اپنی عورت ہونے کی عظمت کا احساس ہونا چاہیے عورت ماں ہے، بیٹی ہے، بہن ہے، بیوی ہے، گھر کی زینت ہے۔ کون ہے جو اپنی ماؤں بہنوں بیٹیوں کو اپنی بیویوں کو سرِ بازار رسوا ہوتا دیکھنا چاہتا ہے؟ کوئی بھی اسے پسند نہیں کرسکتا لیکن تہذیب مغرب نے مسلمان مردوں سے غیرت چھین لی ہے۔ بیٹی ناچ رہی ہوتی ہے اور باپ تالیاں بجا رہا ہوتا ہے۔ یہ کون سا اسلام ہے؟ یہ کون سی مسلمانی ہے؟

فرمایا وہ حوریں خیموں میں محفوظ، باعصمت پاکدامن ہوں گی جنہیں کسی اہلِ جنت نے مَس نہ کیا ہوگا۔ اُن کو کسی جنّ نے بھی مَس نہ کیا ہوگا۔ یہ بات پہلے بیان ہو چکی کہ جنات جنت میں نہیں جائیں گے یہاں عرفاً کہا گیا ہے کہ جیسے دنیا میں کسی خاتون کو جنّ پکڑ لیتے ہیں وہاں ایسا احتمال بھی نہیں ہوگا۔ یہ خصوصیات عورت کی بھی یہاں بیان ہو گئیں کہ نیک سیرت، باپردہ ہو گھر میں رہنے والی ہو اُس کی عصمت محفوظ ہو۔

ایک سوال جو اکثر سامنے آتا ہے کہ مردوں کے لیے تو حوریں ہیں تو عورتوں کو کیا ملے گا؟ عورتوں کی جگہ اگر حوریں لے لیں گی تو عورتوں کا کیا بنے گا؟ جنتی خواتین مالکہ ہوں گی اور حوریں ان کی خادمائیں! یاد رہے کہ حور جنت کی مخلوق ہے۔ جنت میں حور اور غلمان ہیں۔ یہ دونوں دنیا میں نہیں آئے۔ انہوں نے نفس اور شیطان کا مقابلہ نہیں کیا۔ انہوں نے ایمان لا کر نورِ نبوت حاصل نہیں کیا کہ یہ دنیا میں آئے ہی نہیں۔ حوروں کے حسن کا یہ عالم ہے کہ حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ اگر کوئی حور جنت سے اپنی ہتھیلی ظاہر کر دے تو سورج بے نور ہو جائے۔ جس طرح سورج نکلتا ہے تو جو بلب یا روشنی جل رہی ہوتی ہے اس کا جلنا نہ جلنا برابر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جنت کی حور اگر ایک ہتھیلی آسمان سے ظاہر کر دے تو سورج ماند پڑ جائے اور کائنات اُس کی روشنی سے روشن ہو جائے۔ اگر حوروں کو یہ حسن و جمال عطا ہوگا تو جن خواتین نے دنیا میں دامانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم تھاما ہوگا نفس اور شیطان کا مقابلہ کر کے اللہ کی اطاعت کی ہوگی اور نجات پا کر جنت میں داخل ہوں گی اُن کا مقام اور اُن کا حُسن حوروں سے کروڑوں درجہ افضل ہوگا۔ اہلِ جنت خواتین مالکہ کے درجے میں ہوں گی جبکہ حوریں کنیزیں اور خادمائیں ہوں گی۔ اگر حوروں کو اتنا حسن اور جوانی عطا ہوگی تو مالکائیں اُن سے زیادہ حسین اور زیادہ جوان ہوں گی۔ ان خواتین کا درجہ حوروں سے بہت بلند ہوگا۔ چنانچہ یہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ حوریں صرف مردوں کی کنیزیں ہوں گی۔ حوریں جنتی عورتوں کی بھی خدمتگار ہوں گی۔

فرمایا: مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ﴿۷۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۷﴾ سبز قالینوں اور نفیس مسندوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے۔

اہلِ جنت سبز رنگ کے خوبصورت قالینوں پر تکیے لگا کر بیٹھے ہوں گے جن میں ہیرے جواہرات جڑے ہوں گے۔ بہترین ماحول میں بیٹھے گپ شپ کر رہے ہوں گے۔ معطر ہوائیں ہوں گی، خوبصورت پھلدار درخت ہوں گے۔ بہترین خوبصورت خادمائیں ہوں گی اور خوبصورت ننھے منّے غلام ہوں گے۔ جنت کی حوریں ہمیشہ جوان رہیں گی اور غلمان ہمیشہ بچے ہی رہیں گے۔ ان کے بارے بعض علما لکھتے ہیں کہ غیر مسلموں کے جو نابالغ بچے فوت ہو جاتے ہیں اُن کو غلمان میں شامل کر دیا جائے گا۔ اللہ قادر ہے ایسا ہو سکتا ہے۔ چونکہ مسلمان کا جو بچہ ہوتا ہے اس کے ساتھ اس کے والدین کے عقیدے کے مطابق برتاؤ کیا جاتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ غیر مسلم بچوں کے ساتھ اللہ یہ مہربانی فرمادیں۔

انسان سوچے تو سہی کہ کس کس نعمت کا انکار کر رہا ہے۔ کیسے کیسے انعامات سے خود کو محروم کر رہا ہے۔ اپنے ربّ کی کس کس بخشش کو ٹھکرا رہا ہے۔

اسمِ ذات، سب نعمتوں کی کنجی:

فرمایا: تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۷۸﴾ بڑا بابرکت نام ہے آپ کے پروردگار (اللہ) کا جو عظمت والے اور احسان والے ہیں۔ سب سے زیادہ برکت والا نام تمہارے پروردگار کا ہے جو بہت عظمتوں کا مالک ہے اور صاحب اکرام ہے۔ جس کی عظمتوں کے بارے سوچنا بھی محال ہے جس کے احسانات اتنے وسیع ہیں کہ کسی کے سمندِ خیال بھی اُسے پا نہیں سکتے۔ اس کا اسمِ ذات، نامِ نامی ان تمام نعمتوں کی کنجی ہے اور دنیا کی تمام آلائشوں اور برائیاں سے بچنے کی دوا ہے۔ کبھی بیٹھ کر اس کا نام بھی دہرایا کرو۔ اُس کے نام کا ذکر کیا کرو کہ یہ بہت بابرکت ہے اس سے دل میں خلوص پیدا ہوتا ہے اور برائیوں سے بچنے کی توفیق ارزاں ہوتی ہے۔ اللہ کریم نے جنت اور دوزخ کی اتنی تفصیل بیان فرما کر یہ بھی بتا دیا کہ دوزخ سے بچنے اور جنت تک پہنچنے کا نسخہ کیا ہے۔ نیکی کو اختیار کرنے کے لیے دل میں آرزو کیسے پیدا کی جائے اور برائی سے بچنے کے لیے دل میں برائی سے نفرت کیسے آئے۔ فرمایا، تمہارے پروردگار کا نام بہت ہی بابرکت ہے۔ اس نام سے دلوں کو روشن کرو۔ اس کی تکرار کرتے رہو۔ اسے اتنا دہراتے رہو کہ صرف اللہ یاد رہے باقی کائنات محو ہو جائے۔ ساری مصیبتوں کا آسان ساحل ہے ذکر اللہ! یہ ایسا فعل ہے جو دوام چاہتا ہے۔ انسان کے ساتھ اس کی بشری کمزوریاں اور شیطان ہر وقت لگے ہیں۔ بندہ اپنے ایمان کو کیسے سلامت رکھے، نیکی کی تمنا دل میں کیسے زندہ رکھے، برائی سے کیسے نفرت کرے؟ فرمایا کثرت سے میرے نام کا ذکر کرتے رہو۔ اللہ کا تو نام ہی بہت برکت والا ہے اور وہ بہت عطا کرنے والا ہے۔

سورۃ الواقعۃ رکوع 1 آیات 1 تا 38

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿١﴾ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ﴿٢﴾ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ﴿٣﴾ اِذَا
رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ﴿٤﴾ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ﴿٥﴾ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ﴿٦﴾
وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ﴿٧﴾ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿٨﴾
وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴿٩﴾ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ﴿١٠﴾
اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿١١﴾ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿١٢﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٣﴾ وَقَلِيْلٌ
مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿١٤﴾ عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ﴿١٥﴾ مُّتَّكِئِيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ﴿١٦﴾
يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ﴿١٧﴾ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ
مَّعِيْنٍ ﴿١٨﴾ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ﴿١٩﴾ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ﴿٢٠﴾
وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿٢١﴾ وَحُوْرٌ عِيْنٌ ﴿٢٢﴾ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ﴿٢٣﴾
جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٤﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ﴿٢٥﴾ اِلَّا قِيْلًا
سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿٢٦﴾ وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ﴿٢٧﴾ فِيْ سِدْرٍ
مَّخْضُوْدٍ ﴿٢٨﴾ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿٢٩﴾ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿٣٠﴾ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ﴿٣١﴾ وَّفَاكِهَةٍ
كَثِيْرَةٍ ﴿٣٢﴾ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿٣٣﴾ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴿٣٤﴾ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ
اِنْشَآءً ﴿٣٥﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿٣٦﴾ عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿٣٧﴾ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٣٨﴾

جب واقعہ ہونے والی واقعہ ہوگی ﴿۱﴾ جس کے واقعہ ہونے میں کوئی جھوٹ
نہیں ﴿۲﴾ (کسی کو) پست کردے گی (کسی کو) بلند کردے گی ﴿۳﴾ جب زمین

کو سخت زلزلہ آئے گا ﴿۴﴾ اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے ﴿۵﴾ پھر غبار ہو کر
اڑنے لگیں گے ﴿۶﴾ اور تم تین قسم کے ہو جاؤ گے ﴿۷﴾ سو داہنے ہاتھ والے،
داہنے ہاتھ والے کیا (اچھے) ہیں! ﴿۸﴾ اور بائیں ہاتھ والے، بائیں ہاتھ والے
کیا (بُرے) ہیں! ﴿۹﴾ اور جو آگے بڑھنے والے ہیں (ان کا کیا کہنا!) وہ آگے
بڑھنے والے ہیں ﴿۱۰﴾ وہی اللہ کے مقرب ہیں ﴿۱۱﴾ نعمت کی بہشتوں میں ہوں
گے ﴿۱۲﴾ (ان میں) ایک بڑا گروہ تو اگلے لوگوں میں سے ہوگا ﴿۱۳﴾ اور
تھوڑے پچھلے لوگوں میں سے ہوں گے ﴿۱۴﴾ سونے کے تاروں سے بنے ہوئے
تختوں پر ﴿۱۵﴾ تکیہ لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے ﴿۱۶﴾ نوجوان (خدمت
گار) ہمیشہ ایک ہی حالت میں رہنے والے ان پر پھرتے ہوں گے ﴿۱۷﴾ یعنی
آبخورے اور آفتابے اور صاف شراب کے گلاس لے لے کر ﴿۱۸﴾ نہ اس سے
ان کو دردِ سر ہوگا اور نہ (اس سے) عقل میں فتور آئے گا ﴿۱۹﴾ اور پھل جن کو وہ پسند
کریں گے ﴿۲۰﴾ اور پرندوں کا گوشت جس طرح کا ان کا جی چاہے ﴿۲۱﴾ اور
بڑی آنکھوں والی حوریں ﴿۲۲﴾ جیسے (حفاظت سے) پوشیدہ رکھا ہوا
موتی ﴿۲۳﴾ یہ ان اعمال کا بدلہ ہے جو وہ کرتے تھے ﴿۲۴﴾ وہاں نہ بے ہودہ
بات سنیں گے اور نہ کوئی غلط بات ﴿۲۵﴾ سوائے اس کے کہ (ہر طرف سے) سلام
ہی سلام کی آواز آئے گی ﴿۲۶﴾ اور جو داہنے ہاتھ والے ہیں، کیا (اچھے) ہیں
داہنے ہاتھ والے ﴿۲۷﴾ بے خار بیریوں میں ﴿۲۸﴾ اور تہہ بہ تہہ کیلوں
میں ﴿۲۹﴾ اور لمبے لمبے سایوں میں ﴿۳۰﴾ اور پانی کے جھرنوں میں ﴿۳۱﴾ اور
کثرت سے پھل (والے باغوں) میں ﴿۳۲﴾ جو نہ ختم ہوں گے اور نہ (ان کی)
کوئی روک ٹوک ہوگی ﴿۳۳﴾ اور اونچے اونچے فرشوں میں ﴿۳۴﴾ بے شک ہم
نے ان (حوروں) کو اس طور پر پیدا فرمایا ﴿۳۵﴾ تو ان کو کنواریاں بنایا ﴿۳۶﴾
محبوبائیں ہیں ہم عمر ﴿۳۷﴾ یہ داہنے ہاتھ والوں کے لیے ہیں ﴿۳۸﴾

تفسیر و معارف

قیامت اور انسانوں کی درجہ بندی:

فرمایا: اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ① لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ② جب واقعہ ہونے والی واقعہ ہوگی۔ جس کے واقعہ ہونے میں کوئی جھوٹ نہیں۔ جب واقعہ ہونے والی یعنی قیامت قائم ہوگی جس کے قائم ہونے میں ذرا بھی شبہ نہیں اور اس کا قائم ہونا برحق ہے۔ انسان خواہشات کا اسیر ہوجاتا ہے اور بڑی لمبی امیدیں باندھتا ہے حالانکہ اس کی عمر اور صحت بتا رہی ہوتی ہے کہ لبِ گور ہے لیکن اُس کی تمنائیں ختم نہیں ہوتیں۔ اُسے فکر تو آخرت کی ہونی چاہیے تھی، فرمایا: اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ① جب واقعہ ہونے والی واقع ہوگی۔ قیامت قائم ہوگی تو یہ بہت بڑے انقلاب کا سبب ہوگی۔ انسان اپنی زندگی میں کتنی دولت جمع کرلے گا اور جو جمع کرے گا کہاں لے جائے گا؟ جب قیامت قائم ہوگی تو ہر چیز فنا ہوجائے گی، کچھ بھی نہیں بچے گا اور یہ ہر حال میں قطعی طور پر واقعہ ہوگی۔ دنیا میں انقلاب کی باتیں ہوتی رہتی ہیں لیکن اس روز انقلاب یہ ہوگا، فرمایا: خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ③ (کسی کو) پست کردے گی (کسی کو) بلند کردے گی۔ قیامت کا انقلاب یہ ہوگا کہ کسی کو بہت پستی میں گرا دے گی کہ بہت سے ایسے لوگ جو دنیا میں بادشاہ ہونے کا دعویٰ رکھتے تھے، امیر اور طاقتور ہونے کے زعم میں مبتلا تھے، ذلیل و رسوا ہوکر نچلے سے نچلے درجے میں چلے جائیں گے۔ کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو دنیا میں فقیر اور درویش نظر آتے تھے انہیں وہاں ایسی بلندی عطا ہوگی کہ شہنشاؤں سے زیادہ رتبہ پائیں گے۔ یہ بڑے بڑے متکبروں، جباروں کو ذلیل و رسوا کردے گی اور فقیروں، درویشوں کو سلطانوں جیسا مرتبہ عطا کردے گی۔ کسی کو پستیوں میں گرا دے گی کسی کو رفعتیں عطا کرے گی۔ جب یہ واقعہ ہوگی تو، فرمایا: اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ④ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ⑤ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ⑥ جب زمین کو سخت زلزلہ آئے گا۔ اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں گے۔ پھر غبار ہوکر اُڑنے لگیں گے۔

جب قیامت واقع ہوگی تو زمین کانپ اٹھے گی اور اس پر ایسا لرزہ طاری ہوگا کہ بہت بڑا زلزلہ آئے گا۔ دنیا میں جب کبھی زلزلے آئیں تو پہاڑ گرتے ہیں لیکن پہاڑ کا چھوٹا سا حصہ گرتا ہے جس سے کچھ لوگ مرجاتے ہیں۔ قیامت کا زلزلہ اتنا عظیم ہوگا کہ روئے زمین پر کوئی پہاڑ نہیں بچے گا اور یہ نہیں کہ گر جائیں گے بلکہ باریک سے باریک پس کر گرد و غبار میں ڈھل جائیں گے۔ بڑے بڑے ہمالہ جیسے پہاڑ خاک ہوکر ہوا میں اڑ جائیں گے۔ جب پہاڑوں کا یہ حال ہوگا تو پھر درخت اور باقی چیزیں کہاں بچیں گی؟ اس دن انسان، فرمایا: وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ⑦ اور تم

تین قسم کے ہو جاؤ گے۔

اُس دن تم از خود تین گروہوں میں بٹ جاؤ گے۔ تمہارے تین گروہ بن جائیں گے۔ فرمایا: فَاَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَۃِ ۬ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَۃِ ؕ﴿۸﴾ سو داہنے ہاتھ والے، داہنے والے کیا (اچھے) ہیں! یہ وہ لوگ ہوں گے جن کا نامہء اعمال اُن کے داہیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور اُنہیں عرشِ عظیم کی دائیں جانب کھڑا کیا جائے گا۔ کیا خوش نصیب لوگ ہوں گے۔ دوسرا گروہ، فرمایا: وَ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَۃِ ۬ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَۃِ ؕ﴿۹﴾ اور بائیں ہاتھ والے، بائیں ہاتھ والے کیا (برے) ہیں!

یہ دوسرا گروہ کفار و مجرمین کا ہوگا جنہیں اعمالنامے بائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے اور عرش کی بائیں جانب کھڑا کیا جائے گا۔ تم کیا جانو ان کا کیا حال ہوگا! اُن پر کیا بیتے گی! وہ کیا بد بخت لوگ ہوں گے جنہیں بائیں ہاتھ میں اعمالنامہ ملے گا!

تیسرا گروہ وہ ہوگا، فرمایا: وَ السّٰبِقُوۡنَ السّٰبِقُوۡنَ ﴿ۚۙ۱۰﴾ اُولٰٓئِکَ الۡمُقَرَّبُوۡنَ ﴿ۚ۱۱﴾ اور جو آگے بڑھنے والے ہیں (ان کا کیا کہنا!) وہ آگے بڑھنے والے ہیں۔ وہی اللہ کے مقرب ہیں۔

اُس دن تیسرا گروہ اُن لوگوں کا ہوگا جو بہت آگے بڑھ گئے، سبقت لے گئے۔ یہ عرشِ الٰہی کے سامنے بارگاہِ الٰہی میں ہوں گے۔ تجلیاتِ باری کے روبرو یہ اللہ کے بہت پیارے اور مقرب بندے ہوں گے۔ جیتنے والے، جیتنے والے ہی ہوتے ہیں۔ یہ سبقت لے جانے والے خوش نصیب اپنی منزل کو پا گئے اُنہیں عرشِ عظیم کے سامنے کھڑا کیا جائے گا اور جمالِ باری کے روبرو ہوں گے۔ فرمایا: فِیۡ جَنّٰتِ النَّعِیۡمِ ﴿۱۲﴾ نعمت کی بہشتوں میں ہوں گے۔

ان سبقت لے جانے والوں کو اعلیٰ ترین نعمتوں سے آراستہ جنتوں میں بھیجا جائے گا۔ سب سے اعلیٰ درجے جو جنت میں ہوں گے وہ ان سابقون کے لیے ہوں گے۔ اس مقام کو پانے والے خوش نصیب، فرمایا: ثُلَّۃٌ مِّنَ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿ۙ۱۳﴾ وَ قَلِیۡلٌ مِّنَ الۡاٰخِرِیۡنَ ﴿ؕ۱۴﴾ (ان میں) ایک بڑا گروہ تو اگلے لوگوں میں سے ہوگا۔ اور تھوڑے پچھلے لوگوں میں سے ہوں گے۔

اس اعلیٰ مقام کو اوّلین میں سے ایک کثیر جماعت پائے گی۔ گروہ در گروہ پہلوں میں سے لوگ ہوں گے جبکہ آخرین یعنی بعد میں آنے والے لوگوں میں سے بہت کم لوگ اس درجے کو پائیں گے۔ یہاں بعض مفسرینِ کرام نے یہ تاویل فرمائی ہے کہ اوّلین سے مراد حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم تک کے زمانہ کے لوگ ہیں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر مظہری میں اس پر بہت بحث فرمائی ہے اور دلائل سے ثابت کیا ہے کہ یہ سب حالات اُمتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے بیان فرمائے جا رہے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ قرآن کے

مخاطب اُمتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے لوگ ہیں۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ اس سے مراد پہلی امتوں کے لوگ ہیں تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے اس ارشادِ عالی کا کیا معنی ہے کہ خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ۔ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ (بخاری 2652 اور مسلم 2533) اوکما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم یعنی سب سے بہترین لوگ میرے زمانے کے ہیں پہلوں سے بھی اور پچھلوں سے بھی پھر اس کے ساتھ والے زمانے کے لوگ پھر اس کے ساتھ زمانے کے لوگ یعنی صحابہؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ، یہ بہترین لوگ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادِ عالی کے مطابق تمام زمانوں اور مخلوق میں یہ تین طبقے اور زمانے سب سے بہترین ہیں لہٰذا یہ ''اوّلین'' امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے لوگ ہوں گے۔ فرمایا: ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٣﴾ (ان میں) ایک بڑا گروہ تو اگلے لوگوں میں سے ہوگا۔ اس کثیر جماعت میں سارے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ ہیں۔ یہ مقرب بندے انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے زیرِ سایہ عرشِ عظیم کے سامنے ہوں گے۔ پہلی امتوں کے لوگ بھی ہوں گے لیکن اس آیۂ کریمہ کا مصداق صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ ہیں۔

فرمایا: وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿١٤﴾ اور تھوڑے پچھلے لوگوں میں سے ہوں گے۔ یہاں یہ نہیں فرمایا گیا کہ بعد میں آنے والوں سے بہت تھوڑے لوگ اس مرتبے کو پہنچیں گے۔ گویا سعادت موجود ہوگی، راستہ کھلا ہوگا لیکن لوگوں میں وہ جذبہء اطاعت و ایثار نہیں رہے گا۔ اُن میں وہ تڑپ اور جنون نہیں رہے گا جو صحابہ کرامؓ تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کو نصیب تھا۔ چنانچہ پچھلوں میں ایک قلیل جماعت ہوگی جو اس سعادت سے سرفراز ہوں گے۔ اس میں اولیاء اللہ، خاص خاص شہدا اور صالحین جنہیں اللہ کریم توفیق عطا فرمائیں گے، شامل ہوں گے۔ ان سب پر اللہ کریم کی بے پناہ نعمتیں ہوں گی۔

مقربین پر انعامات:

فرمایا: عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ﴿١٥﴾ مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ﴿١٦﴾ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ﴿١٧﴾ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿١٨﴾ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ﴿١٩﴾ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ﴿٢٠﴾ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿٢١﴾ سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر۔ تکیہ لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ نوجوان (خدمت گار) ہمیشہ ایک ہی حالت میں رہنے والے ان میں پھرتے ہوں گے۔ یعنی آبخورے اور آفتابے اور صاف شراب کے گلاس لے لے کر۔ نہ اس سے ان کو دردِ سر ہوگا اور نہ (اس سے) عقل میں فتور آئے گا۔

اللہ کے مقرب بندے جو اوّلین میں تو کثرت سے ہیں اور آخرین میں قلیل سہی مگر ہیں، اُن کی شان یہ ہوگی کہ نعمتوں کی جنتوں میں سونے کے تختوں پر جلوہ افروز ہوں گے۔ آمنے سامنے بیٹھے آپس میں خوش گپیوں میں مصروف ہوں گے۔ وہ ماحول انتہائی خوبصورت ہوگا کہ معطر فضا ہوگی اور انوارات وتجلیات ہر سو برس رہی ہوں گی۔ جنت کے خادم جو نوعمر لڑکوں کی صورت میں جنت میں ہی پیدا فرمائے گئے وہ ہمیشہ اسی عمر کے رہیں گے وہ بھاگ بھاگ کر ان کے احکامات کی پیروی کر رہے ہوں گے۔ اُنہیں انواع واقسام کے کھانے اور مشروبات پیش کر رہے ہوں گے۔ یہ مشروبات قیمتی سونے چاندی اور جواہرات سے مرصع آب خوروں میں لبالب بھر کر پیش کیے جائیں گے۔ جنت میں جو مشروب پیش کیے جائیں گے وہ دنیا کی شراب جیسے نہیں ہوں گے۔ وہ بہت لذیذ ہوں گے ان میں کوئی تلخی ہوگی نہ پینے سے دردِ سر ہوگا اور نہ ہی عقل میں فتور آئے گا۔ ان کی خوشبو بھی بہترین ہوگی، ذائقہ بھی بے حد لذیذ ہوگا اور اثرات بھی بہترین ہوں گے۔ اس کو پینے سے دماغ بھی روشن ہوگا۔ دنیا کی شراب کا ذائقہ بھی تلخ، بدبو بھی بری اور اثرات بھی نہایت خراب ہوتے ہیں۔ کسی نے شراب پی رکھی ہو اور وہ دوسرے سے بات کرے تو اس کی بدبو کا اثر سننے والا بھی محسوس کرتا ہے۔ اس کا ذائقہ اتنا تلخ ہوتا ہے کہ اس کا عادی شخص بھی جب گھونٹ بھرتا ہے تو اس کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات آجاتے ہیں۔ اس کا اثر اتنا خراب ہوتا ہے کہ انسان کی عقل ماری جاتی ہے۔ اُسے معاشرت کے قواعد بھول جاتے ہیں اور وہ انسان ہی نہیں رہتا۔ وہاں جو مشروب ہوں گے وہ نہایت فرحت بخش اور لذیذ ہوں گے اور اُن سے سر میں درد ہوگا نہ ہوش گم ہوں گے۔

ان کو بہترین انواع واقسام کے پھل پیش کیے جائیں گے، اُس میں سے جو چاہیں پسند کریں۔ ان پھلوں کا کوئی شمار نہیں ہوگا اور یہ اہلِ جنت اپنی پسند سے کھا رہے ہوں گے۔ اُنہیں پرندوں کا بھنا ہوا لذیذ گوشت پیش کیا جائے گا۔ اسے دنیا پر قیاس نہ کیا جائے۔ دنیا میں بھی بڑے عجیب وغریب، خوبصورت اور نایاب پرندے ہیں جنہیں دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ جنت کے پرندوں کے بارے تو عقل سوچ بھی نہیں سکتی یعنی وہ اتنے خوبصورت اور لذیذ ہوں گے کہ یہاں بیٹھ کر اُن کے بارے سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ وہ پرندوں کا گوشت تناول فرمائیں گے، جو چاہیں گے کھائیں گے۔ فرمایا: وَحُوْرٌ عِیْنٌ ﴿۲۲﴾ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ﴿۲۳﴾ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ اور بڑی آنکھوں والی حوریں۔ جیسے (حفاظت سے) پوشیدہ رکھا ہوا موتی۔ یہ ان کے اعمال کا بدلہ ہے جو وہ کرتے تھے۔

اُن کو بڑی بڑی، خوبصورت آنکھوں والی بہت باکمال حوریں پیش کی جائیں گی۔ جو ایسی ہوں گی گویا کسی نے موتی لعل وجواہرات ریشمی ومخملی غلافوں میں چھپا رکھے ہوں۔ وہ اس طرح جنت کے پردوں سے نکلیں گی اور انہیں

پیش کی جائیں گی۔ یہ اطاعتِ الٰہی کا اجر ہے۔ دنیا میں اُنہوں نے جو اعمال کیے، اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت کی، یہ سب اُس کا صلہ ہے۔ یہ دنیوی اعمال کا انعام ہوگا۔ دنیا میں جو کمایا اُس کا اجر وصول کر رہے ہوں گے تو آج کوئی یہ حسرت نہ کرے کہ کچھ لوگوں کی بہت موج ہوگئی اور ہم رہ گئے۔ تم دنیا میں موجود ہو۔ اللہ کی کتاب تمہارے پاس ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی تعلیمات و برکات تمہارے پاس ہیں۔ تمہارے پاس صحت ہے، زندگی ہے تو ہمت کرو۔ تم ساری محنت دنیا کی فانی چیزوں کے پیچھے صرف کر رہے ہو تھوڑی سی محنت آخرت کے لیے بھی کرلو۔ تم بھی یہ ساری نعمتوں کے مستحق ہو سکتے ہو۔ یہ سب دنیوی اعمال ہی کی جزا ہوگی۔ تم اپنا وقت دنیا کی طلب میں گنوا رہے ہو، اُنہوں نے بھی دنیا میں رہ کر دنیا کے سارے کام کیے لیکن آخرت کو مقدم رکھا۔ یاد رہے ترکِ دنیا کا تصور اسلامی نہیں ہے بلکہ غیر اسلامی ہے۔ یہاں یہی بات ارشاد ہوئی ہے کہ یہ نعمتیں اُن کے اعمال کا بدلہ اور انعام ہیں جو انہوں نے دنیا میں کیے۔ چنانچہ کوئی حسرت نہ کرے بلکہ ہمت کرے۔

یہ وہ گروہ سابقین کا ہوگا جس کے سرخیل انبیاعلیہم الصلوٰۃ والسلام ہوں گے۔ پہلی امتوں سے بھی لوگ ہوں گے مگر کثیر جماعت امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ہوگی۔ صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ شہدا، صالحین، اولیائے اُمت، علمائے حق ان میں شامل ہوں گے اور یہ تمام نعمتیں انہیں عطا ہوں گی۔

جنت کے ماحول کا ایک خوبصورت پہلو:

دنیا کے دکھوں میں سب سے زیادہ مجروح کرنے والا غم انسان کی زبان کا نکلا ہوا لفظ ہوتا ہے۔ کوئی دشمن جب بات کرتا ہے تو بہت تکلیف ہوتی ہے لیکن اگر دوست ویسی بات کرے تو اس کا زخم کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔ معاشرے میں ہمیں لوگوں کی طعن و تشنیع سہنی پڑتی ہے۔ ہمیں تکلیف ہوتی لیکن اگر اہلِ خانہ بھی برا بھلا کہنا شروع کر دیں تو اس کا دکھ بہت بڑھ جاتا ہے۔ دنیا میں جو دکھ انسان کو سب سے زیادہ متاثر کرتا ہے وہ زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کا چرکا ہے۔ جو بظاہر زخم نہیں لگاتا لیکن دل کو شدید دُکھا دیتا ہے۔ جنت کی تعریف یہ ہے، فرمایا: لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ﴿۲۵﴾ وہاں نہ بے ہودہ بات سنیں گے اور نہ کوئی غلط بات۔

فرمایا، وہاں کا ماحول ایسا خوبصورت ہوگا کہ وہاں کوئی ناپسندیدہ یا فضول بات نہیں ہوگی۔ کسی کی پسند کے خلاف کوئی بات نہیں ہوگی۔ اگر غور کریں تو جتنی دل آزاری کی باتیں ہوتی ہیں اُن میں دو خصوصیات ہوتی ہیں۔ پہلی خصوصیت یہ ہے کہ یہ غیر ضروری لغو اور فضول باتیں ہوتی ہیں، جن کے بغیر گزارا ہو سکتا ہے۔ دوسری خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ یہ جرم ہوتی ہیں۔ کسی کا دل دُکھانا بہت بری بات ہے، گناہ ہے۔ فرمایا، جنت میں کوئی لغو، دل دکھانے والی بات

یا ناپسندیدہ کلمہ بھی کسی کے منہ سے نہیں نکلے گا۔ وہاں یہ عالم ہوگا کہ فرمایا: اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿۲۶﴾ سوائے اس کے کہ (ہر طرف سے) سلام ہی سلام کی آواز آئے گی۔

وہاں ہر کوئی ایک دوسرے کو سلامتی کی دعائیں دے رہا ہوگا، جو لفظ ادا ہوگا دل خوش کر دے گا۔ جو بات ہوگی پُرمسرت ہوگی اور ماحول کو خوشگوار کر دینے والی ہوگی۔ یہ آیۂ کریمہ سبق دے رہی ہے کہ اگر تم دنیا میں خوشگوار ماحول کے خوہاں ہو تو اچھی باتیں کرو بُری، لغو باتوں سے اجتناب کرو۔ اگر معاشرے کی فضا پُرامن بنانا چاہتے ہو تو جھوٹ بولنا، ایک دوسرے پر لعن، طعن کرنا چھوڑ دو۔ سچی اور اچھی باتیں کرو گے تو معاشرہ سدھر جائے گا۔

اگر گھر کو پُرسکون بنانا چاہتے ہو تو ایک دوسرے سے لڑنا چھوڑ دو۔ آپس میں طعن و تشنیع نہ کرو۔ ایک دوسرے کا احترام کرو، بڑوں سے ادب سے پیش آؤ اور چھوٹوں پر شفقت کرو۔ بات خوبصورت کرو تو گھر کا ماحول بھی جنت نظیر بن جائے گا۔

داہنے ہاتھ والے:

اب اُن کی بات ہوتی ہے جنہیں دائیں ہاتھ میں اعمال نامے دیے جائیں گے اور وہ عرشِ عظیم کی دائیں جانب کھڑے ہوں گے۔ فرمایا: وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ﴿۲۷﴾ اور جو داہنے ہاتھ والے ہیں، کیا (اچھے) ہیں داہنے ہاتھ والے۔

یہ لوگ بھی کیا خوش قسمت ہوں گے۔ انہیں بھی جنت نصیب ہوگی، فرمایا: فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ﴿۲۸﴾ بے خار بیریوں میں۔

دنیا کے پھل دار درختوں میں بیری کا درخت ایسا ہے کہ جس کا پھل کھایا جاتا ہے لیکن یہ درخت بہت خاردار ہوتا ہے۔ فرمایا، انہیں جو باغات ملیں گے وہاں ایسے درختوں کے ساتھ بھی کانٹے نہیں ہوں گے جو دنیا میں خاردار ہوتے ہیں۔ وہاں کے درخت بے خار ہوں گے۔

فرمایا: وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿۲۹﴾ اور تہہ بہ تہہ کیلوں میں۔

انہیں جو پھل عطا ہوں گے وہ تہہ بہ تہہ لپیٹے ہوئے کیلوں کی گچھوں کی طرح ہوں گے۔ دنیا میں بھی جب ایک امیر آدمی کسی معروف دکان سے کچھ خریدتا ہے تو اُس کپڑے یا جوتے کو خوبصورت ڈبے میں ڈالکر پھر خوبصورت کاغذ میں لپیٹ کر بڑے اہتمام سے پیش کیا جاتا ہے۔ دنیا میں بھی اللہ کریم نے اپنی نعمتیں خوبصورت انداز میں PACK کر کے عطا کیں۔ جیسے کیلے کی مثال دی گئی کہ ایک لذیذ مٹھائی کو ہم نے غلاف میں لپیٹ کر تمہیں دے دیا۔ تم سمجھو یا

نہ سمجھو، شکر کرو یا نہ کرو۔ فرمایا، جنت میں بھی انہیں تہہ در تہہ پیک کیے ہوئے پھل ملیں گے۔ فرمایا: وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿۳۰﴾ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ﴿۳۱﴾ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ﴿۳۲﴾ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿۳۳﴾ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴿۳۴﴾ اور لمبے لمبے سایوں میں۔ اور پانی کے جھرنوں میں۔ اور کثرت سے پھل (والے باغوں) میں۔ جو نہ ختم ہوں گے اور نہ (ان کی) کوئی ٹوک ہوگی۔ اور اونچے اونچے فرشوں میں۔

یہ لوگ خوب صورت بلند و بالا سر سبز درختوں کے سائے میں جو دور دور تک پھیلے ہوں گے اُن میں مزے سے بیٹھے ہوں گے اور خوبصورت جھرنے بہہ رہیں ہوں گے۔ ان جھرنوں سے گرتا پانی فضا میں حسن بکھیر رہا ہوگا اور سارے ماحول کو بے حد پُرلطف بنا دے گا۔ ان کے لیے بے شمار اقسام کے پھل ہوں گے جو گنے نہیں جا سکتے۔ یہ پھل ختم ہوں گے نہ ہی اُن کے لینے پر کوئی ممانعت ہوگی۔ جتنا جس کا جی چاہے کھا سکے گا، جو پھل بھی پسند کرے، جتنا دل کرے کھا لے، کوئی پابندی نہیں ہوگی۔ یہ داہنے ہاتھ والے خوش نصیب بہت بلند و بالا اور خوبصورت سونے اور جواہرات سے مرصع تختوں پر جلوہ افروز ہوں گے اور فرمایا:

اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿۳۵﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿۳۶﴾ عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿۳۷﴾ بے شک ہم نے ان (حوروں) کو اس طور پر پیدا فرمایا تو ان کو کنواریاں بنایا محبوبائیں ہیں ہم عمر۔ وہاں خوبصورت حوریں ہوں گی۔ جنہیں اللہ نے اپنے ان بندوں کے لیے اس طرح سنوارا ہے جیسے دلہنیں سجائی جاتی ہیں اور انہیں بکر یعنی کنواری بنایا ہے۔ وہ ہمیشہ نوجوان اور کنوار پن کی حالت میں رہیں گی کہ بعدِ مباشرت پھر ویسی ہی ہو جائیں گی جیسے پہلے تھیں۔ جوان اور ہم عمر اور وہ ٹوٹ کر محبت کرنے والی ہوں گی، سب اہلِ جنت مرد و خواتین ہم عمر جوان ہوں گے جیسے اکٹھے کھیل کر پلے بڑھے ہوں۔ یہ جن کو عطا ہوں گی اُن سے بہت محبت کریں گی۔ یہ تمام نعمتیں اُن کے لیے ہیں، فرمایا: لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۳۸﴾ یہ داہنے ہاتھ والوں کے لیے ہیں۔

یہ سب انعامات ان لوگوں کو نصیب ہوں گے جو اصحابِ یمین یعنی داہنے ہاتھ والے ہیں۔

سورۃ الواقعۃ رکوع 2 آیات 39 تا 74

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٣٩﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿٤٠﴾ وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَاۤ اَصْحٰبُ
الشِّمَالِ ﴿٤١﴾ فِيْ سَمُوْمٍ وَّحَمِيْمٍ ﴿٤٢﴾ وَّظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ﴿٤٣﴾ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ ﴿٤٤﴾
اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ﴿٤٥﴾ وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ
الْعَظِيْمِ ﴿٤٦﴾ وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۙ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا
لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿٤٧﴾ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿٤٨﴾ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ﴿٤٩﴾
لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿٥٠﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ
الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿٥١﴾ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿٥٢﴾ فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿٥٣﴾
فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ﴿٥٤﴾ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ﴿٥٥﴾ هٰذَا نُزُلُهُمْ
يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿٥٦﴾ نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿٥٧﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿٥٨﴾
ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿٥٩﴾ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا
نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿٦٠﴾ عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا
تَعْلَمُوْنَ ﴿٦١﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٦٢﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا
تَحْرُثُوْنَ ﴿٦٣﴾ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿٦٤﴾ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ
حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿٦٥﴾ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿٦٦﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿٦٧﴾
اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ﴿٦٨﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ
الْمُنْزِلُوْنَ ﴿٦٩﴾ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٠﴾ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ

الَّتِیۡ تُوۡرُوۡنَ ﴿٧١﴾ ءَ اَنۡتُمۡ اَنۡشَاۡتُمۡ شَجَرَتَہَاۤ اَمۡ نَحۡنُ الۡمُنۡشِـُٔوۡنَ ﴿٧٢﴾ نَحۡنُ
جَعَلۡنٰہَا تَذۡکِرَۃً وَّ مَتَاعًا لِّلۡمُقۡوِیۡنَ ﴿٧٣﴾ فَسَبِّحۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الۡعَظِیۡمِ ﴿٧٤﴾

(ان میں) ایک بڑا گروہ اگلے لوگوں میں سے ہوگا ﴿٣٩﴾ اور ایک بڑا گروہ پچھلے لوگوں میں سے ﴿٤٠﴾ اور بائیں ہاتھ والے کیسے (برے) ہیں بائیں ہاتھ والے ﴿٤١﴾ وہ آگ میں ہوں گے اور کھولتے ہوئے پانی میں ﴿٤٢﴾ اور سیاہ دھویں کے سائے میں ﴿٤٣﴾ جو نہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ فرحت بخش ﴿٤٤﴾ یہ لوگ اس سے پہلے بڑی خوش حالی میں رہتے تھے ﴿٤٥﴾ اور بڑے بڑے گناہ (کفر و شرک) بار بار کرتے تھے ﴿٤٦﴾ اور کہتے تھے کیا جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں رہ گئے، کیا (اس کے بعد) ہم دوبارہ زندہ کیے جائیں گے؟ ﴿٤٧﴾ اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی؟ ﴿٤٨﴾ آپ فرما دیجیے کہ بے شک سب اگلے اور پچھلے ﴿٤٩﴾ ایک دن مقررہ وقت پر جمع کیے جائیں گے ﴿٥٠﴾ پھر یقیناً تم کو اے گمراہو، جھٹلانے والو! ﴿٥١﴾ تھوہر کے درخت سے کھانا ہوگا ﴿٥٢﴾ پھر اس سے پیٹ بھرنا ہوگا ﴿٥٣﴾ تو اس پر کھولتا ہوا پانی پینا ہوگا ﴿٥٤﴾ تو ایسے پیو گے جیسے پیاسا اونٹ پیتا ہے ﴿٥٥﴾ قیامت کے دن یہ ان لوگوں کی دعوت ہوگی ﴿٥٦﴾ ہم نے تم کو پیدا فرمایا پھر تم تصدیق کیوں نہیں کرتے؟ ﴿٥٧﴾ دیکھو جس نطفے کو تم (عورتوں کے رحم میں) ڈالتے ہو ﴿٥٨﴾ کیا تم اس (انسان) کو بناتے ہو یا ہم بنانے والے ہیں؟ ﴿٥٩﴾ ہم نے تمہارے درمیان موت کو مقرر فرما دیا ہے اور ہم (اس بات سے) عاجز نہیں ہیں ﴿٦٠﴾ کہ تمہاری جگہ تمہارے جیسے اور (انسان) پیدا کر دیں، اور تم کو ایسے جہان میں پیدا کر دیں جس کو تم جانتے ہی نہیں ﴿٦١﴾ اور تم کو پہلی بار پیدا ہونے کا علم ہے پھر تم کیوں نہیں سمجھتے؟ ﴿٦٢﴾ بھلا دیکھو کہ جو کچھ تم بوتے ہو ﴿٦٣﴾ کیا اس کو تم اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں؟ ﴿٦٤﴾ اگر ہم چاہیں تو اس (پیداوار) کو چورا چورا کر دیں پھر تم باتیں بناتے رہ

جاؤ ﴿۶۵﴾ کہ ہم پر تو تاوان پڑ گیا ﴿۶۶﴾ بلکہ ہم محروم ہی رہ گئے ﴿۶۷﴾ بھلا دیکھو! جو پانی کہ تم پیتے ہو ﴿۶۸﴾ کیا اس کو بادل سے تم برساتے ہو یا ہم برسانے والے ہیں؟ ﴿۶۹﴾ اگر ہم چاہیں تو اس کو کڑوا کر ڈالیں پھر تم شکر کیوں نہیں کرتے؟ ﴿۷۰﴾ بھلا دیکھو! جو آگ تم سلگاتے ہو ﴿۷۱﴾ کیا اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں؟ ﴿۷۲﴾ ہم نے اس کو یاددہانی کی چیز اور مسافروں کے برتنے کو بنایا ہے ﴿۷۳﴾ سو آپ اپنے عظیم الشان پروردگار کے نام کی پاکی بیان کیجیے ﴿۷۴﴾

تفسیر و معارف

اصحابِ یمین کی کثرت:

فرمایا:

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۳۹﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ﴿۴۰﴾ (ان میں) ایک بڑا گروہ اگلے لوگوں میں سے ہوگا۔ اور ایک بڑا گروہ پچھلے لوگوں میں سے۔ یہ داہنے ہاتھ والوں کا تذکرہ چل رہا ہے کہ ان میں ایک کثیر جماعت پہلوں کی بھی ہوگی اور یہ بہت کثرت سے پچھلوں میں سے بھی ہوں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کی گئی کہ امت کے پہلے لوگ اچھے ہیں یا بعد میں آنے والے اچھے ہوں گے۔ ارشادِ عالی ہے، فرمایا: اَبْشِرُوْا اَبْشِرُوْا اِنَّمَا مَثَلُ اُمَّتِیْ مَثَلُ الْغَیْثِ لَایُدْرٰی اٰخِرُهٗ خَیْرٌ اَمْ اَوَّلُهٗ اوکما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مشکوٰۃ 6025\5) فرمایا، تم خوش ہو جاؤ اور خوش ہو جاؤ میری امت کی مثال بارش کی مانند ہے یہ نہیں جانا جاتا اس کا اوّل بہتر ہے یا آخر۔

جیسے تیز بارش جل تھل کر دے اور سمجھ نہ آئے کہ یہ شروع میں زیادہ تھی یا بعد میں زیادہ تھی۔ مراد یہ ہے کہ پہلوں میں بھی بے شمار اصحابِ یمین ہوں گے اور بعد میں آنے والے امتیوں میں بھی بہت سے لوگ ہوں گے۔ علمائے کرام فرماتے ہیں روزِ حشر جس بندے کا ایمان سلامت ہوگا لیکن گناہ بہت زیادہ ہوں گے تو اُسے جہنم میں جانا پڑے گا۔ مومن کے لیے جہنم کی سزا ایسے ہوگی جیسے کھوٹ گلانے کے لیے سونے کو کٹھالی میں ڈالا جاتا ہے۔ یہ گناہ کا کھوٹ جلانے کی تدبیر ہوگی۔ دنیا میں سونے میں چاندی، تانبا ملا دیا جاتا ہے اُسے کھوٹ کہتے ہیں وہ سونے میں مل کر

اس کا وزن بڑھا دیتی ہیں۔ جب اُسے کٹھالی میں ڈالا جاتا ہے، گرم کیا جاتا ہے چرخ دیا جاتا ہے تو سارا کھوٹ جل جاتا ہے اور سونا نتھر کر الگ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر ایمان سلامت ہوا اور گناہ زیادہ ہوں گے تو مومن کو جہنم کی کٹھالی سے گزرنا ہوگا جس سے اس کے تمام گناہ جل جائیں گے۔ جو گوشت، خون، ہڈیاں حرام سے بنیں وہ جل جائیں گی اور اُسے نئی عطا کر کے اصحابِ یمین میں شامل کر دیا جائے گا۔ گویا ہر نجات پانے والا بندہ اس گروہ میں شامل ہوگا۔

بائیں ہاتھ والے اور اُن کا انجام:

اب رہے تیسری قسم کے لوگ تو اُن کا حال سن لیجیے۔ فرمایا: وَاَصۡحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾ اور بائیں ہاتھ والے کیسے (برے) ہیں بائیں ہاتھ والے۔

وہ لوگ جن کو اعمالنامے بائیں ہاتھ میں پکڑائے جائیں گے وہ بہت بد بخت ہوں گے اُن کے ساتھ جو بیتے گی اُسے سمجھنا اور جاننا بھی مشکل ہے۔ فرمایا: فِیۡ سَمُوۡمٍ وَّ حَمِیۡمٍ ﴿۴۲﴾ وَّ ظِلٍّ مِّنۡ یَّحۡمُوۡمٍ ﴿۴۳﴾ لَّا بَارِدٍ وَّ لَا کَرِیۡمٍ ﴿۴۴﴾ وہ آگ میں ہوں گے اور کھولتے ہوئے پانی میں سیاہ دھویں کے سائے میں۔ جو نہ ٹھنڈا ہوگا نہ فرحت بخش۔

ان بائیں ہاتھ والوں کو آگ اور کھولتے ہوئے پانی میں پھینکا جائے گا۔ ان پر دھواں ہی دھواں بھر دیا جائے گا گویا دھویں کے سائے میں ہوں گے۔ دنیا میں انسان گرمی سے بچنے کی خاطر سائے میں آتا ہے تو اُس میں ٹھنڈک اور فرحت پاتا ہے لیکن جہنم میں سایہ بھی سیاہ دھویں کا ہوگا جس میں آگ جیسی تپش ہوگی۔ اس سائے میں راحت کا کوئی ساماں نہ ہوگا۔ فرمایا: اِنَّہُمۡ کَانُوۡا قَبۡلَ ذٰلِکَ مُتۡرَفِیۡنَ ﴿۴۵﴾ یہ لوگ اس سے پہلے بڑی خوش حالی میں رہتے تھے۔

یہ وہ لوگ تھے جنہیں اللہ نے دنیا میں بڑا خوش حال رکھا۔ اُنہوں نے دنیا میں بڑے مزے کیے۔ انہیں حیات دی صحت اور اولاد دی، مال و دولت دیا لیکن انہوں نے اللہ کے احسانات کا بدلہ یہ دیا کہ فرمایا: وَ کَانُوۡا یُصِرُّوۡنَ عَلَی الۡحِنۡثِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۴۶﴾ اور بڑے بڑے گناہ (کفر و شرک) بار بار کرتے تھے۔

یہ بد بخت لوگ کفر کرتے تھے، شرک اور برائیاں کرتے تھے۔ ان کا کردار یہ تھا کہ شراب پیتے، بدکاری کرتے اور لوگوں کا مال لوٹتے تھے۔ اللہ کریم نے انہیں اتنی نعمتیں دیں لیکن اُنہوں نے اللہ کی نافرمانی کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ یہ کہتے تھے، فرمایا: وَ کَانُوۡا یَقُوۡلُوۡنَ ۬ۙ اَئِذَا مِتۡنَا وَ کُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ ﴿۴۷﴾ اَوَ اٰبَآؤُنَا الۡاَوَّلُوۡنَ ﴿۴۸﴾ اور کہتے تھے کیا جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں رہ گئے، کیا (اس کے بعد) ہم دوبارہ زندہ

کیے جائیں گے؟ اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی؟

یہ لوگ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بتانے پر یقین نہیں رکھتے تھے اور کہتے تھے بھلا مرنے کے بعد جب ہڈیاں بھی مٹی میں مل جائیں گی تو پھر کیسے زندہ کیے جائیں گے؟ یہ کہا کرتے تھے کہ ہزاروں سالوں سے دنیا پر لوگ آباد ہیں۔ کتنی نسلیں گزر گئیں لیکن آج تک کوئی زندہ ہو کر واپس نہیں آیا۔ آج تک کوئی زندہ ہوا؟ فرمایا: قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ ﴿۴۹﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰی مِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۵۰﴾ آپ فرمادیجیے کہ بے شک سب اگلے اور پچھلے۔ ایک دن مقررہ وقت پر جمع کیے جائیں گے۔

اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! انہیں فرمادیجیے کہ جس دن کا اللہ نے وعدہ کیا ہے اُس دن سب اگلے پچھلے مرے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ ایسا بھی نہیں ہوگا کہ جو پہلے مرا ہے وہ پہلے اُٹھ کھڑا ہوگا یا جو بعد میں مرا ہے وہ بعد میں کھڑا کیا جائے گا بلکہ ایک وقت آرہا ہے جب ساری دنیا فنا کردی جائے گی۔ قیامت قائم ہوگی اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آخری شخص تک جس پر قیامت قائم ہوگی سب ایک ہی بار اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ اُس دن جو اللہ کی طرف سے طے شدہ ہے، سب اللہ کے سامنے حاضر کردیے جائیں گے۔ فرمایا: ثُمَّ اِنَّكُمْ اَیُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿۵۱﴾ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿۵۲﴾ فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۵۳﴾ پھر یقیناً تم کو اے گمراہو، جھٹلانے والو! تھوہر کے درخت سے کھانا ہوگا۔ پھر اس سے پیٹ بھرنا ہوگا۔

فرمایا، اے انکار کرنے والے، گمراہ لوگو! تم عظمتِ الٰہی کا انکار کرتے تھے۔ تمہارا خیال تھا کہ زندگی تمہاری اپنی تھی جسے تم اپنی مرضی سے گزارنا چاہتے تھے حالانکہ یہ زندگی اللہ کی عطا اور امانت تھی۔ سب توفیق اللہ کی امانت ہے اور اس کے حکم کے مطابق بسر کرنی چاہیے۔ تم دنیا میں دنیا کی نعمتوں پر فدا ہوگئے اور احکامِ الٰہی کو فراموش کر بیٹھے۔ اللہ نے نعمتیں کھانے سے منع تو نہیں کیا تھا صرف یہ کہا تھا کہ حلال کھاؤ، اپنا حصہ کھاؤ، دوسرے کا مت چھینو لیکن تم نے حرام کھایا، بدکاری اور نافرمانی کی۔ تم نے اللہ کی عظمت کا انکار کیا شرک کیا اور خرافات بکتے رہے کہ مرنے کے بعد تمہیں کوئی کیونکر زندہ کرے گا۔ آج اس کے بدلے میں تمہیں دوزخ کا تھوہر کھلایا جائے گا۔ تم دنیا میں بڑی دعوتیں اڑاتے تھے، حرام کماتے اور کھاتے تھے تو آج تمہیں دنیا کا نہیں دوزخ کا تھوہر کھلایا جائے گا۔ دنیا کا تھوہر بھی ایسا عجیب پودا ہے جس کے پھول اور پھل بھی خاردار ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ جتنے خاردار درخت یا پودے ہیں اُن کے پھولوں اور پھلوں پر کانٹے نہیں ہوتے لیکن یہ ایسا درخت ہے کہ اس کے پھولوں اور پھل پر بھی کانٹے ہوتے ہیں۔ یہ تو دنیا کے تھوہر کا حال ہے جبکہ وہ دوزخ کا تھوہر ہوگا جو تمہیں کھانا پڑے گا اور یہ کھانا بھی انتہائی کربناک ہوگا کہ منہ اور زبان کو زخمی کرے گا۔ حلق کو چیرتا ہوا گزرے گا پیٹ کو زخمی کرے گا لیکن تمہیں اسی سے پیٹ بھرنے ہوں گے، اسی سے

بھوک مٹانی ہوگی۔تم چھوڑ بھی نہ سکو گے۔فرمایا: فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ﴿۵۴﴾ تو اس پر کھولتا ہوا پانی پینا ہوگا۔ دنیا میں جو تھوہر ہے وہ ایک بندروں کی نسل کے سوا کوئی نہیں کھاتا لیکن ان جہنمیوں کو جہنم کا تھوہر کھلایا جائے گا اور اُس پر کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو اتنا کھول رہا ہوگا کہ چہرے کے قریب آئے گا تو چہرے کی کھال گر جائے گی۔ جب پیئے گا تو زبان، حلق اور انتڑیوں تک کو گلاتا ہوا چلا جائے گا۔جہنم کی خصوصیت ہے کہ وہاں جو چیز جلتی جائے گی پھر سے نئی بنتی جائے گی۔ یہ لوگ اس قدر کھولتا ہوا پانی پی لیں گے؟ کیسے نہیں پئیں گے بلکہ فرمایا: فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ﴿۵۵﴾ تو ایسے پیو گے جیسے پیاسا اونٹ پیتا ہے۔

جانوروں میں سے اونٹ سب سے زیادہ پانی پیتا ہے۔ یہ ایک دن میں سات یا آٹھ دنوں کا پانی پی جاتا ہے اور پھر صحرا میں اتنے دن اس پر گزارا کر لیتا ہے۔مقدار میں تو ہوسکتا ہے کہ ہاتھی زیادہ پانی پیتے ہوں لیکن اونٹ ایک بار میں سب سے زیادہ پانی پی جاتا ہے۔فرمایا،ان لوگوں کو وہ کھولتا ہوا پانی پینا پڑے گا اور جس طرح پیاسا اونٹ پیتا ہے اسی انداز میں پئیں گے۔فرمایا: هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۵۶﴾ قیامت کے دن یہ ان لوگوں کی دعوت ہوگی۔ دنیا میں جیسے مہمان کو وہی کھانا پڑتا ہے جو صاحبِ خانہ اُسے پیش کرے۔اس میں مہمان پس و پیش نہیں کرتا بلکہ جو میزبان دیتا ہے،مہمان وہی کھاتا ہے۔فرمایا تھوہر کا کھانا اور کھولتا ہوا پانی یہ وہ مہمان نوازی ہے جو روزِ محشر اللہ کی طرف سے تمہاری کی جائے گی اور تمہیں کھانا پڑے گی۔

تخلیقِ باری اور قدرت کاملہ پر غور کی دعوت:

فرمایا: نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ ہم نے تم کو پیدا فرمایا پھر تم تصدیق کیوں نہیں کرتے؟ ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا ہے پھر تم دوبارہ زندہ کیے جانے کا انکار کیوں کرتے ہو؟ اگر اپنی خلقت پر غور کرو تو دوبارہ پیدا ہونے پر بھی ایمان لے آؤ۔ ذرا دیکھو ہم نے تمہیں کیسے پیدا کیا ہے،فرمایا: اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿۵۸﴾ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ دیکھو جس نطفے کو تم (عورتوں کے رحم میں) ڈالتے ہو۔کیا تم (اس) انسان کو بناتے ہو یا ہم بنانے والے ہیں؟

کیا تم دیکھتے نہیں کہ منی کا ایک قطرہ جس میں لاکھوں جرثومے ہوتے ہیں۔ اُس ایک جرثومے سے اللہ انسان کے وجود کی بنیاد رکھ دیتا ہے وہ جرثومہ خود تمہارے وجود میں بنتا ہے کہ غذا تم کھاتے ہو اور بیج کسی اور وجود کا بن رہا ہوتا ہے۔ پھر یہ نطفہ شکمِ مادر میں منتقل ہوتا ہے تو پھر کیا اس سے انسان تم بناتے ہو؟ ماں باپ کو اس بچے کی تعمیر و تخلیق میں کوئی دخل ہے؟ کیا اُن سے کوئی پوچھتا ہے کہ وہ لڑکا ہوگا یا لڑکی؟ کیا اس بچے کے قد کاٹھ، رنگ، شکل وصورت، صحت

عقل و فہم بنانے میں ماں باپ کا کوئی دخل ہے؟ کیا ماں باپ کو کوئی خبر ہوتی ہے کہ اس بچے کی نگاہ کیسی ہوگی، اُس میں شعور کتنا ہوگا؟ یہ سب تم بناتے ہو یا ہم بناتے ہیں؟ وہ اللہ جو ذرّاتِ خاکی سے نطفہ اور نطفے سے انسان بناتا ہے کیا وہ تمہیں مٹی میں مل جانے کے بعد دوبارہ نہیں بنا سکتا؟ یہ اس کے لیے کیا مشکل ہے؟ اس نے تمہیں عقل و شعور دیا، بے شمار نعمتیں دیں، علوم دیے بیماریوں کے علاج سکھائے لیکن موت کا دن مقرر کر دیا۔ فرمایا: نَحۡنُ قَدَّرۡنَا بَیۡنَکُمُ الۡمَوۡتَ وَ مَا نَحۡنُ بِمَسۡبُوۡقِیۡنَ ﴿۶۰﴾ ہم نے تمہارے درمیان موت کو مقرر فرما دیا ہے اور ہم (اس بات سے) عاجز نہیں ہیں۔

اللہ کریم نے اپنی قدرتِ کاملہ سے انسان بنایا پھر اس کے لیے موت کا راستہ مقرر کر دیا کہ ہر ایک کو اس سے گزر کر دارِ آخرت میں آنا ہے۔ جب وہ وقت آتا ہے تو دنیا کا کوئی بادشاہ، سلطان، کوئی ماہر معالج و طبیب، اُس کو ٹال نہیں سکتا۔ ہم نے زندگی دی عقل و شعور دیا، حکومتیں دیں، بادشاہتیں دیں اور تمہارے درمیان موت مقرر کر دی۔ کیا آج تک کوئی اسے ٹال سکا ہے؟ جن کافروں نے خدائی دعوے کیے خود انہیں بھی موت قبول کرنا پڑی۔ آج تک ہمارے حکم پر کوئی سبقت نہیں لے جا سکا۔ سبقت ہوتی ہے آگے نکل جانا کہ حکم کو پسِ پشت پھینک دینا، حکم نہ ماننا۔ فرمایا، کوئی ایسا ہے جو موت پر سبقت لے گیا ہو، جس نے مرنے سے انکار کیا ہو؟ اسی طرح تم قیامت کے دن زندہ کیے جانے کو بھی ٹال نہیں سکو گے۔ فرمایا: عَلٰۤی اَنۡ نُّبَدِّلَ اَمۡثَالَکُمۡ وَ نُنۡشِئَکُمۡ فِیۡ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶۱﴾ کہ تمہاری جگہ تمہارے جیسے (انسان) پیدا کر دیں اور تم کو ایسے جہان میں پیدا کر دیں جس کو تم جانتے ہی نہیں۔

موت سے پہلے بھی تم بے خطر نہ ہو جاؤ ہم قادر ہیں تم سب کو فنا کر دیں اور تمہاری جگہ دوسرے انسان پیدا کر دیں۔ تمہیں اس دنیا سے کسی دوسرے جہان میں دھکیل دیں تو تم کیا کر لو گے؟ انسانوں کا ایک سمندر ہے جو روزانہ موت کے دروازے سے گزر رہا ہے کتنے انسان پیوند خاک ہو رہے ہیں، دفن کیے جا رہے ہیں اور ایک جمِ غفیر ہے جو روزانہ پیدا ہو رہے ہیں۔ آج تک کوئی جانے والوں کو روک سکا ہے نہ آنے والوں کو روک سکا ہے۔ یہ تخلیقِ باری کا اتنا بڑا کارخانہ تمہارے سامنے ہے اور فرمایا: وَ لَقَدۡ عَلِمۡتُمُ النَّشۡاَۃَ الۡاُوۡلٰی فَلَوۡ لَا تَذَکَّرُوۡنَ ﴿۶۲﴾

اور تم کو پہلی بار پیدا ہونے کا علم ہے پھر تم کیوں نہیں سمجھتے؟

اب تو یہ سب تمہارے سامنے ہے کہ وہ قادرِ مطلق کس طرح بے جان ذرّوں کو وجودوں میں ڈھال کر اُن میں روح پھونک کر انسان بناتا ہے۔ یہ تحقیق تمہارے مادّی علوم میں بھی آ گئی، تم نے سمجھ لی کہ انسان کی تخلیق کا عمل کن مراحل سے گزرتا ہے تو پھر تم اللہ کی عظمت پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟ تم قرآن کے ارشادات کو سچ کیوں نہیں مانتے؟ تم ارشاداتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر یقین کیوں نہیں کرتے؟ تم انسان کے دوبارہ زندہ ہونے پر یقین کیوں نہیں کر

لیتے؟ ذرا دیکھو، فرمایا: اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿٦٣﴾ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿٦٤﴾ بھلا دیکھو کہ جو کچھ تم بوتے ہو، کیا اس کو تم اُگاتے ہو یا ہم اُگانے والے ہیں؟

تم زراعت کو ہی دیکھ لو تم کھیتیاں تیار کرتے ہو بیج بوتے ہو باغات لگاتے ہو۔ تم گندم کا ایک دانہ ایک بیج، درخت کا ایک پودا، کسی بیل کی ایک کونپل زمین میں گاڑ دیتے ہو۔ اس ایک دانے سے ایک پودا، جس پر سٹے اور ہر سٹے میں بے شمار دانے کون بھرتا ہے؟ وہ تو ایک دانہ تھا۔ ایک پودے سے اتنا بڑا درخت جس پر ہر سال اتنا پھل آتا ہے۔ یہ کہاں سے آتا ہے؟ جب تم پودا لگاتے ہو یا بیج بوتے ہو تو کیا تمہیں خبر ہوتی ہے کہ جو فصل تم لگا رہے ہو وہ کتنا پھل دے گی؟ کیا تمہارا اس میں کوئی دخل ہے؟ کیا تم جانتے ہو کہ فصل پھل دے گی یا جل جائے گی؟ اسے بڑھانے یا گھٹانے میں تمہارا کوئی ہاتھ ہے؟ فرمایا: لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿٦٥﴾ اگر ہم چاہیں تو اس (پیداوار) کو چُور چُور کر دیں اور پھر تم باتیں بناتے رہ جاؤ۔

یہ سارا نظام قادرِ مطلق کے دستِ قدرت میں ہے۔ فرمایا، اگر ہم چاہیں تو تیار فصل کو، ہرے بھرے کھیتوں کو، پھل دار درختوں کو جو پھلوں سے لدے پھندے ہوں پل بھر میں اجاڑ دیں تو تم کیا کر لو گے؟ اگر ایسا کر دیتے ہیں تو تم روک نہیں پاتے۔ ہرے بھرے کھیت اجڑ جاتے ہیں۔ لدے پھندے آموں، کھجوروں اور انگوروں کے باغ طوفان میں تباہ ہو جاتے ہیں، درخت گر جاتے ہیں۔ تم سوائے باتیں بنانے کے اور کیا کر سکتے ہو؟ فرمایا: اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿٦٦﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿٦٧﴾ کہ ہم پر تو تاوان پڑ گیا بلکہ ہم محروم رہ گئے۔

پھر تم روتے پھرتے ہو کہ ہم تو مارے گئے۔ ہم پر تو جرمانہ پڑ گیا، ہم محروم ہو گئے۔ جو کچھ پاس تھا سب تباہ ہو گیا۔ ہمارے پاس کچھ نہیں بچا، ہم برباد ہو گئے۔ اگر تم نقصان کو روک سکتے تھے تو روک لیتے، فصل خراب نہ ہونے دیتے! تم سوائے باتیں بنانے اور دکھی ہونے کے کچھ نہیں کر سکتے۔ اللہ کی نعمتوں میں سے اس پانی کو ہی دیکھ لو، فرمایا: اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ﴿٦٨﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿٦٩﴾ بھلا دیکھو! جو پانی کہ تم پیتے ہو، کیا اس کو بادل سے تم برساتے ہو یا ہم برسانے والے ہیں؟

یہ پانی جو زندگی کا بہت بڑا سبب ہے، جو تم پیتے ہو کیا تم جانتے ہو یہ کہاں سے آتا ہے، کون دیتا ہے؟ سورج کی تپش سے سمندر سے بخارات، بخارات سے بادل اور بادل سے بارش کا برسنا جس سے چشمے جاری ہوتے ہیں، دریا بھی بہتے ہیں کھیت سیراب ہوتے ہیں۔ اس سارے نظام میں تمہارا کوئی عمل دخل ہے؟ یہ تم کرتے ہو یا اللہ کرتا ہے؟ تم بارش لا سکتے ہو یا روک سکتے ہو؟ تم بارش میں کمی یا زیادتی کر سکتے ہو؟ ذرا اس سارے نظام کو دیکھو اسے قادرِ مطلق کتنی خوش اسلوبی سے چلا رہا ہے! فرمایا: لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٠﴾ اگر ہم چاہیں تو اس کو کڑوا کر

ڈالیں۔ پھر تم شکر کیوں نہیں کرتے؟

سمندروں کا پانی کڑوا ہوتا ہے، اُس سے بھاپ اُٹھتی ہے تو بادل بنتے ہیں لیکن جب اللہ کریم اُسے برساتے ہیں تو وہ میٹھا پانی ہوتا ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ اگر ہم چاہیں تو سمندر کی تلخی کو بھاپ میں شامل کر دیں اور بادلوں سے کڑوی بارش برسا دیں تو تم کیا کر لو گے؟ اگر سارا پانی تلخ ہو جائے تو کوئی جاندار زندہ رہ سکے گا نہ روئیدگی باقی رہے گی تو تم اللہ کا شکر کیوں نہیں کرتے؟ اس نے تمہارے لیے نعمتیں پیدا کیں تو پھر اس کی نافرمانی کیوں کرتے ہو؟ علما نے اس موضوع پر کہ شکر کیا ہے، بہت مضامین لکھے ہیں اور بڑی طویل بحثیں کی ہیں۔ اہل اللہ نے بھی اپنے انداز میں اس کو بیان کیا ہے لیکن قرآنِ کریم سے جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ شکر سے مراد اطاعت ہے۔ اللہ کا حکم مانا جائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا جائے تو یہ شکر ہے۔

جتنی نافرمانی کی جائے، جتنی اطاعت چھوٹ جائے، اتنی ناشکری ہے۔ اللہ کریم کے احسانات شمار نہیں کیے جا سکتے، فرمایا: اَفَرَءَیْتُمُ النَّارَ الَّتِیْ تُوْرُوْنَ ﴿۷۱﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ﴿۷۲﴾ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِیْنَ ﴿۷۳﴾ بھلا دیکھو جو آگ تم سلگاتے ہو کیا اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں؟ ہم نے اس کو یاددہانی کی چیز اور مسافروں کے برتنے کو بنایا ہے۔

ذرا آگ پر غور کرو جو ہر شے کو جلاتی ہے، جس پر تم کھانا پکاتے ہو اور بہت سے کام لیتے ہو یہ کہاں سے آتی ہے؟ کس نے دی ہے؟ وہ ایسا قادر ہے کہ اس نے سبز درخت میں آگ رکھ دی اور انسان نے سب سے پہلے وہاں سے آگ حاصل کی۔ وہ ایک سرسبز، گھنا سایہ دار درخت ہے لیکن جب اس کے پتے ہوا میں ٹکراتے ہیں تو آگ نکلتی ہے جو قریب ہی گھاس پھوس پر گرتی تو آگ لگ جاتی ہے۔ اس سے انسان نے آگ جلانا سیکھا تو کیا وہ درخت تم نے خود بنایا یا ہم نے بنایا؟ یہ کتنی حیرت انگیز بات ہے کہ سرسبز درخت کے سبز پتوں میں اُس قادرِ مطلق نے آگ بھر دی ہے۔ شمالی علاقہ جات میں ایسے درخت ملتے ہیں جو رات کو ہوا چلنے پر ستاروں کی طرح جگمگاتے نظر آتے ہیں کہ اُن کے پتوں سے آگ جھڑتی ہے۔

اللہ کریم نے انسان کو آگ کی نعمت عطا کی تو ایک درخت میں پیدا کی اور آگے جلانے کی ضرورت کو بھی درختوں کی لکڑیوں سے ہی پورا کیا۔ یہ درخت کون پیدا کرتا ہے؟ ان سب چیزوں کو ہم نے انسان کے لیے نصیحت کا سبب بنایا ہے کہ کبھی بیٹھ کر سوچے تو اسے عظمتِ الٰہی کا کچھ اندازہ ہو اور وہ اللہ کی نافرمانی سے باز آجائے۔ ان نعمتوں پر کوئی شرط یا قید نہیں لگائی کہ اسے امیر استعمال کر سکتے ہیں غریب نہیں یا مقیم کو ملیں گی مسافر کو نہیں۔ یہ زندگی کے اسباب سورج کی روشنی، بارش کا برسنا سب کے لیے عام ہیں۔ اس میں امیر غریب، چھوٹے بڑے مسافر مقیم کی کوئی

تخصیص نہیں ہے اور پھر یہ سب مفت میں عطا فرما رہا ہے۔ اگر سورج بادشاہ کے محل کو روشن کرتا ہے تو فقیر کی جھونپڑی کو بھی وہی روشنی دے رہا ہے۔ یہ سب نعمتیں استعمال کر کے تمہیں اللہ کے احسانات یاد رکھتے ہوئے اُس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ تمہیں نافرمانی زیب نہیں دیتی۔

اظہارِ تشکر:

اللہ کی بے شمار نعمتیں اور احسانات کو یاد کرتے ہوئے، فرمایا: فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿٧٤﴾ سو آپ اپنے عظیم الشان پروردگار کے نام کی پاکی بیان کیجیے۔

اگر غور کیا جائے تو قرآنِ کریم کتنی باریکی میں بات سمجھاتا ہے کہ کائنات کا نظام اللہ کے دستِ قدرت میں ہے جس میں انسان کو کوئی اختیار نہیں۔ اللہ کی تمام نعمتیں اللہ کی امانت ہیں جو اس کے حکم کے مطابق خرچ کرنا ہی عقلمندی ہے۔ انسان اللہ کی قدرت کا مقابلہ نہیں کرسکتا کہ لحہ لحہ محتاج ہے۔ انکار تو وہاں کیا جاتا ہے جہاں مقابلہ کرنے کی سکت ہو۔ یہاں تو اللہ کی عظمت ہے جس کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا لہٰذا اطاعت کا راستہ اپناؤ۔ اپنے عظمت والے پروردگار کے نام کی پاکی بیان کرو۔ اُس کی تسبیح کرو اس کی اطاعت کرو۔ اگر حکم عدولی کرو گے تو اس کی سزائیں بھی بتادی گئیں ہیں۔ موت پر توبہ کا وقت گزر چکا ہوگا لہٰذا اس دنیا میں دامانِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تھام لو اور اُن کی اطاعت کرو۔

سورۃ الواقعۃ رکوع 3 آیات 75 تا 96

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿٧٥﴾ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿٧٦﴾ اِنَّهٗ
لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿٧٧﴾ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿٧٨﴾ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿٧٩﴾ تَنْزِيْلٌ
مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٠﴾ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿٨١﴾ وَتَجْعَلُوْنَ
رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿٨٢﴾ فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿٨٣﴾ وَاَنْتُمْ حِيْنَىِٕذٍ
تَنْظُرُوْنَ ﴿٨٤﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿٨٥﴾ فَلَوْلَآ اِنْ
كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿٨٦﴾ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٨٧﴾ فَاَمَّآ اِنْ كَانَ
مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿٨٨﴾ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿٨٩﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ
اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٩٠﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٩١﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ
الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿٩٢﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿٩٣﴾ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿٩٤﴾ اِنَّ هٰذَا
لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿٩٥﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٩٦﴾

پس ہمیں ستاروں کی منزلوں کی قسم ﴿٧٥﴾ اور اگر تم سمجھو تو یہ ایک بڑی قسم
ہے ﴿٧٦﴾ کہ بے شک یہ بڑے رتبے کا قرآن ہے ﴿٧٧﴾ محفوظ کتاب میں
(لکھا ہوا ہے) ﴿٧٨﴾ اس کو وہی ہاتھ لگاتے ہیں جو پاک ہیں ﴿٧٩﴾ پروردگار
عالم کی طرف سے اتارا گیا ہے ﴿٨٠﴾ تو کیا تم لوگ اس کلام کو سرسری بات سمجھتے
ہو! ﴿٨١﴾ اور اس کے جھٹلانے کو تم نے اپنا حصہ بنا رکھا ہے ﴿٨٢﴾ پس کیوں نہیں
سو جس وقت (روح) حلق تک آ پہنچتی ہے ﴿٨٣﴾ اور تم اس وقت (کی حالت کو)

دیکھا کرتے ہو ﴿۸۴﴾ تو ہم (اس وقت) اس شخص کے تم سے بھی زیادہ نزدیک ہوتے ہیں ولیکن تم دیکھ نہیں سکتے ﴿۸۵﴾ پھر اگر تم کسی کے بس میں نہیں ہو (تمہارا حساب کتاب ہونے والا نہیں) ﴿۸۶﴾ تو تم اس (روح) کو (بدن کی طرف) پھیر کیوں نہیں لاتے اگر تم سچے ہو ﴿۸۷﴾ پھر اگر وہ مقربین میں سے ہوگا ﴿۸۸﴾ تو (اس کے لیے) آرام اور خوشبو اور نعمت کا باغ ہے ﴿۸۹﴾ اور اگر وہ داہنے ہاتھ والوں میں سے ہوگا ﴿۹۰﴾ تو (اس کے لیے کہا جائے گا) تیرے لیے سلامتی ہے کہ تُو داہنے ہاتھ والوں میں سے ہے ﴿۹۱﴾ اور اگر وہ شخص جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہوگا ﴿۹۲﴾ تو کھولتے ہوئے پانی سے اس کی دعوت ہوگی ﴿۹۳﴾ اور جہنم میں داخل کیا جائے گا ﴿۹۴﴾ یقیناً یہی صحیح (حق الیقین) بات ہے ﴿۹۵﴾ تو آپ اپنے بزرگ پروردگار کے نام کی پاکی بیان کرتے رہیں ﴿۹۶﴾

تفسیر و معارف

نظامِ کائنات قرآن کی عظمت پر گواہ ہے:

فرمایا: فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿۷۶﴾ پس ہمیں ستاروں کی منزلوں کی قسم۔ اور اگر تم سمجھو تو یہ ایک بڑی قسم ہے۔

یہ بات پہلے بھی گزر چکی ہے کہ جس چیز کی قسم دی جائے اس سے مراد ہوتی ہے کہ وہ اس بات پر گواہ ہے۔ انسان کے لیے اللہ کے سوا کسی کی قسم کھانا جائز نہیں ہے اس لیے کہ ہر بات پر گواہ ہونا صرف اللہ کو سزاوار ہے۔ قرآن کریم میں جو قسمیں ہیں مثلاً زمانے کی یا جیسے یہاں ستاروں کی منازل کی تو اُن سے مراد اس کام کا ایک حصہ ہوتا ہے جو اُن چیزوں سے متعلق ہے۔ ستاروں اور سیاروں کی منازل روئے زمین پر تبدیلیاں پیدا کرتی ہیں۔ فضائے آسمانی یا جوِّ آسمانی میں سورج، چاند اور وہ ستارے جو ہمیں نظر آتے ہیں اور وہ جنہیں علمی اور تحقیقی طور پر آج ہم جانتے ہیں ان کے علاوہ بھی بے شمار ستارے اور سیارے ہیں۔ ان سب کے اثرات سے زمین پر تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں۔ کسی کے اثر سے روئیدگی ہوتی ہے کسی کے اثر سے پھل پکتے ہیں تو کوئی پھلوں میں مٹھاس بھرنے کا سبب ہوتا ہے۔

کسی کے اثر سے ہواؤں میں روانی ہے تو کوئی بارش لانے کا سبب ہے گویا نظامِ کائنات میں ہر کام کے پیچھے اسباب ہیں۔کوئی تنکا، کوئی ذرّہ بھی، خود اپنی ہیئت تبدیل نہیں کر سکتا، خود سے حرکت نہیں کر سکتا بلکہ اُس کے پیچھے کوئی سبب ہوتا ہے۔ایک ذرّے سے دوسرا ذرّہ ملتا ہے تو ایک نئی چیز وجود میں آتی ہے یہی ذرّات سونے میں ڈھلتے ہیں کسی اور ترکیب سے جڑتے ہیں تو ہیرے بنتے ہیں۔انہی ذرّات کے ملنے سے نباتات و جمادات اور حیوانات بنتے ہیں حتیٰ کہ انسانی وجود کی تعمیر بھی انہی ذرّات سے ہوتی ہے۔ستاروں اور سیاروں کے اثرات اِن ذرّات میں حرکت پیدا کرتے ہیں۔ یہ سب اسباب مسبب الاسباب کے بنائے ہوئے ہیں۔اس نظام پر ستاروں کی منازل، اُن کے غروب وطلوع کے مقامات وحرکات بہت بڑے گواہ ہیں کہ اس تخلیق کی رنگا رنگی کے جو اسباب ہیں اُن کے بنانے والا وہ ربِّ قدیر ہے۔اسی نے اسباب بنائے جن کے نتیجے میں چیزیں ظہور پذیر ہوتی ہیں اور دنیا کی آبادی کا باعث بن رہی ہیں۔اگر انسان اس نظام پر غور کرے تو یہ بہت بڑی دلیل ہے اس بات پر، فرمایا: اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۷﴾ کہ بے شک یہ بڑے رتبے کا قرآن ہے۔

یہ اُس کا کلام ہے جو مسبب الاسباب ہے۔جو ہر سبب کا خالق مالک اور اُن میں اثر پیدا کرنے والا ہے یعنی وہ ہستی جس کے ہر کام پر سبب کا حجاب ہے۔اگر سبب کا حجاب نہ ہو تو ہر چیز فنا ہو جائے کہ براہ راست تجلیاتِ باری کو برداشت نہ کر سکے اور کائنات تباہ ہو جائے۔اس سے بڑی بات کیا ہوگی کہ اُس ہستی کا کلام براہِ راست انسان کو پہنچے؟ یہ قرآنِ کریم بہت بلند مرتبہ کلام ہے، بہت عالی رتبہ اور عظیم کتاب ہے جو اسی نظام کے خالق کی طرف سے ایمان وعمل میں ہدایت کے لیے نازل فرمائی گئی ہے۔ یہ قرآن ایسا ہے، فرمایا: فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾ محفوظ کتاب میں لکھا ہوا ہے۔

یہ ایک عظیم کلام ہے جو ایک محفوظ ترین کتاب یعنی لوح محفوظ میں بھی موجود ہے۔ ذاتِ باری سے لوحِ محفوظ میں نازل ہوا۔ پھر وہاں سے اللہ کی مرضی سے جب اور جتنا اللہ نے چاہا روح الامین جبرائیل علیہ السلام کو نصیب ہوا۔ جس وقت جتنی آیات، ایک، دو یا چار روح الامین کو عطا ہوئیں پھر وہ اُن آیات کو قلبِ اطہرِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پر لائے۔ ذرا غور کریں تو کتنے اسباب درمیان میں آئے۔ پھر زبانِ حق ترجمانِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اسے مخلوق تک پہنچایا۔تم اسے معمولی بات سمجھتے ہو؟

یہ لوحِ محفوظ پر نازل ہوا اِس جیسی کوئی دوسری کتاب نہیں۔ وہاں سے اسے جبرائیلِ امینؑ لائے جو سارے فرشتوں کے سردار ہیں اور اُن جیسا کوئی دوسرا فرشتہ اللہ کریم نے پیدا نہیں فرمایا۔ وہاں سے

قلبِ اطہر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پر وارد ہوا وہ ہستی کہ ان صلی اللہ علیہ وسلّم جیسا کوئی دوسرا نبی نہیں اور قلبِ اطہر صلی اللہ علیہ وسلّم جیسا کوئی دوسرا قلب اللہ نے پیدا نہیں فرمایا۔ انبیاؑ بھی ہیں، رسول بھی ہیں، انبیاؑ اور رسولوںؑ میں اولوالعزم رسولؑ بھی ہیں لیکن آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلّم سب کے سرتاج ہیں۔ پھر یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے لب ہائے مبارک سے زبانِ مبارک سے تم تک پہنچا آپ صلی اللہ علیہ وسلّم جیسی کوئی لسانِ مبارک اللہ نے پیدا ہی نہیں فرمائی۔ تم کیا سمجھتے ہو یہ کوئی معمولی بات ہے؟

طہارت اور مَسِ قرآن:

یہ اتنی عظیم کتاب ہے جو ایک خزانے جیسی کتاب یعنی لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی ہے اور اس کی عظمت یہ ہے کہ فرمایا: لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ؀ اس کو وہی ہاتھ لگاتے ہیں جو پاک ہیں۔

یہ ایسی عظیم اور عالی مرتبت کتاب ہے کہ کوئی ناپاک ہاتھ اس کو نہیں لگ سکتا۔ یہ لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے جسے سوائے پاکیزہ لوگوں کے کوئی ہاتھ نہیں لگاتا۔ اللہ کے پاک فرشتے اس کے مضامین سے مطلع ہوتے ہیں شیطان تو مردود ہے ملعون ہے وہ اس کے مضامین کے قریب بھی نہیں جا سکتا چہ جائیکہ اس میں مداخلت کرے۔ اسے تو کوئی ناپاک ہاتھ چھو بھی نہیں سکتا۔ اس آیۂ کریمہ سے استدلال کیا گیا ہے کہ کوئی انسان بلا طہارت قرآن کریم کو ہاتھ نہ لگائے۔ احادیثِ مبارکہ میں بھی یہی تاکید ہے۔ اسی لیے حکم ہے کہ کوئی خاتون ناپاکی کے ایام میں قرآن کو چھو نہیں سکتی۔ اسی طرح وہ مرد جس پر غسل واجب ہو وہ بھی اسے چھو نہیں سکتا، یعنی حالت ناپاکی میں قرآن کو ہاتھ لگانا منع ہے۔ اسے چھونے کے لیے طہارت ہونا شرط ہے۔

چونکہ ساری فقہ عربی زبان میں ہے تو علمائے متقدمین نے طہارت کا لفظ ہی استعمال کیا ہے لیکن جب اس کو دوسری زبانوں میں ڈھالا گیا تو اردو میں اس کا ترجمہ وضو کر دیا گیا کہ وضو کے بغیر قرآن کو نہ چھوا جائے۔

علما کی ایک کثیر جماعت اسی پر متفق ہے لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ ایک مشکل پیدا ہو گئی ہے۔ ہر بندہ ہر وقت باوضو نہیں رہ سکتا گو ایسا کرنا بجائے خود ایک سعادت ہے۔ وضو خود فرض نہیں ہے لیکن جب نماز کا وقت ہو تو وضو فرض ہو جاتا ہے۔ یہ بہت اچھی بات ہے کہ قرآن کی تلاوت باوضو کی جائے لیکن لوگوں کی اکثریت ہمہ وقت باوضو نہیں رہ سکتی تو پھر وہ تو تلاوت سے محروم رہ گئے۔ اس آیۂ مبارکہ میں جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ 'مطہرون' ہے یعنی طہارت والے قرآن کو مَس کر سکتے ہیں۔ یہی لفظ سورۂ توبہ میں اہلِ قبا کے بارے ارشاد ہوا ہے، فرمایا: فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ (التوبۃ:108) ان میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنے کو پسند کرتے

ہیں اور اللہ پاک رہنے والوں کو پسند فرماتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اہلِ قبا سے پوچھا کہ وہ ایسا کیا کرتے ہیں کہ اللہ کریم نے اُن کی تعریف کے ساتھ اُن سے اظہارِ محبت بھی فرمایا ہے؟ اُنہوں نے عرض کی کہ وہ جب بھی رفع حاجت کے لیے جاتے ہیں تو پانی سے طہارت کرتے ہیں۔ طہارت تو مٹی کے ڈھیلے یا کاغذ سے بھی ہو جاتی ہے لیکن وہ جب بھی رفع حاجت کے لیے جاتے اس بات کا اہتمام کرتے کہ پانی سے طہارت کی جائے تو اللہ نے اُنہیں متطہرین کہا ہے۔ اس آیۂ مبارکہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو آدمی پانی سے طہارت کر لے وہ متطہرین میں ہوگا۔ طہارت کرنے والے کا اگر وضو بھی ہو تو نورٌ علی نور ہے لیکن اگر وضو نہ بھی ہو تو اس آیۂ کریمہ کی روشنی میں وہ قرآنِ کریم کو چھو سکتا ہے، پڑھ سکتا ہے۔ طہارت تو ہر کوئی ہر وقت کر سکتا ہے جبکہ ہمہ وقت باوضو رہنا اکثریت کے لیے مشکل ہوتا ہے۔ واللہ اعلم، بہر حال میری سمجھ کے مطابق یہاں اللہ کریم نے قرآن کو مَس کرنے کے لیے طہارت کا مطالبہ فرمایا ہے اور طہارت کی وضاحت اہلِ قبا سے متعلق سورۂ توبہ کی آیۂ مبارکہ میں فرما دی۔

نزولِ قرآن، اللہ کی ربوبیت کا تقاضا:

فرمایا: تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ پروردگارِ عالم کی طرف سے اتارا گیا ہے۔

یہ قرآن اُس ربِّ جلیل کی طرف سے نازل کردہ ہے جو ساری کائنات کا خالق، مالک، قائم رکھنے والا پالنے اور چلانے والا ہے۔ ربّ اُس ہستی کو کہتے ہیں جو ہر ایک کی، ہر شے کی، ہر ضرورت ہر آن پوری کرتا ہو۔ ہر کام کرنے پر قادر ہو اور ہر ایک کے ہر حال سے آگاہ ہوگا تو ہی ضرورت پوری کر سکے گا۔ فرمایا، وہ تمام جہانوں کا ربّ ہے یہ بھی اُس کی ربوبیت کا تقاضا تھا کہ روحانی غذا اور ایمان و ہدایت کا سامان بھی مخلوق کو بھیجا جاتا۔ یہ قرآن اُسی ربّ العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اس کا ایک ایک حرف دنیا و مافیہا سے قیمتی ہے۔ کتنے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کے سینوں میں اسے محفوظ کر دیا گیا ہے اور جن کی زبانوں پر یہ جاری رہتا ہے۔

یہ عظیم کلام اللہ کا نازل کردہ ہے جو تمام جہانوں کا ربّ ہے پالنہار ہے لیکن افسوس کہ لوگ اسے معمولی بات سمجھ لیتے ہیں۔ اسے قابلِ توجہ ہی نہیں سمجھتے۔ فرمایا: اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾ تو کیا تم لوگ اس کلام کو سرسری بات سمجھتے ہو! اور اس کے جھٹلانے کو تم نے اپنا حصّہ بنا رکھا ہے۔

تم کیسے لوگ ہو کہ اسے ایک معمولی بات سمجھ لیتے ہو! تمہاری رائے میں اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں۔ تم اس کا انکار کر دیتے ہو، سننا بھی گوارا نہیں اس کے بارے میں سوچنے کا تکلف نہیں کرتے، ساری عمر اسے کھول کر دیکھتے ہی

نہیں۔ یہ کیسی بدبختی ہے کہ کسی کے حصے میں اس عظیم نعمت کا انکار ہی آئے! ساری زندگی کی محنت ومشقت کا حاصل قرآن کا انکار ہو تو کتنی بدنصیبی ہے۔ حصولِ رزق کے لیے دنیوی اسباب اختیار کرنے والے یہ اسباب تعلیمِ قرآن کے لیے کیوں اختیار نہیں کرتے؟ دنیا کمانے کے لیے کتنے علوم وفنون سیکھے جاتے ہیں تو اللہ کی رضا پانے کے لیے اللہ کا کلام نہیں سیکھ سکتے؟ اس پر محنت نہیں کرتے۔ کیوں محنت نہیں کرتے؟ اس لیے کہ یہ انکار کرنے والے اسے بے وقعت خیال کرتے ہیں اور ان کی زندگی بھر کی محنت کا حاصل اس کا انکار ہے۔ کیسے عجیب لوگ ہیں۔ اس میں اُن کلمہ گو مسلمانوں کے لیے بھی سبق ہے جو اللہ کا کلام پڑھنا بھی گوارا نہیں کرتے، ساری زندگی اسے کھول کر نہیں دیکھتے۔ لوگوں کو بلا کر ختمِ قرآن کرواتے ہیں، خود پڑھنا بھی نہیں جانتے۔ اُسے گویا معمولی چیز سمجھتے ہیں۔ اللہ کی عظمت کا انکار کرنے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ ہر لحہ اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ اپنی بڑائی میں گرفتار ہونے والے دراصل کتنے بے بس ہوتے ہیں۔

احوال عندالموت:

فرمایا: فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ پس کیوں نہیں، سو جس وقت (روح) حلق تک آ پہنچتی ہے اور تم اس وقت (کی حالت کو) دیکھا کرتے ہو۔

پھر اگر تمہیں عظمتِ باری سے انکار ہے تو جب تمہارے اعزہ واقارب میں سے کسی پر نزع کا عالم ہوتا ہے اور اس کی روح حلق میں اٹکی ہوتی تو تم پاس بیٹھ کر ٹک ٹک دیکھ رہے ہوتے ہو۔ تمہارا باپ، تمہاری ماں، تمہارا بیٹا، تمہاری بیوی، تمہاری بیٹی، تمہاری گود میں سر رکھ کر دم توڑ رہی ہے لیکن تم کچھ نہیں کرسکتے۔ تمہارے بس میں کچھ نہیں ہوتا۔ تم چاہتے ہو کہ یہ نہ مرے، تو روک لو اُسے! اس کی روح کو بدن سے نہ جانے دو۔ تم نے اگر اربوں روپے جمع کر لیے ہیں، ٹنوں سونا جمع کرلیا ہے تو پھر یہ سرمایہ لے آؤ اور اُس کی موت ٹال دو۔ تم اگر طاقت ور اور بااختیار ہو، حکمران ہو تو لے آؤ اپنے لاؤ لشکر اور مرنے والے کو روک لو۔ تم کچھ نہیں کرسکتے اس لیے کہ تمہارے بس میں کچھ نہیں ہے۔ کیا کر لیتے ہو تم! فرمایا: وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ تو ہم (اس وقت) اس شخص کے تم سے بھی زیادہ نزدیک ہوتے ہیں ولیکن تم دیکھ نہیں سکتے۔

اس وقت اللہ کریم اُس مرنے والے کے سب سے قریب تر ہوتے ہیں۔ اس کے حال سے سب سے زیادہ واقف لیکن یہ حقیقتیں تمہاری ماڈی نگاہ نہیں دیکھ سکتی۔ دنیا کی نظر سے یہ حقائق نظر نہیں آتے۔

قربِ الٰہی کے مختلف انداز ہیں۔ ایک قرب تو اُسے بحیثیتِ خالق اور قادرِ مطلق ہر ذرّے سے ہے۔ ہر

ذرّے کو پیدا کرنا اس میں خصوصیات پیدا کرنا ان کو قائم رکھنا اور اُن کے اثرات آگے مرتب کرنا یہ سب اللہ کے دستِ قدرت میں ہے۔ مومن ہو یا کافر اس کے سب سے قریب تر اللہ ہے جو اس کے ایک ایک ذرّے میں حیات پیدا کر رہا ہے اُسے نعمتیں دے رہا ہے۔ یہ قربِ خالقیت ہے کہ وہ خالق ہے اور اپنی مخلوق کے ہر ذرّے سے ہر وقت قریب ہے۔ ایک قرب سے مراد تعلق ہے، دوستی ہے۔ یہ قرب نورِ ایمان پر مرتب ہوتا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے، فرمایا: وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ(ق:16) اور ہم اُس کی رگِ جاں سے بھی زیادہ اُس کے قریب ہیں۔ تصوف میں اس آیت کا مراقبہ کرایا جاتا ہے تو ہر طالب اپنی استعداد کے مطابق قربِ الٰہی کی کیفیات کا مشاہدہ کرتا ہے یا اُنہیں وجدان کے طور پر محسوس کرتا ہے۔ کیفیات الفاظ میں قید نہیں کی جا سکتیں صرف محسوس کی جا سکتی ہیں۔ اگر کسی کو یہ مراقبہ نصیب ہو جائے تو اس پر اللہ کریم کا یہ بہت بڑا انعام ہے گویا وہ اس دنیا میں جنت کو محسوس کر سکتا ہے۔

فرمایا، اس مرنے والے سے بھی سب سے زیادہ قریب تو ہم ہی ہیں اس کے معاملے میں تم بے بس ہو لیکن تمہاری آنکھیں اس حقیقت کو پا نہیں سکتیں۔ فرمایا: فَلَوۡلَاۤ اِنۡ کُنۡتُمۡ غَیۡرَ مَدِیۡنِیۡنَ ﴿۸۶﴾ تَرۡجِعُوۡنَهَاۤ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۸۷﴾ پھر اگر تم کسی کے بس میں نہیں ہو (تمہارا حساب کتاب ہونے والا نہیں) تو تم اس (روح) کو (بدن کی طرف) پھیر کیوں نہیں لاتے اگر تم سچے ہو۔

اگر تم سمجھتے ہو کہ تم کسی کے قبضۂ قدرت میں نہیں ہو تو اپنے وسائل اختیار کر کے موت کو روک لو۔ تمہاری دانست میں اگر آخرت کا حساب کتاب نہیں ہے، نیکی بدی کا بدلہ نہیں ملنے والا ہے تو پھر تم خود کو آخرت میں جانے سے روک لو، موت کو لوٹا دو۔ اگر موت یقینی ہے تو پھر باز پرس بھی یقینی ہے۔ اگر تم موت کو نہیں روک سکے تو حساب کتاب کو بھی نہیں روک سکو گے۔ تمہارے انکار کرنے سے حقیقت نہیں بدل جاتی۔ اگر کوئی اندھا کہہ دے کہ دن نہیں ہے تو اس کے کہنے سے سورج ڈوب نہیں جاتا۔ کوئی بہرہ کہہ دے کہ آواز سنائی نہیں دے رہی تو اُس کے کہنے سے آواز بند نہیں ہو جاتی۔ ہاں یہ یاد رکھو کہ بندے کے تین حال ہوتے ہیں جیسا کہ ابتدائے سورت میں تین طرح کے گروہوں کا ذکر ہے۔ مرنے والا بھی ان تینوں حالوں میں سے ایک حال میں ہوتا ہے۔ فرمایا: فَاَمَّاۤ اِنۡ کَانَ مِنَ الۡمُقَرَّبِیۡنَ ﴿۸۸﴾ فَرَوۡحٌ وَّ رَیۡحَانٌ ۬ۙ وَّ جَنَّتُ نَعِیۡمٍ ﴿۸۹﴾ پھر اگر وہ مقربین میں سے ہو گا تو (اس کے لیے) آرام اور خوشبو اور نعمت کا باغ ہے۔

اگر مرنے والا اللہ کے مقرب بندوں میں ہو گا تو موت بھی باعثِ فرحت بن جائے گی۔ جنت کی خوشبوئیں، معطر ہوائیں اور نعمتیں اُس کی منتظر ہیں تو وہ تو خوشی خوشی اس راہ سے گزرے گا۔ اس کے لیے تو موت ایک پُل ہو گا جو

دوست کو دوست سے، محبوب سے ملا دیتا ہے۔ اُس کی موت کو موت نہ کہو کہ وہ اُس سے زیادہ حیات پا گیا۔ جو اس دنیا کو چھوڑ کر جنت میں جا رہا ہے اُس کی خوشی کا کیا ٹھکانہ! جو اللہ کے بندے ہیں جنہوں نے دنیا پر جان نہیں دی بلکہ دنیا کو اللہ کے حکم کے مطابق استعمال کیا وہ تو جنت کو سدھار رہے ہوتے ہیں۔ انہوں نے زندگی میں قرآن کی قدر کی تو قرآن کا تو ایک لفظ بھی موت کو آسان کر سکتا ہے خوشگوار بنا دیتا ہے۔ اگر مرنے والا مقربین میں تو نہیں لیکن نجات یافتہ لوگوں میں سے ہے، فرمایا: وَاَمَّاۤ اِنۡ كَانَ مِنۡ اَصۡحٰبِ الۡيَمِيۡنِ ﴿۹۰﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنۡ اَصۡحٰبِ الۡيَمِيۡنِ ﴿۹۱﴾ اور اگر وہ داہنے ہاتھ والوں میں سے ہوگا تو (اس کے لیے کہا جائے گا) تیرے لیے سلامتی ہے کہ تو داہنے ہاتھ والوں میں سے ہے۔ اگر مرنے والا ان لوگوں میں سے ہے جن کا اعمالنامہ اُن کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا اور عرشِ عظیم کی دائیں طرف کھڑا کیا جائے گا تو عند الموت فرشتے اس پر سلامتی بھیج رہے ہوتے ہیں۔ اس کا احترام کرتے ہیں اور اُس کے لیے جنت سے لباس لے کر آتے ہیں۔ اسے راحت اور احترام کے ساتھ لے کر جاتے ہیں۔ وہ جہاں جاتا ہے سلامتی کی دعائیں ہوتی ہیں اور وہ بھی دنیا کے بکھیڑوں سے نکل کر پرسکون اور آرام دہ جنت میں چلا جاتا ہے۔ تیسرا حال ان لوگوں کا ہے جنہوں نے اللہ کی عظمت کا انکار کیا قرآن کی قدر نہیں کی تو وہ دوزخ کی طرف جا رہے ہوتے ہیں۔ فرمایا: وَاَمَّاۤ اِنۡ كَانَ مِنَ الۡمُكَذِّبِيۡنَ الضَّآلِّيۡنَ ﴿۹۲﴾ فَنُزُلٌ مِّنۡ حَمِيۡمٍ ﴿۹۳﴾ وَّتَصۡلِيَةُ جَحِيۡمٍ ﴿۹۴﴾ اور اگر وہ شخص جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہوگا تو کھولتے ہوئے پانی سے اس کی دعوت ہوگی۔ اور جہنم میں داخل کیا جائے گا۔

تیسرے درجے میں وہ لوگ ہیں جو انکار کر دیتے ہیں یا گمراہ ہیں۔ جن کے عقائد و اعمال درست نہیں۔ جنہوں نے عظمتِ قرآن کو نہیں پہچانا اور احکامِ الٰہی کو نہیں مانا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے عظمتِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر دیا اور ساری زندگی خواہشات ولذّاتِ نفس کے حصول میں بسر کر دی جس کے نتیجے میں دین کے منکر یا پھر گمراہ ہو گئے۔ یہ لوگ مر کر جہنم کے کھولتے ہوئے پانیوں میں گر رہے ہوتے ہیں۔ جہنم میں جھونکے جا رہے ہیں گویا موت انہیں دنیا سے اٹھا کر دوزخ کے کھولتے پانیوں اور بھڑکتے شعلوں میں پھینک دیتی ہے۔

قبر میں عذاب وثواب:

فرمایا، مرنے والے کے ساتھ تین حال ہوتے ہیں اگر مقربین میں سے ہے تو جنتیں نچھاور ہو رہی ہوتی ہیں۔ اصحابِ یمین میں سے ہے تو سلامتی اور لطف وکرم کی بادِ بہاری چل رہی ہوتی ہے اور اگر انکار کرنے والوں میں سے تو جہنم کے عذابوں میں پھینکا جا رہا ہوتا ہے۔ فرمایا: اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الۡيَقِيۡنِ ﴿۹۵﴾ یقیناً یہی صحیح

(حق الیقین) بات ہے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں یقیناً یہ بہت پکی بات ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عندالموت یہ سب کچھ ہوتا ہے۔ 'اِنَّ' تاکید کے لیے آتا ہے کہ یہ بات صحیح ترین بات ہے اس پر یقین کرلو۔ اب یہ بات بڑی عجیب ہے اور یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جنت دوزخ کا داخلہ تو قیامت کے بعد ہوگا تو مندرجہ بالا احوال میں مرنے والے کس جنت یا دوزخ میں جارہے ہیں؟ یہ جنت و دوزخ برزخ میں ہے۔ یہ انتظارگاہ ہے یعنی قیامت تک جس درجے کا بندہ ہوگا اس درجے کی انتظارگاہ میں رہے گا۔

اگر مقربین میں سے ہوگا تو انتظارگاہ بھی اعلیٰ پائے گا، جنت سے سجی سجائی ہوگی۔ اگر اصحاب یمین سے ہوگا تو اس سے کمتر سہی لیکن ہوگی جنت ہی جہاں سلامتی اور اللہ کی رحمت ہوگی۔ یہ ثوابِ قبر ہے اگر منکرین میں سے ہوگا تو دوزخ بھڑک رہی ہوگی یہی عذابِ قبر ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ عالی ہے، فرمایا: اَلْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ اَوْ حُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النَّارِ اوکما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ترمذی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قبر یا تو ایک باغ ہوجاتی ہے بہشت کے باغوں میں سے یا خندق ہوجاتی ہے دوزخ کی خندقوں میں سے۔ اسی کو برزخ کا عذاب و ثواب کہتے ہیں۔ آج کل یہ بھی ایک فتنہ ہے کہ لوگ برزخ کے عذاب و ثواب کا انکار کر رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مرنے والا مر کر مٹی ہوجاتا ہے اُسے نہ کوئی عذاب ہے نہ ثواب ہے۔

یاد رہے کہ اس کا انکار دین کا انکار ہے اس لیے کہ برزخ کا عذاب و ثواب ضروریاتِ دین میں سے ہے اور قرآن بارہا اس کا ذکر فرماتا ہے۔ فرعون اور اس کی قوم کے بارے ارشاد ہوتا ہے، فرمایا: اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا (نوح: 25) اپنے گناہوں کے سبب غرق کیے گئے پھر دوزخ میں ڈالے گئے۔ گویا سمندر میں غرق ہوئے اور آگ میں پہنچ گئے۔ اسی طرح ارشاد ہوتا ہے، فرمایا: اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا (المومن: 46) آگ کہ (برزخ میں) صبح اور شام اس کے سامنے لائے جاتے ہیں۔ فرعون اور اس کی ساری قوم پر صبح شام جہنم کی آگ بھیجی جاتی ہے اور ابھی تک تو وہ برزخ میں ہی ہیں۔ جب تک قیامت قائم نہیں ہوتی وہ برزخ میں ہی رہیں گے۔ لہٰذا برزخ کے عذاب و ثواب کا انکار ضروریاتِ دین کا انکار ہے۔ آج کل بڑی دیدہ دلیری سے اس کا انکار کیا جارہا ہے۔ اس پر توجہ کی جائے، غور کیا جائے اور اس کے انکار سے بچا جائے۔ اللہ کریم ہدایت نصیب فرمائیں تو اس سے بچنے کا راستہ کون سا ہے؟ کہاں جائیں؟

جائے پناہ، ذکرِ اسمِ ذات:

فرمایا: فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٩٦﴾ تو آپ اپنے بزرگ پروردگار کے نام کی پاکی بیان کرتے رہیں۔

فرمایا، اس سے بچنا ہے تو دل کو اللہ کے نام سے آباد کرلو، روشن کرلو۔ اس کے عظیم نام کی پاکی بیان کرتے رہو، اُسے دل میں بسالو۔ کوئی لمحہ اُس کی یاد سے خالی نہ جائے۔ جن دلوں میں اس کی یاد بستی ہے اُنہی کو قرب نصیب ہوتا ہے، اُنہی میں سے اصحابِ یمین بنتے ہیں اور جو دل ویران ہوتے ہیں وہاں شیاطین آباد ہو جاتے ہیں اور اُنہیں تیسرے درجے میں لے جاتے ہیں۔ اللہ اس سے پناہ دیں۔ ذکر کی تین اقسام ہیں اور تینوں اختیار کی جانی چاہیں۔ ایمان لانا، زبان سے تسبیح کرنا، تلاوت کرنا، سچ بولنا وغیرہ یہ سارا لسانی ذکر ہے۔ دن بھر محنت کرنا، حلال کمانا، والدین کی خدمت کرنا، گھر بنانا اولاد کی پرورش کرنا یہ عملی ذکر ہے۔ اگر یہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت میں ہے تو ذکرِ الٰہی ہے۔ لسانی ذکر بھی کرو، عملی ذکر بھی کرو اور سب سے اعلیٰ ذکرِ قلبی ہے کہ اللہ کے نام کو، اُس کی یاد کو دل میں بسالو۔ کوئی سانس اللہ کے نام کے بغیر نہ نکلے کوئی پلک اللہ کی یاد کے بغیر نہ جھپکے۔ یہ وہ راستہ ہے جس کو اختیار کر کے تم اللہ کی ناراضگی اور جہنم کے عذابوں سے بچ کر اللہ کی رضا کو پا کر اُن درجات پر پہنچ سکتے ہو جن کی تعریف فرمائی گئی ہے۔

سورۃ الحدید رکوع 1 آیات 1 تا 10

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ﴿١﴾ لَهٗ مُلْکُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۚ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿٢﴾ ھُوَ الْاَوَّلُ
وَالْاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿٣﴾ ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ۚ یَعْلَمُ مَا
یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْھَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ
فِیْھَا ۚ وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ ۚ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿٤﴾ لَهٗ مُلْکُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَی اللّٰہِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿٥﴾ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّھَارِ
وَیُوْلِجُ النَّھَارَ فِی الَّیْلِ ۚ وَھُوَ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿٦﴾ اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ
وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَکُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْهِ ۚ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ
وَاَنْفَقُوْا لَھُمْ اَجْرٌ کَبِیْرٌ ﴿٧﴾ وَمَا لَکُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ ۚ وَالرَّسُوْلُ
یَدْعُوْکُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّکُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِیْثَاقَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿٨﴾
ھُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِهٖۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی
النُّوْرِ ۚ وَاِنَّ اللّٰہَ بِکُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿٩﴾ وَمَا لَکُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ
اللّٰہِ وَلِلّٰہِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ
قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ۚ اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ
وَقٰتَلُوْا ۚ وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی ۚ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿١٠﴾

جو مخلوق آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے اور وہ غالب حکمت والے ہیں ﴿۱﴾ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اُسی کی ہے وہی زندگی دیتا ہے اور موت دیتا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے ﴿۲﴾ وہی سب سے پہلے ہے اور وہی سب سے پیچھے ہے اور وہی ظاہر اور پوشیدہ ہے اور وہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے ﴿۳﴾ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا پھر عرش پر قائم ہوا وہ جانتا ہے جو چیز زمین کے اندر داخل ہوتی ہے اور جو چیز اس سے نکلتی ہے اور جو چیز آسمان سے اترتی ہے اور جو چیز اس میں چڑھتی ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہے خواہ تم کہیں بھی ہو اور اللہ تمہارے سب اعمال کو بھی دیکھتا ہے ﴿۴﴾ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اُسی کی ہے اور اللہ کی طرف ہی سب امور لوٹ کر جائیں گے ﴿۵﴾ وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور وہ دلوں کی باتوں تک کو جانتا ہے ﴿۶﴾ اللہ اور اس کے پیغمبر پر ایمان لاؤ اور جس (مال) میں اس نے تم کو اپنا نائب بنایا ہے اس میں سے (اس کی راہ میں) خرچ کرو سو تم میں سے جو ایمان لے آئیں اور خرچ کریں ان کو بہت بڑا صلہ ملے گا ﴿۷﴾ اور تمہیں کیا ہے کہ اللہ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ پیغمبر تمہیں بلا رہے ہیں کہ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ اور اُس نے تم سے عہد لیا تھا اگر تم ایمان لانے والے ہو تو ﴿۸﴾ وہی تو ہے جو اپنے (خاص) بندے پر واضح آیات نازل فرماتا ہے تاکہ وہ تم کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف لائے اور بے شک اللہ تم پر بڑے شفیق اور بڑے مہربان ہیں ﴿۹﴾ اور تم کو کیا ہوا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے اور آسمانوں اور زمین کی وراثت تو اللہ ہی کی ہے جو تم میں سے فتح (مکہ) سے پہلے خرچ کر چکے اور لڑ چکے برابر نہیں وہ ان لوگوں سے درجہ میں بہت بڑے ہیں جنہوں نے اس (فتح مکہ) کے بعد خرچ کیا اور لڑے اور اللہ نے سب کے ساتھ بھلائی کا وعدہ فرما رکھا ہے اور اللہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہیں ﴿۱۰﴾

تفسیر و معارف

سورۂ حدید اُن سورتوں میں سے ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی مدنی حیاتِ مبارکہ میں نازل ہوئیں چنانچہ یہ مدنی سورت ہے۔ یہ اُن پانچ سورتوں میں سے ہے جو مسبّحات کہلاتی ہیں کیونکہ ان کا آغاز 'سَبَّحَ ' سے ہوتا ہے۔ ان مسبّحات میں سورۂ حدید کے علاوہ سورۂ حشر، سورۂ الصّف، سورۂ جمعہ اور سورۂ تغابن شامل ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی عادتِ مبارکہ تھی کہ رات کو سونے سے پہلے ان کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ ان کی بے پناہ برکات ہیں اور رحمتِ الٰہی پانے کا سبب ہیں جو دنیا و آخرت میں کامیابی کی بنیاد ہے۔

کائنات کی ہر شئے اللہ کی تسبیح کرتی ہے:

فرمایا: سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔۔۔ جو مخلوق آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے۔

زمینوں اور آسمانوں میں جو چیز بھی ہے وہ اللہ کا ذکر کرتی ہے، اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے۔ ہر ذرّہ، ہر پتا، ہر جڑی بوٹی، ہر درخت، ہر پتھر پانی کا ہر قطرہ، ہر جاندار، خود زمین ذکر کرتی ہے ہر چیز اللہ کا ذکر کرتی ہے۔ اسی طرح آسمانی مخلوق، ستارے، سیارے ہر چیز کی بقا ذکرِ الٰہی میں ہے۔ اُن کے وجود زبانِ حال سے ذکر کرتے ہیں جبکہ اپنی زبان میں ہر شئے زبانِ قال سے بھی اللہ کا ذکر کرتی ہے کہ ہر چیز کی اپنی زبان ہے۔ ہر وجود کی ہیئت، اُس کی صفات، اللہ کی یاد دلاتی ہیں۔ یہ حالاً ذکر ہے۔ قدرت کی کاریگری دیکھ کر انسان ششدر رہ جاتا ہے۔ ابھی حال ہی میں ایک سائنسدان نے پانی کے ایک قطرے میں موجود ذرّات کی تصویریں شائع کی ہیں۔ ہر ذرّہ تصویر میں ایک پھول کی طرح دکھائی دیتا ہے اور سب کی صورت جداگانہ ہے۔ اسی طرح برف کے ذرّات کی تصویریں بنائی گئیں تھیں اور وہ بھی بے حد خوبصورت نقش و نگار تھے۔ ہر وجود حالاً بھی اللہ کا ذکر کر رہا ہے اور زبانِ قال سے بھی اللہ کی پاکی بیان کرتا ہے۔

آب و خاک و باد و آتش بندہ اند

بامن و تو مردہ باحق زندہ اند

یہ چیزیں جو ہمیں بے جان لگتی ہیں پتھر، درخت وغیرہ اللہ کی مخلوق ہیں اور ہر ایک کو اُس نے اپنی زبان دی ہے جس میں وہ اللہ کی پاکی بیان کرتا ہے۔ اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ جیسے انسان کو زبان دی ہے تو مختلف ممالک میں زبان کا استعمال مختلف ہے جبکہ مفہوم ایک ہی ہوتا ہے۔ مثلاً پانی کو اردو میں پانی کہہ دیں گے عربی میں ماء اور انگریزی میں

WATER لیکن پانی چیز تو ایک ہے اور انسانی زبان بھی ایک ہے لیکن اس کی ادائیگی مختلف ہوگئی۔ اسی طرح ان سب چیزوں کی بھی اپنی اپنی زبان ہے جس سے یہ اللہ کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں اور یہ ان کی مجبوری ہے کہ ان کی بقا ذکرِ الٰہی پر ہے جس چیز سے ذکر چھوٹ جاتا ہے وہ فنا ہوجاتی ہے جس پتے سے ذکر چھوٹ جائے وہ خشک ہوکر گر جاتا ہے۔ جس درخت سے ذکر رہ جائے وہ ایندھن بن جاتا ہے۔ جس پہاڑ سے ذکر رہ جائے وہ گر جاتا ہے، دریا ذکر چھوڑ دے تو خشک ہوجاتا۔ ہر چیز کی بقا ذکر الٰہی میں ہے۔

یہ صرف مکلف مخلوق جن اور انسان ہیں جن کو موت تک یہ مہلت دی گئی ہے کہ اگر ذکر نہ کریں تو بھی اُن کی زندگی چلتی رہے گی، روزی ملتی رہے گی۔ جب موت آئے گی تو پھر حساب ہوگا کہ ذکر نہ کر کے تم نے کیا کھویا۔ اُن کے ذکر نہ کرنے کی بدبختی جمع ہوتی رہے گی۔ انسانوں سے جب ذکر چھوٹتا ہے تو اس غفلت پر جو نحوست وارد ہوتی ہے وہ انہیں مزید گناہ یا کفر کی گہرائی میں کھینچ کر لے جاتی ہے۔ ان کے پاس تا دمِ مرگ فرصت ہے موت آئے گی تو آنکھ کھل جائے گی۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہوتا ہے، فرمایا: **فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ** (قٓ:22) سو ہم نے تجھ پر سے تیرا پردہ (غفلت کا) ہٹادیا۔ سو آج تیری نگاہ بہت تیز ہے۔ انسان کے پاس موت تک فرصت ہے اور یہ بھی اللہ کی طرف سے اس کی آزمائش ہے۔ فرمایا: **وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ** ① اور وہ غالب حکمت والے ہیں۔

وہ غالب ہے جو چاہے، جب چاہے کر سکتا ہے لیکن چیزوں کے انجام، اُن کی ابتدا اور انتہا اُس کی حکمت کے مطابق ہوتی ہے۔ ایسی بات نہیں ہے کہ انسان کو ذکر نہ کرنے پر مہلت دیتے رہنا اللہ کی مجبوری ہے۔ اگر وہ چاہے تو انسان کو بھی باقی چیزوں کی طرح ذکر سے غفلت پر فوراً فنا کردے وہ قادر ہے لیکن یہ اُس کی حکمت ہے کہ اس نے انسانوں کو آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ اُن کو موت تک مہلت دے دی کہ ذکر نہ کر کے بھی دیکھ لو اور اگر توبہ کرنا چاہو تو اس کا دروازہ بھی کھلا ہے اگر بغیر توبہ کیے اُسی حال میں گزر گئے تو پھر اُس کا انجام بھی بھگت لو گے۔

اللہ کی صفاتِ عالی:

فرمایا: **لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ** ② آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اُسی کی ہے وہی زندگی دیتا ہے اور موت دیتا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔

کسی نے کیا خوب کہا تھا:

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آذری

ارض وسما کی بادشاہی اور حکومت جچتی ہی اُس کو ہے جس کا ہر چیز پر کُلّی اختیار ہے۔ دنیا میں جو کچھ کسی کے پاس ہے اللہ کی امانت ہے۔ کسی کو مزدوری دے دی کسی کو حکومت واقتدار دے دیا۔ کسی کو صحت دے دی اور کوئی بیمار ہو گیا، کسی کو دولت دے دی کسی پر غربت بھیج دی۔ یہ سب وقتی لمحاتی چیزیں ہیں جو من جانب اللہ آتی ہیں۔ وہ حقیقی حاکم ہے، واحد ہے لاشریک ہے۔ اُس کے مقابلے میں جو اپنی بادشاہی کا اعلان کرتا ہے وہ ایک ذرّہ بھی پیدا نہیں کر سکتا۔ اللہ کریم ہی حیات بخشتا ہے اور موت بھی وہی دیتا ہے۔ دنیا کا کوئی بادشاہ کائناتِ بسیط میں کوئی چیز پیدا کر سکتا ہے نہ مٹا سکتا ہے۔ اگر کوئی کر سکتا ہے تو ذرا سورج کی روشنی زمین پر پڑنے سے روک کے دکھائے۔ کوئی بڑے سے بڑا حکمران ہوا کو چلنے سے روک دے یا بارش کو حکم دے کہ برس جائے، یا رک جائے۔ ہے کوئی ایسا بادشاہ یا حکمران؟ وہ تو خود اپنی زندگی کے لیے اللہ کا محتاج ہے۔ جب اللہ کا حکم ہوگا تو وہ اپنی موت کو نہیں روک سکتا۔ اگر اللہ بیماری بھیج دیں تو اسے بیمار ہونا پڑتا ہے۔ ہر انسان کے پاس ہر نعمت اللہ کی عطا کردہ امانت ہے اور جس کے پاس جو ہے اُسے اُس حال میں اللہ کی اطاعت کا حق ادا کرنا چاہیے۔ حقوق کو دو حصّوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے، حقوق اللہ اور حقوق العباد لیکن درحقیقت دونوں ایک ہی ہیں کہ دونوں ایک ہی بارگاہ سے عطا ہوئے ہیں۔ حقوق اللہ میں اللہ کے حقوق ہیں اور حقوق العباد بندوں کے بندوں پر حقوق جو اللہ کے مقرر کردہ ہیں۔ اُن کی ادائیگی بھی اللہ ہی کی اطاعت ہے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ کریم ہی زندگی بخشتا ہے اور موت دیتا ہے اور ہر چیز پر قادر ہے جب چاہتا ہے، جو چاہتا ہے، کر سکتا ہے۔ فرمایا: هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ③ وہی سب سے پہلے ہے اور وہی سب سے پیچھے ہے اور وہی ظاہر اور پوشیدہ ہے اور وہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے۔

وہی ایک ذات ہے جو سب سے اوّل ہے کہ اُسی نے سب مخلوقات کو پیدا فرمایا ہے ورنہ اس کی ذات تھی اور کچھ نہ تھا۔ وہی آخر بھی ہے کہ سب مخلوق فنا کی زد میں ہے، اُسی کی ذات باقی رہے گی۔ اُس نے مخلوق پیدا کر دی، وہ پیدا ہو گئی جب فنا کر دے گا، فنا ہو جائے گی۔ اُس نے بعض چیزوں کو دوام بخشا ہے جیسے جنت، عرشِ عظیم وغیرہ جنہیں قیامت بھی فنا نہیں کرے گی لیکن وہ اپنے وجود میں تو فانی ہیں، اللہ چاہے تو فنا ہو سکتی ہیں۔ وہ اپنے آپ کو خود قائم نہیں رکھ سکتیں۔ انسانی ارواح بھی ہمیشہ زندہ رہتی ہیں لیکن اللہ رکھتا ہے تو رہتی ہیں اپنی ذات میں دائمی نہیں ہیں۔ صرف اللہ ہی ہے! وہی اوّل ہے، وہی آخر ہے۔

فرمایا: وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۔۔۔ وہی ظاہر اور پوشیدہ ہے۔ وہی ہے جس کی حکمت اور قدرت ہر ذرّے سے عیاں ہے۔ جو ظاہراً بھی چیزیں نظر آ رہی ہیں سب اسی کی عظمت کی گواہ ہیں۔ یہ اسی کی کاریگری ہے جو ہر طرف بکھری پڑی ہے۔ ہر ذرّے، ہر تنکے، ہر جاندار ہر بے جان شے میں، سورج کی روشنی، چاند کی چاندنی میں اسی کی

عظمت اور قدرت کا اظہار ہے اور وہی پوشیدہ بھی ہے۔ اس کی ذات کو کوئی نہیں پا سکتا وہ اپنی ذات اور کنہ کے اعتبار سے باطن ہے۔ اس کی کنہ، وہ کیسا ہے انسانی عقل اور علوم کی رسائی سے بالاتر ہے لہٰذا سب سے پوشیدہ سب سے باطن بھی وہی ہے اور ہر جگہ موجود بھی ہے۔

ایک شخص ملاقات کے لیے آیا، کہنے لگا مجھے اللہ کی تلاش ہے۔ میں نے کہا ارادہ تو بہت نیک ہے لیکن یہ بتاؤ اللہ کریم کب سے گم ہوئے ہیں! تلاش تو اُس چیز کو کیا جاتا ہے جو غائب ہو، گم ہو جبکہ اللہ کی ذات تو ایسی ہے کہ ہر وقت ہر جگہ موجود ہے۔ میں نے کہا تم اپنے آپ کو تلاش کرو، تم خود کو کھو چکے ہو۔ تم اپنے آپ کو واپس راہ پر لاؤ اتباعِ دامانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم تھامو۔ اللہ تو ہر وقت ہر جگہ موجود ہے۔

راہِ سلوک میں اسی آیۂ مبارکہ کا مراقبہ بھی کرایا جاتا ہے۔ انسانی روح کی منازل بہت ہی بلند ہیں چونکہ روح عالمِ امر سے ہے۔ آسمانوں کی پہنائیوں سے بالاتر، عرشوں سے گزر کر جہاں عالمِ خلق کی انتہا ہے وہاں سے عالمِ امر شروع ہوتا ہے۔ روح اگر اتنی منازل طے کر کے عالمِ امر میں بھی پہنچ جائے تو صوفیا کے نزدیک روح اپنے گھر پہنچی اب اس سے آگے جائے گی تو سمجھیں گے ترقی کر رہی ہے۔ منازلِ سلوک کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ یہ کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ اس لیے کہ کوئی جگہ ایسی نہیں آئے گی جہاں پہنچیں اور آگے اللہ کریم بیٹھے ہوں۔ اللہ کریم تو ہر جگہ موجود ہیں لیکن اس کے قرب کے درجات اتنے ہیں جن کی انتہا نہیں۔ اگر کسی کو اللہ توفیق دیں اور وہ مسلسل ترقی کرتا رہے تو بھی یہ سفر ختم نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ مر جائے اور برزخ میں بھی اللہ اُسے ترقی دیتے ہیں کہ وہ قادر ہیں ورنہ ترقی کا مدار دنیا کے اعمال پر ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کی عطا سے، جنت میں بھی روزانہ ترقی کرتا رہے تو بھی منازل سلوک ختم نہیں ہوں گی۔ صوفیا کی سوانح لکھنے والے اکثر تصوف سے نابلد ہوتے ہیں اور ایک غلط العام جملہ بھی لکھ دیتے ہیں کہ فلاں حضرت نے فلاں جگہ سے سلوک مکمل کر لیا، فلاں جگہ سے تعلیم مکمل کر لی۔ بھلا علم بھی ختم ہوتا ہے کبھی؟ تعلیم مکمل ہوتی ہے نہ کبھی سلوک مکمل ہوتا ہے۔ ساری زندگی پڑھتے رہو پھر نئی بات سامنے آجاتی ہے جب ظاہری علم ختم نہیں ہوتا تو علمِ باطن کیسے ختم ہو سکتا ہے جو اس سے زیادہ قیمتی ہے۔ علوم ظاہری کی کوئی حد نہیں ہے مرتے دم تک پڑھتے رہو تو علم مزید ترقی کرتا رہتا ہے تو علمِ باطن کی حدود کس نے مقرر کر دیں؟ یہ ساری ترقی یعنی روح کو بلند منازل کی طرف پرواز کے لیے جو پَر ملتے ہیں، جن پَروں پر اس کی پرواز کا مدار ہے وہ پَر یہی آیۂ مبارکہ ہے: **هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ**۔۔۔ اس مراقبے پر جتنی محنت کی جائے اور جتنا یہ راسخ ہوتا ہے اتنی روح میں قوتِ پرواز زیادہ ہوتی ہے۔ جنہیں یہ مراقبہ نصیب ہے انہیں چاہیے کہ اس پر محنت کریں کہ انتہائی منازل تک پرواز کی قوت اسی سے ملتی ہے۔ علمائے حق فرماتے ہیں کہ یہ آیۂ مبارکہ شیطانی وسواس کا بڑا علاج ہے۔ جنہیں مراقبات نصیب نہیں وہ بطور

وظیفہ یہ آیت پڑھتے رہیں تو شیطانی وساوس رفع ہو جاتے ہیں۔ اپنے لیے کوئی تعداد مقرر کر لیں اور روز پڑھیں تو شیطانی وساوس سے شفا نصیب ہو جاتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ وسوسہ آئے تو اُسے بھلانے کی کوشش کریں جبکہ ہم اُسے سوچنا شروع کر دیتے ہیں جس سے وہ بڑھ جاتا ہے۔ فرمایا، وہی اوّل ہے، وہی آخر ہے۔ وہی ظاہر ہے، وہی پوشیدہ ہے جس کی کُنہ کو کوئی نہیں پا سکتا وہ ہی ذاتِ باری ہے جس کی قدرت کے مظاہر ہر طرف بکھرے ہوئے ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا تھا:

یوں تو ہر جگہ ہے تُو
ملتا پھر نہیں ہے تُو

ہر جگہ موجود ہے لیکن پانے کے لیے بڑی محنت کرنا پڑتی ہے۔ فرمایا: وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۞ اور وہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے۔

اُس کی ذات ہر چیز سے، ہر لمحے آگاہ ہے۔ اس سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں۔ یہ آیہ کریمہ بتا رہی ہے کہ جو کام تم لوگوں سے چھپ کر کرتے ہو، کہیں تاریکیوں میں بیٹھ کر کرتے ہو، یاد رکھو اللہ کے سامنے کر رہے ہو۔ وہ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔

چھ دنوں میں ارض وسما کی تخلیق:

فرمایا: هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ ۔۔۔ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا۔

وہ ایسا قادر ہے کہ اس نے ارض وسما اور اُن میں بے پناہ مخلوق کو جدا جدا خصوصیات کے ساتھ صرف چھ دنوں میں بنا دیا۔ ہر ذرّے میں الگ خصوصیت ہے۔ ہر پتے ہر جھاڑی، ہر فرد، ہر جانور میں الگ خصوصیات ہیں۔ آسمان اور اُس کی وسعتیں اور اس میں مخلوق کے کمالات کی بھی حد نہیں۔ یہ سب کچھ اُس قادرِ مطلق نے اپنی حکمتِ بالغہ کے ساتھ صرف چھ دنوں میں بنایا۔ وہ قادر ہے، چاہتا تو ایک لحظہ میں سب کچھ بنا دیتا۔ اُس کی شان تو یہ ہے کہ چیز کا وجود ہی نہیں ہوتا اور وہ حکم دیتا ہے 'کُنْ' ہو جا اور فَيَكُوْنَ وہ ہو جاتی ہے۔ پھر یہ چھ دنوں میں بنانے کا کیا مقصد ہے؟ یہ اس لیے ہے کہ اللہ کریم تعلیم فرما رہے ہیں کہ کاموں میں تدریج اور ترتیب ہے۔ یہ سنتِ الٰہی ہے کہ ہر کام اپنے وقت اور قاعدے کے مطابق کیا جائے، لہٰذا خود اُس نے تخلیق فرمانے میں بھی ترتیب رکھی۔ اس عالمِ اسباب میں اللہ کریم نے ایک ایک چیز کے اسباب بنائے جس کے نتیجے میں وہ چیز بنتی گئی۔ یہ قاعدہ تو ارشاد فرما دیا لیکن آسمانوں اور زمین میں بے شمار مخلوق کو پیدا فرما کر اور اس کی ہر چیز کو درست فرمانا، یہ بہت بڑا کام اُس نے بہت جلدی، صرف چھ دنوں

میں کر دیا۔ فرمایا: ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ۔۔۔ پھر عرش پر قائم ہوا۔ پھر عرش کو اُس نے اس کا مرکز بنا دیا۔ اس کا ترجمہ تو یہ ہی بنتا ہے کہ پھر اُس کی ذات عرش پر قائم ہوئی جس سے ایک مکتبہ فکر نے یہ نظریہ اپنا لیا ہے کہ عرش پر ایک کرسی رکھی ہے اور اللہ کریم اس پر تشریف فرما ہیں۔ یہ نظریہ درست نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اللہ کریم کرسی پر تشریف فرما ہیں تو ایک جہت تو معلوم ہوگئی۔ جو کرسی پر بیٹھا ہوتا ہے اس کی ایک انتہا تو کرسی کے ساتھ ہوتی ہے ناں؟ جس کی انتہا معلوم ہوگئی تو اس کی ابتدا بھی معلوم کی جا سکتی ہے اور باقی حدود بھی معلوم ہو سکتی ہیں۔ اللہ کی ذات ان انتہاؤں سے پاک ہے حدود سے وری الورٰی ہے۔ اُس نے عرشِ عظیم کو دنیا کا مرکز یا یوں کہہ لیں سیکریٹریٹ بنا دیا ہے۔ دنیا کے لیے سارے فیصلے عرش سے آتے ہیں۔ جس طرح ملک کے دارالحکومت میں ایک سیکریٹریٹ ہوتا ہے جہاں سے پورے ملک کا نظام چلایا جاتا ہے اسی طرح عرش کو اللہ نے کائنات کا مرکز بنا دیا ہے۔ دنیا میں کیا ہونا ہے یہ سارے احکام عرشِ عظیم سے آتے ہیں اور دنیا میں جو ہوتا ہے وہ سب بھی وہی جاتے ہیں۔ وہیں سے حیات بٹتی ہے، وہیں سے موت صادر ہوتی ہے صحت، بیماری اور رزق وغیرہ سب کچھ وہاں سے تقسیم ہوتا ہے۔ وہیں سب امور کے مرکزی دفاتر ہیں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دعا میں ہاتھ اٹھانا سنت ہے اور اسی لیے اٹھائے جاتے ہیں کہ دعا عرشِ عظیم کو جاتی ہے۔ دعا میں ہاتھ عرشِ عظیم کی طرف اُٹھائے جاتے ہیں۔ اب ایک مکتبہ فکر اس کے بھی خلاف ہے اُن کا خیال ہے کہ دعا میں ہاتھ نہیں اٹھانے چاہیں۔ لوگ پتا نہیں کیا سوچتے ہیں اور کیا کرتے ہیں! فرمایا، اس نے ایک ترتیبِ حیات رکھی ہے کہ ان چھ دنوں میں عرش، فرش، زمین اور آسمان مکمل کر دیے۔ اُن کی تمام مخلوق مکمل کر دی اور سارے طریقے سلیقے، موسم وغیرہ ہر چیز مکمل کر کے عرش کو اس کا مرکز بنا دیا۔

فرمایا: یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا۔۔۔ جو چیز زمین کے اندر داخل ہوتی ہے اور جو چیز اس سے نکلتی ہے۔ کوئی ذرہ کوئی بارش کا قطرہ، کوئی جن، فرشتہ کوئی بھی مخلوق اگر زمین کے اندر جاتی ہے تو وہ دیکھ رہا ہے، اُس کے علم میں ہے۔ جو کچھ زمین سے نکلتا ہے، جڑی بوٹیاں اگتی ہیں، کھیتیاں اُگتی ہیں اور بے شمار چیزیں جو پیدا ہوتی ہیں، ہر چیز اس کے علم میں ہے۔ فرمایا: وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا۔۔۔ اور جو چیز آسمان سے اترتی ہے اور جو چیز اس میں چڑھتی ہے۔

جو کچھ آسمان سے نازل ہوتا ہے وہ جانتا ہے۔ اُس کے روبرو ہوتا ہے۔ آسمان سے فرشتے آتے ہیں یا ارواح آتی ہیں، بارشیں نازل ہوتی ہیں الغرض جو کچھ بھی نازل ہوتا ہے وہ سب جانتا ہے۔ اسی طرح زمین سے جو کچھ

آسمان کی طرف اٹھایا جاتا ہے، فرشتے زمین سے آسمان کی طرف جاتے ہیں یا مخلوق کے اعمال و کردار آسمان کی طرف جاتے ہیں۔ یہ سب کچھ اللہ کے علم میں ہے۔ وہ سب جانتا ہے، دیکھ رہا ہے۔

معیتِ باری:

فرمایا: وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ ۔۔۔ اور وہ تمہارے ساتھ ہے خواہ تم کہیں بھی ہو۔ وہ تمہارے تمام احوال سے واقف ہے تم جہاں کہیں بھی ہو جس حال میں ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔ تم سے جدا نہیں بلکہ تمہارے ساتھ ہے۔ معیتِ باری میں بہت خوبصورت بحثیں ہیں۔ اللہ تو ساری کائنات کے ساتھ ہے۔ ہر مخلوق کے ساتھ ہے۔ مومن و کافر کے ساتھ بھی ہے، ہر قطرۂ آب، ہر ذرّے کے ساتھ بھی ہے یہ معیت وہ ہے جو چیزوں کو وجود حیات اور اوصاف عطا کرتی ہے۔ یہ معیت موت و حیات کے فیصلے کرتی ہے چنانچہ یہ ہر شئے کو حاصل ہے ہر جاندار بے جان، مومن کافر، آسمان زمین، عرش کرسی وغیرہ کو معیتِ باری کا یہ پہلو حاصل ہے۔ فرمایا: وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۴﴾ اور اللہ تمہارے سب اعمال کو بھی دیکھتا ہے معیتِ باری کا احساس اور ادراک ہو جانا کہ اللہ میرے ساتھ ہے، میری شہ رگ سے بھی قریب تر ہے ایمان و یقین کا نتیجہ ہے پھر جو جرم کرتا ہے تو گویا اللہ کے روبرو دلیری کر رہا ہے۔ یہ بھی معیت کی قسم ہے۔ یہ احساس و ادراک جب نیکوں میں ہوتا ہے تو حال کچھ اور ہوتا ہے۔

امتِ مسلمہ کے دامن میں ایسے ایسے ہیرے ہیں، ایسے ایسے لوگ گزرے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ برصغیر کی تاریخ میں ایک ریاست کے حکمران ٹیپو سلطان مرحوم ایک ایسے ہی ہیرے تھے۔ اُن کی ایک تصویر جو عموماً شائع کی جاتی ہے جس میں اُن کی بڑی بڑی مونچھیں اور داڑھی صاف ہے وہ اُن کی اصل تصویر نہیں ہے۔ اُن کی اصل تصویر انڈیا آفس لائبریری میں موجود ہے۔ وہاں سے کسی نے بھیجی تو اُس میں بڑی خوبصورت داڑھی ہے اور وہ دیکھنے میں بادشاہ نہیں بلکہ درویش لگتے ہیں۔ انگریزوں نے یہ اصل تصویر چھپا دی اور نقلی تصویر عام کر دی۔ اُن کے والدِ گرامی کی بھی داڑھی تھی۔ ٹیپو سلطان کی عادت تھی کہ وہ غسل خانے میں بھی ایک باریک سا لباس زیب تن کر کے غسل فرماتے تھے۔ جو صابن وغیرہ استعمال کرتے وہ اس لباس کے اوپر سے لگاتے تھے۔ کسی نے عرض کی کہ بادشاہ سلامت غسل خانے کا دروازہ بند ہوتا ہے تو آپ یہ تکلف کیوں کرتے ہیں؟ وہ کہنے لگے یہ دروازہ مخلوق کے لیے بند ہے لیکن میں اللہ کے سامنے تو ہوں۔ مجھے برہنہ ہوتے ہوئے اللہ سے حیا آتی ہے۔ یہ ایک ادراک ہے معیتِ باری کا ایک احساس ہے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے میرے ساتھ ہے۔

نیکی کی بنیاد ایمان ہے اور اُس کا وجود عمل ہے۔ نظریے اور عقیدے پر ایمان لا کر خلوصِ دل سے کردار کو اس میں ڈھالنا نیکی ہے، احسان ہے۔ اس کے نتیجے میں محسنین کو، نیک لوگوں کو جو معیتِ باری حاصل ہوتی ہے وہ معیت اللہ کی رضا اور خوشنودی کی ہے، اس کے انعام واکرام کی ہے۔ یہ معیتِ باری نصیب ہونا بہت ہی بڑی نعمت ہے لیکن اس میں ایک عجیب بات ہے ذاتِ باری کی یہ معیت کسی کی ذات کو نصیب نہیں بلکہ انسان کے اوصاف کے ساتھ مقید ہے۔ جیسے فرمایا کہ خلوصِ دل سے نیکی کرنے والوں کو، محسنین کو اللہ کی معیت نصیب ہوتی ہے۔ اب اگر وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا اتباع چھوڑ دے گا، نیکی چھوٹ جائے گی تو معیتِ باری سے محروم ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ مشروط تھی نیکی کے ساتھ۔ ذاتِ باری کی معیت فرد کو نہیں بلکہ اُس کے کردار کو ہے۔ اگر اس کا کردار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے تابع ہے تو اُسے معیتِ باری حاصل ہے اور یہ معیت اولیا کے لیے ہے۔

اس سے اوپر ایک درجہ ہے جو انبیاؑ کو حاصل ہے۔ ہر نبیؑ کو معیتِ باری حاصل ہے۔ نبیؑ کی ذات کو اللہ کی معیت حاصل ہوتی ہے کہ نبوت ایک ایسی صفت ہے جو معیت پانے کے لیے کافی ہے۔ یہ بات غور طلب ہے کہ نبیؑ کی ذات کو اللہ کی صفاتی معیت حاصل ہے مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں ملتا ہے کہ جب وہ بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات نکل گئے اور فرعون لاؤ لشکر کے ساتھ تعاقب میں نکلا تو حالت یہ تھی کہ آگے سمندر تھا اور پیچھے فرعون کا لشکر گرد اڑاتا پہنچ رہا تھا۔ قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہم تو پکڑے گئے، مارے گئے ہم میں سے کوئی نہیں بچے گا کہ آگے سمندر ہے اور پیچھے فرعون کی فوج آ رہی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ (الشعرآ: 62) میرا پروردگار میرے ساتھ ہے وہ راستہ بنا دے گا۔ یہاں غور کیا جائے تو نبیؑ کی ذات ہے لیکن اللہ کی صفاتی معیت نصیب ہے کہ ربّ اللہ کا صفاتی نام ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا 'اللہ مَعِیَ' بلکہ مَعِیَ رَبِّیْ فرمایا۔ ہر نبیؑ کی ذات کو اللہ کی صفاتی معیت حاصل ہے۔ ہر ولی کو اللہ کی جو ذاتی معیت نصیب ہوتی ہے وہ ولی کی صفات کے ساتھ مشروط ہوتی ہے۔ نبیؑ کو جو معیت حاصل ہے دائمی ہے اُس سے کبھی جدا نہیں ہوتی جبکہ ولی کو جو معیت حاصل ہے وہ مشروط ہے۔

پوری کائنات میں دو ہستیاں ایسی ہیں، صرف دو وجودِ عالی ایسے ہیں جن کی ذات کو اللہ کی ذاتی معیت حاصل ہے۔ فرشتوں میں، انسانوں میں پوری کائنات میں صرف دو ایسی ہستیاں ہیں۔ نبیوں میں انبیاؑ کے سرتاج حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو اور غیر انبیا میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو۔ قرآنِ کریم میں یہ ارشاد ہوتا ہے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ہجرت فرمائی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہمرکاب تھے۔ غارِ ثور میں پناہ گزین تھے۔ حال یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم غار میں جلوہ افروز ہیں اور سر مبارک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

کی گود میں رکھ کر استراحت فرمارہے ہیں۔ غار کے دہانے تک تلاش میں آئے ہوئے مشرکینِ مکہ بھی پہنچ چکے ہیں۔ اُن کو دیکھ کر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بے حد گھبرائے کہ اب اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلّم کی حفاظت کیسے کریں گے انہیں کوئی نقصان نہ پہنچ جائے تو ارشادِ باری ہوا کہ انہیں کہہ دو اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (التوبہ:40) اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے۔ یہاں 'رَبِّیْ' نہیں فرمایا، صفاتی نام نہیں لیا بلکہ اسم ذات 'اللہ' فرمایا۔ اِدھر بھی کوئی صفت نہیں ارشاد فرمائی کہ نیک ہیں، نبیؐ ہیں یا صدیق ہیں بلکہ فرمایا ہم دونوں کے ساتھ ہے۔ اِدھر بھی ذات ہے۔ اُدھر بھی ذات ہے۔ یہ اعزاز انبیاؑ میں صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو حاصل ہے اور غیر انبیاؑ میں صرف ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نصیب ہے۔ انبیاؑ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا کوئی ثانی نہیں ہے اور غیر انبیا میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ معیت کا یہ درجہ سب سے اعلیٰ ترین ہے کہ ذات کو ذات کی معیت حاصل ہے اور یہ پوری کائنات میں ان دو ہستیوں کو حاصل ہے۔ راہِ سلوک میں اس آیہء مبارکہ کا مراقبہ بھی کرایا جاتا ہے۔ اسے مراقبہء معیت کہتے ہیں۔ اس پر جتنی محنت و مجاہدہ کیا جائے تو اس کے اثرات دو طرفہ ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ سالک کے دل میں خلوص اور کردار میں حسن پیدا کرتا ہے۔ عقیدے میں صحت اور قوت کا باعث بنتا ہے اور عمل میں اتباعِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم پیدا کرتا ہے۔ دوسری طرف یہ رحمتِ باری کو متوجہ کرتا ہے اور ہمہ وقت اللہ کی رضامندی، خوشنودی کے ساتھ اس کی معیت نصیب ہوتی ہے۔ جو راہ سلوک کے مسافر ہیں جو خود کو صوفی کہتے ہیں انہیں اس مراقبے پر بہت زیادہ محنت کرنی چاہیے۔ فرمایا: وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ اور اللہ تمہارے سب اعمال کو بھی دیکھتا ہے۔ فرمایا، یہ بھی یاد رکھو کہ تم جو کچھ بھی کر رہے ہو، اللہ کے روبرو کر رہے ہو۔ یہاں لفظ 'بصیر' فرمایا ہے۔ بصارت سے مراد نگاہ سے دیکھتا ہے۔ گزشتہ آیت میں علم کا حوالہ دیا گیا کہ وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ یہاں بصارت کی بات آئی کہ وہ اپنی نگاہ سے، جیسی اس کی شان کے لائق نگاہ ہے، اُس سے تمہیں دیکھتا ہے۔ تم اس کی نگاہ سے چھپ نہیں سکتے۔

زمینوں اور آسمانوں میں اللہ کی بادشاہت ہے:

فرمایا: لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اسی کی ہے اور اللہ کی طرف ہی سب امور لوٹ کر جائیں گے۔

زمینوں اور آسمانوں کی سلطنت اس کی ہے۔ بادشاہی اسی کو سزاوار ہے اس لیے کہ ہر کام اس کے حکم سے ہوتا ہے ہر چیز اس کی طرف رجوع کرتی ہے۔ دنیا میں بادشاہ تو وہی ہوتا ہے ناں جس کا ملک پر حکم نافذ ہو تو ارض و سما پر کائناتِ بسیط پر اللہ کا حکم نافذ ہوتا ہے۔ اس کے حکم سے مخلوق پیدا ہوتی ہے اس کے حکم سے مر جاتی ہے۔ وہی بادشاہ

ہے جوسب کورزق دیتا ہے۔اسی کے حکم سے رزق میں اضافہ یا کمی ہوتی ہے۔ وہی اقتدار دیتا ہے پھراس کے حکم سے اقتدار چھن بھی جاتا ہے۔

ہم نے دنیا میں بارہا یہ مشاہدہ کیا ہے کہ فقیروں کو بادشاہ ہوتے دیکھا ہے اور بادشاہوں کومعزول ہوتے، ذلیل ورسوا ہوتے حتیٰ کہ قتل ہوتے بھی دیکھا ہے۔آج ہمسایہ ملک میں ایسا شخص وزیراعظم ہے جو ماضی میں گلیوں میں جھاڑو لگاتا تھا اور چائے بیچا کرتا تھا۔اُسی ملک میں اس کے بانی لیڈر کی بیٹی کو جوخود وزیراعظم تھی اسے ایک سپاہی کے ہاتھوں قتل ہوتے بھی دنیا نے دیکھا ہے۔ وہ قادر ہے، جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ یہ صرف اللہ ہے کہ جس کی بادشاہت کو زوال نہیں ہے، زمینوں اور آسمانوں میں کائنات میں کوئی چیز اس کے سامنے دم نہیں مارسکتی۔ اس کی سلطنت و بادشاہت حقیقی ہے باقی سب عارضی تماشا ہے جو اسی کے حکم سے ہے۔تمام کائنات کی حکومت اسی کو زیبا ہے اس لیے کہ تمام امور، تمام کام اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں جن میں ہرفیصلہ اسی کا نافذ ہوتا ہے۔فرمایا: يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ۔۔۔ وہ رات کودن میں داخل کرتا ہے۔جب گرمیاں آتی ہیں تو دن بڑا ہونا شروع ہوجاتا ہے۔رات سمٹنے لگتی ہے۔ یہ دن کیسے لمبا ہوتا ہے، یہ کہاں سے وقت لیتا ہے؟ وہ قادرِ مطلق رات کو دن میں شامل کرتا چلا جاتا ہے۔فرمایا: وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ۔۔۔اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے۔ وہ جب چاہتا ہے تو دن کو رات میں شامل کرنا شروع کر دیتا ہے جیسے سردیوں میں راتیں لمبی ہو جاتی ہیں اور دن چھوٹے ہوتے جاتے ہیں۔ وہ ایسا قادر ہے کہ دن کو رات میں داخل کر کے، دن کو رات میں بدل دیتا ہے اور اُس کی شان یہ ہے، فرمایا: وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ اور وہ دلوں کی باتوں تک کو جانتا ہے۔اس کے سامنے کوئی بات کہنا تو بڑی جرأت کی بات ہے، سوچ سمجھ کرکوئی لفظ بولا جائے کہ وہ دیکھ بھی رہا ہے جان بھی رہا ہے لیکن اس کی شان تو یہ ہے کہ وہ دل کی گہرائیوں میں گزرنے والے خیالات سے بھی آگاہ ہے۔وہ علیم ہے اس کے علم میں وہ خیال بھی ہے جولمحہ بھر کو کسی دل میں گزرتا ہے۔فرمایا، تم سب اللہ کے روبرو جی رہے ہو، وہ دیکھ رہا ہے، سن بھی رہا ہے۔ ہوش سے جیو۔ کیا کر رہے ہو، کیا سوچ رہے ہو وہ جانتا ہے۔اب یہ کام تو بڑا مشکل ہوگیا کہ ہر بات ہرفکر ہی اللہ کے روبرو ہے۔ یہ کیسے گزرے گی!

آسان ترین حل:

فرمایا بڑی سادہ سی بات ہے، آسان سا حل ہے۔فرمایا: اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۔۔۔ اللہ اور اس کے پیغمبر پر ایمان لاؤ۔فرمایا، تم نے زندگی بسر کرنی ہے تو اس کے لیے میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کا دامن تھام لو اُن کی رسالت کا اقرار کرلو۔جو کام کرنے کا حکم دیتے ہیں وہ کرتے رہو۔ جہاں سے روکتے ہیں رک جاؤ تو تمہیں دنیا میں کوئی

تکلیف کوئی مشکل یا پریشانی نہیں ہوگی۔ جب تم ہر کام میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے حکم کے مطابق کرو گے تو ہر کام پر انعامات بھی مرتب ہوں گے۔ تم جب نیکی کرو گے اتباعِ رسالت کرو گے تو تمہیں اس بات کا کیا خوف کہ تم روبرو ہو۔ بھلا نیکی یا بھلائی کو چھپانے کی کبھی ضرورت پڑتی ہے؟ جب اللہ کے روبرو زندگی گزارنی ہے تو اس کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان لے آؤ تمہارا عقیدہ، سوچ وہ ہو جو میرا رسول صلی اللہ علیہ وسلّم دیتا ہے۔ تمہارا کردار ویسا ہو جس کا حکم میرا رسول صلی اللہ علیہ وسلّم دیتا ہے تو پھر موج کرو۔ یہ بڑا آسان راستہ ہے۔ تم نے زندگی تو گزارنی ہی ہے اور سارے امور بھی انجام دینے ہیں۔ تمہیں روزی بھی کمانی ہے، شادی کرنی ہے، اولاد کی تربیت کرنی ہے، والدین کی خدمت کرنی ہے، معاشرے میں رہنا ہے، وسائل اختیار کرنے ہیں اور ایک دن دنیا سے رخصت ہونا ہے۔ اسلام ان میں سے کسی کام سے نہیں روکتا بلکہ سارے کام کرنے کا صحیح طریقہ بتاتا ہے۔ اگر تم سارے کام اس طریقے سے کرو جس طرح میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں تو پھر تمہیں کیا ڈر ہے۔ تمہیں چھپنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ تم سب کام میری خوشنودی اور رضا کے لیے، میرے اجر اور انعامات کے لیے میرے روبرو کرو۔ تمہیں پیاس لگتی ہے، تمہیں پانی پینا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے حکم کے مطابق پاکیزہ اور جائز ہو، دوسرے کا چھین کر نہ پیو۔ تم اپنی مرضی سے چھینا جھپٹی سے، جس کا مل گیا پی لیا، ایسا مت کرو۔ تم نے کھانا کھانا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے حکم کے مطابق جائز حلال وسائل سے کماؤ اور پاک کھاؤ۔ جتنی جائز نعمتیں ہیں، ضرور حاصل کرو اچھا کھاؤ، اچھا پہنو کوئی پابندی نہیں ہے لیکن دوسرے کا چھین کر نہیں زندگی کی کسی راحت سے اسلام نے روکا نہیں ہے۔ اللہ کے مقبول بندے ہمیشہ دنیا کے کام بھی دوسروں سے زیادہ سرانجام دیتے ہیں چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے اتباع میں کیے گئے کام ہی ترقیٔ درجات کا سبب ہوتے ہیں۔ عبادات، نماز، روزہ، زکوٰۃ حج تسبیحات ذکر اذکار تو اس لیے ہیں کہ دنیا کے کام کرنے کی توفیق نصیب ہو۔ ہر کام میں حضورِ حق کا احساس رہے اور تعلق باللہ قائم رہے، ہر کام اتباعِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم میں کرنے کی توفیق ارزاں رہے۔ جیسے نماز کے بارے ارشادِ باری ہے کہ نماز برائی اور بے حیائی سے روکتی ہے۔ اسی طرح حج قبول ہو جائے تو انسان ہر گناہ سے پاک ہو جاتا ہے کہ پھر گناہ کے خیال سے بھی تکلیف ہوتی ہے، کرنا تو دور کی بات ہے۔ فرمایا، یہ بڑا آسان راستہ ہے، اس میں کوئی مشکل نہیں ہے بس اتنا کرو کہ جو میرا نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کہے وہ کرتے جاؤ تو میں تم سے راضی ہوں۔ اگر میرا نبی صلی اللہ علیہ وسلّم جان دینے کا حکم دے تم جان دے دو۔ وہ کسی کی جان لینے کا حکم دیتا ہے قتال و جہاد کا حکم دے تو قتال کرو، کافر کو مارو۔ تم قتل کر کے بھی میرے محبوب و مقبول ہو اور مقتول ہو کے بھی۔ تمہارا اتباعِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم میں اٹھایا ہوا ہر قدم عبادت ہے۔ تمہارا سونا بھی عبادت ہے، تمہارا اٹھنا بیٹھنا، گھر بنانا، بچے پالنا، والدین کی خدمت کرنا سب عبادت

ہے۔ شرط صرف اتباعِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اگر ایسا نہیں کرو گے تو یاد رکھو تم میرے سامنے ہو۔

فرمایا: وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ۔۔۔اور جس (مال) میں اس نے تم کو اپنا نائب بنایا ہے اس میں سے (اس کی راہ میں) خرچ کرو۔ تم اللہ پر اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ اور اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ یہ دنیا اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں رکاوٹ بنتی ہے تو یہ بھی تو تمہیں وراثت میں ملی تھی۔ یہ پہلے کسی اور کے پاس تھی اس سے تمہیں مل گئی، تم بھی کسی کو دے کر چلے جاؤ گے تو پھر اس کی محبت میں اللہ کی نافرمانی کرنے کا کیا جواز ہے؟ اس کی خاطر اتباع رسالت صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑنا کیا معنی رکھتا ہے!

ہم ایک دفعہ زمینوں پر بیٹھے تھے تو کچھ زمیندار ملاقات کے لیے جمع ہو گئے۔ کہنے لگے آپ کو اللہ نے بہت بڑی زمینداری دی ہے، بہت زرخیز اور وسیع ہے۔ میں نے کہا یہ میری نہیں ہے تو کہنے لگے پھر کس کی ہے؟ میں نے کہا: اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (الاعراف:128) بے شک زمین اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں۔ یہ زمین میرے والد مرحوم کے پاس نہیں تھی، میرے دادا مرحوم کے پاس نہیں تھی۔ یہ نجانے کس کے پاس تھی۔ اللہ نے مجھے دے دی کل پتا نہیں کس کے پاس ہوگی میرے پس تو بطورِ آزمائش ہے کہ میں اس کو کیسے برتتا ہوں۔ اس سے رزق کیسے حاصل کرتا ہوں، حلال حاصل کرتا ہوں یا حرام اور جو اس پر کام کرتے ہیں اُن کے ساتھ کیا معاملہ کرتا ہوں۔ کیا اُن سے میرا اندازِ کاروبار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ہے یا فرعون جیسا ہے۔ یہ زمین میرے لیے تو ایک امتحان ہے۔ آج میرے پاس ہے کل کسی اور کے پاس ہوگی۔ اس کا حقیقی مالک اللہ ہے جسے چاہتا ہے اُسے وقتی طور پر دے دیتا ہے۔ فرمایا، تم دنیا کے لیے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتے ہو کیا یہ دنیا تمہارے پاس ہمیشہ رہے گی؟ یہ دنیا تمہارے آنے سے پہلے لوگوں کے پاس تھی تم نے وراثت میں لی۔ یہ وراثت میں چلی بھی جائے گی تو اس کی خاطر نافرمانی کرنا، کیا معنی رکھتا ہے!

فرمایا: فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ۝ سو تم میں سے جو ایمان لے آئیں اور خرچ کریں، ان کو بہت بڑا صلہ ملے گا۔

فرمایا، تم میں سے جو بھی خلوصِ دل سے ایمان لائے گا اور میری دی ہوئی نعمتوں کو میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق خرچ کرے گا تو تم سوچ بھی نہیں سکتے تمہیں کتنے بڑے انعامات سے نوازا جائے گا۔ تمہارے علم وادراک کی وہاں تک رسائی نہیں جتنا بڑا انعام ملنے والا ہے۔ تمہیں نعمتیں بھی میں نے دیں، استعمال کرنے کی طاقت بھی میں نے دی چند روز کے لیے تمہاری آزمائش ہے۔ تم اگر اسے میرے حکم کے مطابق، میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے سے برتو گے تو تمہاری فکر سے بالا انعامات سے نوازے جاؤ گے۔

اسبابِ ہدایت:

فرمایا: وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۔۔۔ اور تمہیں کیا ہے کہ اللہ پر ایمان نہیں لاتے۔ آخر تم اللہ کی عظمت پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟ تمہیں اس کی ربوبیت پر یقین کیوں نہیں آتا؟ تم اس کی قدرتِ کاملہ کا اقرار کیوں نہیں کرتے؟ تم اس کی توحید کو یقین کی نگاہ سے کیوں نہیں دیکھتے؟ اس انکار کے دو ہی سبب ہو سکتے ہیں کہ اوّل کوئی راہ بتانے والا نہ ہو یا پھر اتنی تاریکی ہو ظلمت ہو کہ کوئی راہ سجھائی نہ دیتی ہو۔ فرمایا: وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۞ اور تمہیں کیا ہے کہ اللہ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ پیغمبر تمہیں بلا رہے ہیں کہ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ اور اس نے تم سے عہد لیا تھا اگر تم ایمان لانے والے ہو تو۔

ہدایت سے محرومی کے دو اسباب ہوتے ہیں جن میں سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ کوئی راستہ بتانے والا نہ ہو انسان کو پتا ہی نہ چل سکے کہ راستہ کہاں ہے۔ اُسے پتا چلے تو اختیار کرے اور دوسرا سبب ہے ظلمت کہ راہ سجھائی نہ دے۔ فرمایا، تمہارے ہاں تو یہ دونوں اسباب نہیں ہیں۔ اللہ جلّ شانہٗ کا یہ احسان ہے کہ اُس نے تمہاری راہنمائی کے لیے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم کو مبعوث فرمایا ہے جو تمہیں اللہ کے راستے کی طرف پکار رہے ہیں۔ وہ دعوت دے رہے ہیں کہ یہ سیدھا راستہ ہے، اس پر چلو۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایسا بھی نہیں ہے کہ ظلمت ہے اور راستہ سجھائی نہیں دے رہا۔ تمہاری تخلیق کے بعد روزِ ازل ہی اُس نے تم سے عہد لیا تھا جس کا ایک فطری اثر ہر روح میں ہمیشہ باقی رہتا ہے۔

دنیا میں جو غیر مہذب قومیں دریافت ہوئی ہیں اُن کی بود و باش وحشیانہ ہے، غذائیں بھی وحشیانہ ہیں۔ انہیں لباس کی پروا نہیں لیکن مذہب کے نام پر انہوں نے بھی کچھ رسومات بنا رکھی ہیں۔ یومِ ازل میثاق کی ایک طلب، ایک تڑپ ہر سینے میں ہے کہ کوئی ایسی غیبی طاقت ہونی چاہیے جو میرا تحفظ کرے، میری تمام ضرورتیں پوری کرے اور میری مدد کرے۔ یہ جذبہ اس اقرارِ عبدیت کا اثر ہے جو یومِ الست اللہ کریم کے روبرو انسانی ارواح نے کیا۔ اللہ کریم نے پوچھا تھا، فرمایا: اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ (الاعراف: 172) کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ فرمایا: قَالُوْا بَلٰى (الاعراف: 172) کہنے لگے کیوں نہیں۔ فرمایا، اب اس پر قائم رہنا۔ فرمایا وہ تڑپ بھی دلوں میں موجود ہے اور بلانے والا ایک بے مثل و بے مثال اللہ کا حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم، جس کی مثال مخلوق میں نہیں ملتی۔ صداقت میں، حسنِ کلام میں، کسی بھی شعبے میں کوئی اس کا مثیل نہیں ہے۔ اب اتنا عظیم راہنما بھی ہو اور ایک فطری طلب بھی دل میں ہو اور پھر تم

ایمان نہ لاؤ تو یہ کیسی عجیب بات ہے! پھر تمہارے پاس ایمان نہ لانے کا کوئی عذر ہے؟ یہاں سے پتا چلتا ہے کہ راہِ ہدایت صرف وہ ہے جس کی طرف اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم بلا رہے ہیں۔ اس حقیقت کو یوں بھی سمجھیے کہ قرآنِ کریم کی آیات کا مفہوم وہ ہوگا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم بیان فرمائیں گے۔ چونکہ عربی بہت وسیع المعانی زبان ہے جس کا مقابلہ دنیا کی کوئی زبان نہیں کرسکتی۔ اس کے مفاہیم علمِ کلام، صرف ونحو کے قواعد، منطق یا رواجاتِ زمانہ کے زور پر نہیں اخذ کیے جاسکتے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم ارشاد فرمائیں گے۔

آج جتنے گمراہ فرقے جو خود کو مسلمان کہتے ہیں، سب قرآن اٹھائے ہوئے ہیں اور قرآنی آیات کے ہی حوالے دیتے ہیں۔ جو کذاب ہیں وہ بھی قرآن کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اُن کا قصور یہ ہے کہ وہ اپنی مرضی کے معنی کرتے ہیں۔ جتنے لوگ اپنی پسند سے یا علمِ کلام کے زور سے مفاہیم اخذ کرتے ہیں وہ سب گمراہ ہیں اور اُن کے بیان کردہ مفاہیم قابلِ قبول نہیں وہ معنی ہی صرف لیے جائیں گے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے بیان فرمائے اور صحابہ کرامؓ کی مقدس جماعت جو اسلام کے امین تھے انہوں نے سنے سمجھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے روبرو ان پر عمل کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے تصدیق فرمائی کہ اس سے یہی مراد تھی۔ قرآن کا وہ معنی مقبول ہوگا اور اسی مفہوم پر مسلمانوں میں اتحاد ہوسکتا ہے۔ آج کل اتحاد بین المذاہب اتحاد بین المسلمین کا ایک تماشا کھڑا کر دیا گیا ہے۔ یہ اتحاد کیسے ممکن ہوسکتا ہے جہاں ایک شخص بت کو خدا مانتا ہے، ایک اللہ کریم کو تو دونوں متحد کیسے ہوں گے؟ ایک شخص جانوروں کی پوجا کرتا ہے اور ایک اللہ کے روبرو کھڑا ہے تو ان میں کیسے اتحاد ممکن ہے؟

اتحاد بین المسلمین میں ایک کچھ کہتا ہے دوسرا کچھ اور کہتا ہے اور تیسرا کچھ اور تو یہ اتحاد کیسے ہوسکتا ہے؟ یہ سیاسی شعبدہ بازی ہے، دھوکا ہے۔ اتحاد صرف اس بات پر ممکن ہے جو بات آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمائی۔ سب اس بات کو مان لیں گے تو متحد ہوجائیں گے۔ وہ لوگ جو ہر بات میں قرآن سے دلیل مانگتے ہیں۔ اُن کو سوچنا چاہیے کہ انہیں قرآن کہاں سے ملا؟ کس نے وحیٔ الٰہی کو سنا اور فرمایا یہ قرآن ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ہی منوایا کہ یہ قرآن ہے تو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم اس کی شرح فرماتے ہیں تو وہ کیوں نہ قبول کی جائے!

فرمایا، تم لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے کہ اب تمہارے پاس اس انکار کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پکار پکار کر تمہیں ہدایت کی طرف بلا رہے ہیں اور تمہاری فطرت میں یومِ الست کے وعدے کا اثر بھی موجود ہے۔ یہ کتنی بڑی زیادتی ہے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی بات پر توجہ نہ دو اور دل کی تڑپ کا جواب کسی بت کو وہاں بسا کر دو۔ اگر تم ایمان لانا چاہو تو ہدایت کے سارے اسباب موجود ہیں۔

فرمایا: هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖۤ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔۔۔ وہی تو ہے جو اپنے (خاص) بندے پر واضح آیات نازل فرماتا ہے تا کہ تم کو تاریکیوں کی طرف لائے۔

اللہ ہی وہ کریم ذات ہے جس نے اپنے محبوب بندے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پر روشن اور واضح آیات، سمجھ میں آنے والی، حق کو بیان کرنے اور حق کی طرف راہنمائی کرنے والی آیات نازل فرمائیں۔ بَيِّنٰتٍ۔۔۔ سے مراد ہے کہ جو بھی بات سمجھنا چاہے اُسے سمجھ آجاتی ہے۔ یہ بہت بڑا معجزہ ہے، بہت خوبصورت پہلو ہے۔ قرآنِ کریم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا بہت بڑا معجزہ ہے اور قرآن کا معجزہ یہ ہے کہ سب سے اعلیٰ ترین کتاب ہونے کے باوجود اسے ہر عامی بھی سمجھ سکتا ہے۔ دنیا کی کتابوں کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ جتنی اعلیٰ پائے کی کتاب ہو اُتنے اس کے مضامین مشکل ہو جاتے ہیں جو ہر بندہ نہیں سمجھ سکتا۔ اللہ کریم نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم پر حق کو بیان کرنے والی، سمجھ آنے والی روشن آیات نازل فرمائیں جن کا مقصد ہی یہ ہے کہ، فرمایا: لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔۔۔ تا کہ وہ تم کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف لائے۔

یادر ہے کہ عقیدہ بنیاد ہے۔ اگر عقیدہ درست ہے اور انسان عمل صالح کرتا ہے تو نور پیدا ہوتا ہے۔ عقیدہ اور ایمان، عمل میں صلاحیت کی بنیاد ہے۔ ہر وہ عمل جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت کے دائرے میں ہے وہ عمل صالح ہے، نیکی ہے۔ یہ معمولی بات نہیں ہے۔ عقیدے میں خرابی ہو تو عمل میں صلاحیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بنیاد ہی غلط ہو تو اس پر عمارت صحیح نہیں بن سکتی۔ جہاں ہر نیکی پر نور پیدا ہوتا ہے وہاں ہر گناہ سے تاریکی پیدا ہوتی ہے۔

وہ نور دنیا میں قیامِ امن اور انسانوں کے آرام وسکون کا سبب بنتا ہے جبکہ جتنی ظلمت پیدا ہوتی ہے وہ دنیا میں تباہی، دہشت گردی اور چور بازاری وغیرہ کا سبب بنتی ہے۔ یہ اثرات تو اس دنیا میں ہیں جبکہ آخرت میں نور اور ظلمت نظر آنے لگ جائے گی۔ نزولِ قرآن کا مقصد بھی یہ ہے کہ انسانوں کو عقیدے اور کردار کی تاریکیوں سے نکال کر نورِ ایمان کی طرف لے جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان لانے کی برکت یہ ہے کہ انسان کے عقیدے اور عمل کا سفر ظلمت سے نور کی طرف اور غلطی سے اصلاح کی طرف شروع ہو جائے۔ یہی برکاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلّم شیخ کی وساطت سے نصیب ہوتی ہیں اور پیری مریدی کا حاصل یہی ہے کہ عملاً گناہ کی زندگی سے واپسی نصیب ہو جائے۔ شیخ یا عالمِ دین ہونا نیابتِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم ہے۔ ان کا منصب یہ ہے کہ علوم وبرکات بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم سے حاصل کریں اور طالبوں تک پہنچائیں۔ لوگوں کی راہنمائی کریں۔ اسلام میں پیری مریدی کا تصور صرف اتنا ہے کہ پیر صاحب یا شیخ ہماری راہنمائی کریں، جو سب سے بڑا کام ہے۔ دنیا کی ہر دولت، ہر نعمت بھی کوئی لا دے تو وہ پیچھے رہ جائے گی جبکہ ہدایت نصیب ہو جائے تو ہمیشہ کام آئے گی۔ ہدایت سب سے قیمتی چیز ہے۔ اگر پیر صاحب

سے یہ نعمت نہیں مل رہی اور محض رسمِ دنیا ہے تو پھر کوئی فائدہ نہیں ہے۔ رہی یہ بات کہ پیر صاحب کی وجہ سے اولاد رزق یا صحت مل رہی ہے تو یہ غلط ہے۔ امورِ دنیا چلانا پیر کا کام نہیں نہ وہ چلا سکتا ہے۔ جو اللہ کو نہیں مانتے اُن کو بھی اللہ کریم رزق اور اولاد دے رہے ہیں۔ وہ واحد ولاشریک نظامِ کائنات کو خود چلا رہا ہے۔ اُسے کسی کے مشورے کی ضرورت نہیں ہے۔

یہ اللہ کا کرم اور احسان ہے کہ اس نے گمراہوں کو ہادی صلی اللہ علیہ وسلم عطا کر دیا کہ انسانوں کی سب سے بڑی ضرورت ہدایت کا نصیب ہونا ہے۔ فرمایا: وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝٩ اور بے شک اللہ تم پر بڑے شفیق اور بڑے مہربان ہیں۔

اللہ کریم اپنی مخلوق سے بہت محبت کرتے ہیں لیکن اگر کوئی اللہ کی محبت اور شفقت کو ٹھکرا کر نافرمانی شروع کر دے تو وہ بہت بڑا اجرم بن جاتا ہے۔ فرمایا: وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔۔۔ اور تم کو کیا ہوا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔

اللہ کریم کی دی ہوئی نعمتوں کو اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرنا انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ اس کا اطلاق صرف دولت پر نہیں ہوتا بلکہ ہر نعمت پر ہوتا ہے۔ مال و دولت بھی حلال طریقے سے حاصل کیا جائے اور جائز امور پر خرچ کیا جائے۔ علم کو جائز طریقے سے خرچ کیا جائے۔ یعنی جائز حد میں رہ کر پھیلایا جائے۔ طاقت کو جائز حدود میں استعمال کیا جائے۔ حکومت ہو تو لوگوں کے حقوق ادا کرنے پر محنت کی جائے۔ گویا زندگی اللہ کے حکم پر بسر ہو۔ جو نعمتیں میسر ہیں سب رزقِ الٰہی ہیں اور اطاعتِ الٰہی میں استعمال کرنا انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ فرمایا، تمہیں کیا مسئلہ ہے تم زندگی اللہ کے حکم کے مطابق کیوں بسر نہیں کر سکتے؟ تم نے اپنے حصّے کا رزق کھانا ہے، روزی کمانی ہے، لباس پہننا ہے تو اللہ کسی کام سے روکتے نہیں ہیں۔ فرماتے ہیں، سب کچھ کرو لیکن میرے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کرو۔ تم اگر من مانی کرو گے، رشوت لو گے چوری کرو گے، اقتدار چھین لو گے تو کیا کرو گے؟ فرمایا: وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔۔۔ اور آسمانوں اور زمین کی وراثت تو اللہ ہی کی ہے۔

اگر تم سوچتے ہو کہ ایمان لانے سے یا شریعت پر عمل سے مال خرچ کرنا پڑے گا یا ناجائز کمانے سے رکنا پڑے گا تو یاد رکھو کہ یہ مال تو تم چھوڑ کر چلے جاؤ گے۔ تم سے موت سب کچھ چھین لے گی، تمہارے پاس مال بچے گا نہ اقتدار رہے گا۔ اُسی خاک میں بادشاہ کو بھی پیوند ہونا پڑے گا جس میں فقیر ہو گا۔ تم اس چیز کی محبت میں اللہ کریم کی نافرمانی کیوں کرتے ہو جو تمہارے پاس رہ ہی نہیں سکتی؟ تم انسانی زندگی دیکھ رہے ہو کہ یہ چیزیں پہلوں سے چھینی گئیں اور بعد میں آنے والوں کو عطا ہوئیں۔ آج تمہارے پاس ہے پھر کل کسی اور کے پاس ہو گی۔ درحقیقت اس

ارض وسما میں جو کچھ ہے اللہ کی ملکیت ہے۔ جب جس کو، جو چاہے دے دے اور جب چاہے لے لے پھر تم عارضی اور جانے والی چیز کے لیے ابدی نعمتوں کو ٹھکرا رہے ہو تو یہ کیسی عجیب بات ہے۔

وقت، خلوص و جاں نثاری، نتائج کو متاثر کرتے ہیں:

فرمایا، اس میں دیر نہ کرو، انفاق فی سبیل اللہ میں تاخیر نہ کرو کہ وقت بھی اپنا اثر رکھتا ہے۔ خلوصِ نیت اور اطاعتِ کامل اپنا اثر رکھتی ہیں اور یہ اثرات نتائج کو بدل دیتے ہیں، درجات میں فرق پیدا کر دیتے ہیں۔ فرمایا، جتنے خادمانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، شرفِ صحابیت سے سرفراز ہیں وہ سب اللہ کے دوست ہیں۔ اللہ اُن سب سے راضی ہیں۔ سب کے لیے اللہ کی بخشش اور جنت ہے لیکن اُن میں بھی طبقات ہیں۔ فرمایا: لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ۔۔۔ جو تم میں سے فتح (مکہ) سے پہلے خرچ کر چکے اور لڑ چکے برابر نہیں۔

جن لوگوں کو فتح مکہ سے پہلے ایمان لانے کی سعادت نصیب ہوئی اور انہوں نے اپنے سارے وسائل اللہ کی راہ میں صرف کیے، جہاد کیے، دکھ اُٹھائے ان کا درجہ ان لوگوں سے بہت بلند ہے جنہوں نے فتح کے بعد یہ سعادت حاصل کی۔ جنت میں سب جائیں گے سب اللہ کے محبوب ہیں لیکن فتح مکہ سے پہلے والے مخلص صحابہؓ کے درجات اپنے ہوں گے۔ اس لیے کہ نتائج کو وقت، نیت اور خلوص متاثر کرتا ہے۔ فتح مکہ سے پہلے کلمہ پڑھنا تو موت کو دعوت دینے کے برابر تھا۔ اُن لوگوں نے ایذائیں برداشت کیں، دکھ اٹھائے، جانیں دیں، مال چھوڑ دیے، گھر، جائیدادیں، وراثت سب کچھ چھوڑ کر ہجرت کر لی۔ کیسے عجیب لوگ تھے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت فرما جانے کے بعد جن لوگوں نے ہجرت کی اہلِ مکہ انہیں ہر طرح سے روکتے بھی تھے اور ایذائیں بھی دیتے تھے۔ ایک صحابیؓ حضرت صہیب رومیؓ اکیلے ہجرت کے ارادے سے بچتے بچاتے نکلے تو مشرکینِ مکہ کو خبر ہوگئی اور وہ تعاقب میں گھوڑوں پر سوار نکلے اور راستے میں انہیں جا لیا۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم لوگ مجھے جانتے ہو میں بہتر تیر انداز ہوں جب تک میرے ترکش میں ایک بھی تیر باقی رہے گا تم مجھ تک نہیں پہنچ سکتے۔ پھر میرے پاس تلوار بھی ہے۔ اُن مشرکینِ مکہ نے کہا کہ ہمیں تمہارے جانے پر زیادہ اعتراض نہیں ہے لیکن تم جو مال لے جا رہے ہو یہ تم نے مکہ میں رہ کر تجارت سے کمایا ہے جب تم مکہ آئے تھے تو مفلس تھے اور اب مالدار ہو۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ بتاؤ کہ اگر میں اپنا مال تمہیں دے دوں تو کیا تم میرا راستہ چھوڑ دو گے؟ انہوں نے کہا ہاں، بے شک تم نے ہجرت کرنی ہے تو اپنی دولت ہمارے حوالے کر دو اور چلے جاؤ۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا، مجھے یہ سودا منظور ہے تم میری ساری زندگی کی کمائی لے لو اور مجھے جانے دو۔ انہوں نے پوچھا کہ تمہارا سرمایہ کہاں رکھا ہے۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے مکہ میں اپنے مال کا پتا بتا دیا کہ فلاں فلاں کے پاس میرا مال ہے اور میر گھر میں فلاں جگہ سونا دفن ہے۔ اس پر انہیں مدینہ منورہ جانے کی اجازت مل گئی۔ کیسے عجیب لوگ تھے کہ مشرکین نے بھی یقین کر لیا کہ یہ صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم ہیں یہ جھوٹ نہیں بول رہے۔ چنانچہ مشرکین واپس مکہ چلے گئے اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ موت پر سر کھڑی ہے، بہانہ کر کے جان بچائی جاسکتی تھی۔ جھوٹ بول کر دولت بچائی جاسکتی تھی۔ کافروں کو دولت کا غلط ٹھکانہ بتایا جاسکتا تھا لیکن ایسا نہیں کیا اور کافروں کو بھی یقین تھا کہ یہ صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم ہے یہ غلط بیانی نہیں کرے گا۔ فرمایا، جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے جہاد کیے مال دیے اُن کے درجات بہت عالی ہیں۔ فرمایا: اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى۔۔۔ وہ اُن لوگوں سے درجہ میں بہت بڑے ہیں جنہوں نے اس (فتح مکہ) کے بعد خرچ کیا اور لڑے اور اللہ نے سب کے ساتھ بھلائی کا وعدہ فرما رکھا ہے۔

فتح مکہ کے بعد بھی جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی غلامی میں آگئے اور انہوں نے مال دیے۔ ان کے مقام بھی بہت بلند ہیں۔ وہ بھی سب مقبول ہیں، اللہ کے محبوب ہیں اور اللہ نے ان سے اپنے کرم واحسان کا وعدہ کیا ہے مگر جنہوں نے فتح مکہ سے قبل جہاد کیے مال دیے اُن کے مقامات بعد والوں سے بلند تر ہیں۔

ہر خادمِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ نجات اور جنت کا وعدہ ہے، صرف درجات میں فرق ہے اور یہ فرق وقت اور خلوص کی وجہ سے آیا۔ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے وہ نعمت پالی اس کا درجہ اور ہے لیکن سب کے سب نجات یافتہ اور مثالی مسلمان ہیں۔ سب کے ساتھ نجات اور اعلیٰ درجات کا وعدہ ہے۔ اسی بنیاد پر اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ ہے اَلصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ عَدُوْلٌ (علما کی رائے ابو حاتم الدرامی) یعنی تمام صحابہؓ عادل تھے۔ فرمایا: وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿١٠﴾ اور اللہ تمہارے سب اعمال دیکھ رہا ہے۔

اللہ کریم خود بہتر جانتے ہیں کہ کس نے کیا کیا وہ خود اُن کے خلوص، اُن کی آرزوؤں، اُن کے عقیدے اور عمل سے واقف ہے لہٰذا اس نے تمام صحابہؓ کے ساتھ بہترین سلوک کا، نجات اور جنت میں اعلیٰ درجات کا وعدہ کر لیا ہے۔

آج کے عہد کے بعض لوگ بڑے فصیح وبلیغ انداز میں صحابہؓ کے قصور گنواتے ہیں کہ فلاں صحابیؓ سے یہ قصور ہوا اور فلاں سے یہ ہوا۔ اگر دیکھا جائے تو حجۃ الوداع کے موقع پر کم وبیش سوا لاکھ صحابہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی معیت میں حج ادا کیا تھا۔ ان کے علاوہ تقریباً آٹھ دس لاکھ ایسی آبادی ہو گی جو پیچھے رہی کہ سب تو حج پر نہیں آئے ہوں گے۔ اگر اس آٹھ دس لاکھ کی آبادی میں ایسے آٹھ یا دس واقعات قصور کے ملتے ہیں تو کیا آج یہ لوگ اس کا اشتہار بنا کر دکھا رہے ہیں؟ دوسری بات یہ ہے کہ جس صحابیؓ سے خطا ہوئی انہوں نے مثالی توبہ بھی کی۔ کسی نے خود کو ستون سے

باندھ لیا کہ جب تک اللہ کی وحی نہیں آئے گی اللہ مجھے نہیں کھولے گا میں بندھا رہوں گا اور واقعی وحی آئی۔ اللہ نے انہیں معاف فرمایا۔ کسی نے خود کو سنگسار ہونے کے لیے پیش کر دیا۔ ایک خاتون سے خطا ہوگئی تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ نفس اور شیطان کے بہکاوے میں غلطی کر بیٹھی ہوں چنانچہ مجھ پر حد جاری کی جائے۔ وہ حاملہ تھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچہ کی ولادت تک معاملہ موخر کر دیا۔ وہ ولادت کے بعد پھر حاضر ہو گئیں کہ اب حد جاری فرمادیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بچہ شیر خوار ہے تو دو سال دودھ پلانے کے بعد پھر حاضر ہوئیں اور بچے کو ساتھ لے گئیں اور اُسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے روٹی کھلائی اور عرض کی کہ اب یہ کھانا کھا سکتا ہے۔ افسوس کہ آج کے معترض اُن کے قصور تو گنوا دیتے ہیں اُن کی توبہ کو نہیں دیکھتے! وہ قیامت تک کے لیے ایک مثال بن گئے اور امت کے لیے تعلیم کا سبب۔ تاریخ کو بنیاد بنا کر صحابہؓ کی عظمت پر اعتراض کرنا سراسر غلط ہے۔ تاریخ کیا ہے؟ تاریخ کا مصدر تو لوگوں کی زبانیں ہوتی ہیں۔ جو کچھ اہلِ زمانہ کہتے ہیں اس سے تاریخ مرتب ہوتی ہے۔ مورخ واقعات کا عینی شاہد نہیں ہوتا بلکہ اہلِ زمانہ کی باتیں سنتا ہے۔ تاریخ کی قرآن اور حدیث کے سامنے کیا حیثیت ہے؟ صحابہؓ کی عظمت کا میعار قرآن اور حدیث ہے۔ جن کی تعریف قرآن اور حدیث میں آئی ہے اُن ہستیوں پر تاریخ سے حوالے لے کر اعتراض کرنے والوں کو ٹھوکر لگی ہے۔ یہ تو وہ لوگ ہیں جن کی نجات کا فیصلہ قرآن نے سنا دیا۔ ہم سب کتنے بھی پارسا اور عالم بن جائیں ولی بن جائیں ہمارا فیصلہ قیامت کو ہوگا لیکن سب صحابہ کرامؓ سے اللہ نے نجات اور بہترین انعام کا وعدہ ارشاد فرمادیا ہے۔

سورۃ الحدید رکوع 2 آیات 11 تا 19

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿١١﴾
يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ
بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ
هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١٢﴾ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا
انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ۭ
فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۭ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ
الْعَذَابُ ﴿١٣﴾ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ
اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ
وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿١٤﴾ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا ۭ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ۭ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿١٥﴾ اَلَمْ يَاْنِ
لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا
يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ
قُلُوْبُهُمْ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿١٦﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ
مَوْتِهَا ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿١٧﴾ اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ
وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ
كَرِيْمٌ ﴿١٨﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ڰ

وَالشُّهَدَآءُ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ؕ لَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ وَنُوۡرُهُمۡ ؕ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَكَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ الۡجَحِيۡمِ ﴿۱۹﴾

کون ہے جو اللہ کو خالص نیت سے قرض کے طور پر دے پھر وہ اس کو اس شخص کے لیے بڑھاتے چلے جائیں اور اس کے لیے عزت کا صلہ (جنت) ہے ﴿۱۱﴾ جس دن آپ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نُور ان کے آگے اور ان کی داہنی طرف چل رہا ہے آج تم کو خوش خبری ہے ایسے باغوں کی جن کے تابع نہریں جاری ہیں ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہی بہت بڑی کامیابی ہے ﴿۱۲﴾ جس روز منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے (پل صراط پر) کہیں گے (ذرا) ہمارا انتظار کرو ہم بھی تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کر لیں ان کو جواب دیا جائے گا کہ تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ پھر (وہاں سے) نور تلاش کرو پھر ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا اس کی اندرونی جانب رحمت ہو گی اور اس کے باہر کی جانب عذاب ہوگا ﴿۱۳﴾ تو یہ (منافق) ان (ایمان والوں) سے کہیں گے کہ کیا (دنیا میں) ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ وہ کہیں گے کہ ہاں! ولیکن تم نے اپنے آپ کو گمراہی میں ڈال رکھا تھا اور (ہمارے لیے حوادث کے) منتظر رہے اور شک کیا کرتے تھے اور تم کو (تمہاری) خواہشات نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ پہنچا اور تم کو دھوکا دینے والے (شیطان) نے اللہ کے بارے دھوکا میں ڈال رکھا تھا ﴿۱۴﴾ سو آج کے دن نہ تم سے معاوضہ لیا جائے گا اور نہ کافروں سے تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے کہ وہی تمہارے لائق ہے اور وہ بُری جگہ ہے ﴿۱۵﴾ کیا ایمان والوں کے لیے ایسا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے لیے نرم ہو جائیں اور جو (قرآن) حق کی طرف سے نازل ہوا ہے اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو (ان سے) پہلے کتاب ملی تھی پر ان پر طویل زمانہ گزر گیا تو ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں سے

اکثر نافرمان ہیں ﴿۱۶﴾ جان رکھو! کہ اللہ ہی زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ فرماتے ہیں یقیناً ہم نے اپنی نشانیاں تم کو کھول کر بیان فرما دیں تا کہ تم سمجھو ﴿۱۷﴾ بے شک خیرات کرنے والے مرد اور عورتیں اور جو خلوص سے اللہ کو قرض دیتے ہیں، وہ ان کے لیے بڑھا دیا جائے گا اور ان کے لیے پسندیدہ صلہ ہوگا ﴿۱۸﴾ اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں وہی اپنے پروردگار کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں ان کے لیے ان (کے اعمال) کا صلہ ہوگا اور ان کا (خاص) نور ہوگا اور جو لوگ کافر ہوئے اور ہماری آیات کو جھٹلایا، یہی لوگ دوزخی ہیں ﴿۱۹﴾

تفسیر و معارف

اللہ کریم کو قرضِ حسنہ دینے سے کیا مراد ہے:

اللہ کی راہ میں جان مال، کوشش و محنت جو بھی خرچ کیا جاتا ہے وہ ضائع نہیں ہوتا۔ فرمایا: مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۱﴾ کون ہے جو اللہ کو خالص نیت سے قرض کے طور پر دے پھر وہ اس کو اس شخص کے لیے بڑھاتے چلے جائیں اور اس کے لیے عزت کا صلہ (جنت) ہے۔

قرضِ حسنہ وہ ہے جو کسی کو دیا جاتا ہے اور جو پورا لوٹایا جاتا ہے یعنی جس کی واپسی یقینی ہو۔ فرمایا، کون ایسا ہے جو اللہ کریم کو قرضِ حسنہ دے؟ اللہ کریم تو ہر چیز کے مالک ہیں۔ ارض و سما میں اس کے بے شمار خزانے ہیں۔ وہ قادرِ مطلق بے نیاز ہے تو پھر وہ قرض کیوں لیتا ہے؟ قرض یعنی ایسی دولت جس کی واپسی یقینی ہوتی ہے سو فرمایا، تم لوگ جو اتباع شریعت میں اعمال کرتے ہو، اطاعت کرتے ہو تو یہ اس طرح تمہیں لوٹائے جائیں گے جس طرح قرض واپس لوٹایا جاتا ہے۔ وہ اللہ کریم کے پاس محفوظ ہیں، وہ ضائع نہیں جاتے۔ ہم جب کسی ایسے شخص کو قرض دیتے ہیں جو یقینی طور پر اُسے واپس کرنے کے قابل ہوتا ہے تو ہمیں اطمینان ہوتا ہے کہ ایک ایسی پونجی ہے جو وعدے پر مل جائے گی۔ فرمایا، تمہارے اعمالِ حسنہ اللہ کے پاس قرضِ حسنہ ہیں۔ اس کا لوٹانے کا وقت عند الموت اور بعد الموت ہے۔ جب اعمال کا اجر دیا جائے گا تو تمہارا چھوٹا بڑا ہر عمل اللہ کے پاس محفوظ ہے اور وہ تمہیں لوٹا دے گا۔ جتنا تم نے عمل کیا اس سے کئی گنا بڑھا کر واپس دے گا۔ ہوسکتا ہے تم نے دس نیکیاں کی ہوں وہ تمہیں دس ہزار کا ثواب دے دے۔ تم نے جو کام کیا اپنی حیثیت، اپنے علم، سوجھ بوجھ اور طاقت کے مطابق کیا لیکن وہ اتنے کریم ہیں کہ جب لوٹائیں گے تو

اپنی شان کے مطابق عطا کریں گے۔ جب اللہ اپنی شان کے مطابق لوٹائیں گے تو وہ اجر کئی گنا بڑھ جائے گا۔ ایسے لوگوں کے لیے بہت عزت و احترام کی بات ہے۔ یہ بہت بڑے کرم کی بات ہے یعنی اس قرض کی وصولی سے اُن کی عزت کو چار چاند لگ جائیں گے، ان کی عظمت بڑھ جائے گی۔ اس کی صورت کیا ہوگی؟

مومنین کے لیے نور:

فرمایا: يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ ۔۔۔ جس دن آپ ایمان لانے والے مردوں اور ایمان لانے والی عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور اُن کے آگے اور اُن کی داہنی طرف چل رہا ہے۔

فرمایا، ایک دن آئے گا جب ہر طرف تاریکی چھا جائے گی۔ حساب کتاب کے بعد سخت اندھیرا چھا جائے گا کہ کچھ بھائی نہیں دیتا ہوگا تو مومن مردوں اور مومن عورتوں کو اللہ کی طرف سے نور عطا ہوگا۔ وہ ایسا نور ہوگا کہ ان کے آگے بھی دور دور تک روشنی چلے گی اور ان کے داہیں ہاتھ کی طرف بھی روشنی ہوگی۔ مومن مردوں اور مومن خواتین جن کا عقیدہ درست تھا اور ان کے اعمال اتباع رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلّم میں کیے گئے، وہی مجاہدہ اُس دن نور کی صورت میں اُن کے آگے سورج کی طرح روشن ہو کر دور دور تک پھیلا ہوگا۔ اُن کے داہیں ہاتھ میں بھی نور ہوگا۔ جس طرح دنیا میں ہم اندھیرے میں لالٹین یا ٹارچ (TORCH) داہیں ہاتھ میں پکڑ لیتے ہیں اور جدھر چاہیں روشنی کر لیتے ہیں اسی طرح اُن کے داہیں ہاتھ میں بھی نور ہوگا۔ یہ نور مومنین میں بقدرِ اعمال وخلوص کے تقسیم ہوگا، جس کی روشنی میں وہ پل صراط سے گزریں گے۔ کافر تو حساب کتاب کے بعد جہنم میں دھکیل دیا جائے گا کہ وہ تو ایمان ہی نہیں لایا تھا، عمل کی باری تو ایمان کے بعد آتی ہے۔ کافر دنیا میں جو بھلائی کرتا ہے وہ کسی نہ کسی دنیوی فائدے کے لیے کرتا ہے۔ اللہ کریم کافر کی بھلائی بھی ضائع نہیں کرتے اور اُسے دنیا میں اس کا بدلہ دے دیتے ہیں۔ چنانچہ آخرت میں کافر کے لیے کچھ نہیں ہوگا۔ مومن مردوں اور مومن عورتوں میں نور تقسیم ہوگا اور فرمایا: بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۔۔۔ آج تم کو خوش خبری ہے ایسے باغوں کی جن کے تابع نہریں جاری ہیں ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

مومنین کو جو نور عطا ہوگا اُس کی روشنی میں وہ جہنم پر سے، پل صراط کے راستے گزر جائیں گے اور جنت کے بہترین باغات انہیں عطا کر دیے جائیں گے۔ وہاں کسی بیماری کا ڈر ہے نہ کسی صدمے کا گزر ہے۔ اُن نعمتوں کے چھن جانے کا خطرہ ہوگا نہ وہاں سے نکلنے کا اندیشہ کہ وہاں موت بھی نہیں ہوگی۔ فرمایا، ان کے لیے بشارت ہے کہ

اُنہیں وہاں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہنا نصیب ہوگا جہاں سدا بہار ہے اور اُن باغات کے تابع نہریں بہتی ہیں۔ فرمایا:
ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

یہ مقام ومرتبہ پالینا بہت بڑی کامیابی ہے۔انسان ساری زندگی کامیابی کے حصول میں سرگرداں رہتا ہے۔ کبھی کسی امتحان میں کامیابی کے لیے محنت کرتا ہے کبھی مال ودولت کے حصول میں کامیاب ہونا چاہتا ہے یا عہدہ پانے میں کامیابی چاہتا ہے۔ کسی کی محنت شہرت پانے میں کامیابی کے لیے ہوتی ہے۔ یہ ساری کامیابیاں وقتی اور لمحاتی ہوتی ہیں جو موت آنے پر ختم ہو جاتی ہیں۔ اگر بادشاہ کی روح نکل جائے تو اُسے بھی میت کہا جاتا ہے اور فقیر مرے تو اُسے بھی میت کہتے ہیں۔ دنیا کے سارے عہدے ساری کامیابیاں وکمالات موت کے ساتھ ختم ہو جاتے ہیں۔ حقیقی کامیابی یہ ہے کہ مرنے کے بعد کسی کو اللہ کی طرف سے نور عطا ہو، مبارکباد ملے اور جنت کی بشارت ملے اُسے جنتیوں میں ٹھکانہ ملے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ ہر عمل سے نور پیدا ہوتا ہے یا ظلمت پیدا ہوتی ہے۔ جو عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں درست عقیدے اور خلوص سے کیا جاتا ہے اس سے نور پیدا ہوتا ہے۔ جہاں دین کی مخالفت ہوگی اُس سے ظلمت پیدا ہوگی جو خود انسان کو ہی متاثر نہیں کرتی ہے بلکہ پورے ماحول کو متاثر کرتی ہے۔ آخرت میں ہر چیز عیاں ہو جائے گی۔ یہاں تو ہم سمجھتے ہیں کہ یہ سب ہو گیا یا وہ ہو گیا لیکن ہم سوچتے ہی نہیں کہ ہمارے اعمال کی ظلمت ہم پر پڑ رہی ہے۔ اکثر e-mails میں یہی بات ہوتی ہے، خط اور ملاقات میں بھی لوگ یہی کہتے ہیں کہ ہم پر کسی نے جادو کر دیا ہے فلاں کام بگڑ گیا ہے، ملازمت نہیں ملتی یا تجارت میں خسارہ ہو جاتا ہے۔ قرض خواہ تنگ کرتے ہیں، عزت نہیں رہی تو جواباً یہی عرض کرتا ہوں کہ اپنے کردار کا جائزہ لیں۔ آپ پر کوئی جادو نہیں کرتا البتہ آپ خود اپنے آپ پر جادو کر رہے ہیں۔ آپ کے عقیدے میں صحت نہیں، کردار اور عمل درست نہیں۔ ہر کام میں ظلمت پیدا ہو رہی ہے تو اس میں کامیابیاں کہاں سے آئیں گی! اگر آپ کے کردار میں نور ہوتا تو کوئی جادو کرتا بھی تو وہ نور دفاع کر لیتا۔ جادو کی حقیقت صرف یہ ہے کہ جب کوئی بندہ خود کمزور ہوتا ہے تو اس کی قوتِ متخیلہ کو جادوگر متاثر کرتا ہے۔ جادوگر اپنی اس قوت کو بھوکا رہ کر چلّہ کشیاں کر کے باقاعدہ develop کرتے ہیں اور یہ قوت دوسروں کے خیالات کو متاثر کرتی ہے۔ اگر دوسرے شخص میں بھی ظلمت ہوگی تو یہ ظلمت اُسے مزید پریشان کر دیتی ہے۔ یہ سب قیامت کو سامنے آجائے گا۔ فرمایا روزِ محشر سخت اندھیرا چھا جائے گا اور اس تاریکی پل صراط سے گزر کر جانا ہوگا۔ نیچے دوزخ بھڑک رہی ہوگی اور اس کا عالم یہ ہوگا کہ وہ اتنا بھڑک چکی ہوگی کہ سرخ سے سیاہ ہو چکی ہوگی۔ ہر طرف تاریکی چھا جائے گی تو مومن مردوں اور مومن عورتوں کو نور عطا ہوگا۔ اُن کے سینے روشن ہوں گے جو دور تک روشنی پھیلائیں گے۔ اُن کے دائیں ہاتھ میں بھی روشنی ہوگی جس سے وہ راہ میں روشنی کر لیں گے اور پل صراط سے گزر کر جنت کی

نعمتوں میں پہنچ جائیں گے۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

منافقین کا حال:

جیسا کہ ابھی گزرا کہ ہر نیک عمل نور پیدا کرتا ہے اور ہر کافرانہ عمل اور کفر ظلمت پیدا کرتا ہے جو آخرت میں ظاہر ہوگا لیکن یہاں کافر کا تو سرے سے ذکر ہی نہیں ہے کہ کافر کا نور سے تعلق ہی نہیں ہے۔ وہ تو سیدھا دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔ اُس نے پل صراط پر جانا ہی نہیں۔ یہاں مومنوں اور منافقوں کی بات ہے۔ فرمایا: یَوْمَ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ۔۔۔ جس روز منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے (پل صراط پر) کہیں گے (ذرا) ہمارا انتظار کرو ہم بھی تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کرلیں۔۔۔ جب مومنین پل صراط سے گزریں گے تو منافق مرد اور عورتیں جو دنیا میں اُن سے واقفیت یا رشتہ داری رکھتے تھے اُنہیں پکاریں گے کہ ذرا رک جاؤ ہمارا انتظار کرو کہ ہماری روشنی تو بجھ گئی ہے۔ ہمیں بھی اپنے قریب آ لینے دو تاکہ تمہاری روشنی میں ہم بھی راستہ دیکھ لیں گے۔ چونکہ منافق بھی بظاہر تو مسلمان ہوتا ہے اور عمل بھی مسلمانوں سا کرتا ہے لیکن دل سے نہیں مانتا۔ دنیا میں جو کام منافقین نے بظاہر اسلام کے تابع کیے تو اس پر نور مرتب ہوگا۔ جہاں نور تقسیم ہو رہا ہوگا وہاں سے انہیں بھی نور دیا جائے گا لیکن دل میں خلوص نہ ہونے کی وجہ سے اس نور کی بنیاد نہیں ہوگی تو وہ بجھ جائے گا۔ انہوں نے ظاہری نمازیں پڑھیں تو انہیں نور مل گیا لیکن چونکہ اُن میں حقیقت نہیں تھی تو جب وہاں سے آگے نکلیں گے تو وہ بجھ جائے گا۔ جس طرح دنیا میں اُن کی عبادات اور اعمالِ حیات میں خلوص نہیں تھا وہاں اُس نور میں، اس چراغ میں تیل نہیں ہوگا۔ آگے تاریکی ہوگی اور جہنم کے اوپر پل صراط سے گزرنا ہوگا تو وہ مومنین سے کہیں گے کہ ذرا ٹھہر جاؤ۔ ہم نے دنیا میں تمہارے ساتھ عمر بسر کی آج ہماری روشنی تو بجھ گئی، ہمیں بھی ساتھ لے چلو۔ مومنین کہیں گے، فرمایا: قِیْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا۔۔۔ اُن کو جواب دیا جائے گا کہ تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ پھر (وہاں سے) نور تلاش کرو۔

مومنین کہیں گے ہمارے پاس نور اپنے استعمال کے لیے ہے تمہارا بجھ گیا ہے تو جہاں تقسیم ہو رہا ہے وہاں جاؤ۔ تم بھی تو وہیں تھے جہاں سے ہمیں ملا ہے۔ دنیا میں اکٹھے رہے تو یہاں نور بھی اکٹھے لینے گئے اب اگر تمہارا نور بجھ گیا ہے تو وہاں سے پھر لے آؤ جہاں بٹ رہا ہے۔

فرمایا وہ واپس جائیں گے تو انہیں کہا جائے گا کہ تم اپنا حصہ لے چکے تمہارے لیے یہاں جو کچھ تھا وہ تم لے گئے۔ وہ بجھ گیا کہ اُس میں خلوص نہیں تھا، یقین نہیں تھا۔ فرمایا: فَضُرِبَ بَیْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِیْهِ

الرَّحۡمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنۡ قِبَلِهِ الۡعَذَابُ ﴿۱۳﴾ پھر اُن کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا اس کی اندرونی جانب رحمت ہوگی اور اس کے باہر کی جانب عذاب ہوگا۔

مومنین اور منافقین کے درمیان ایک حدِ فاصل، دیوار کی طرح ایک رکاوٹ حائل ہو جائے گی اُس میں ایک دروازہ ہوگا جس کے اندر اللہ کی رحمتیں ہوں گی اور باہر کی طرف دردناک عذاب ہوں گے۔ جن کے پاس نور ہوگا وہ اس دروازے سے گزر کر اللہ کی رحمت اور بخشش میں پہنچ جائیں گے لیکن جن کے پاس روشنی نہیں ہوگی وہ دروازے کو دیکھ نہیں پائیں گے۔ مومن جب اپنی روشنی میں راستہ دیکھ کر دروازے سے گزر جائیں گے تو باہر رہ جانے والے منافقین پیچھے سے آوازیں دیں گے۔ فرمایا: يُنَادُوۡنَهُمۡ اَلَمۡ نَكُنۡ مَّعَكُمۡ۔۔۔ تو یہ (منافق) ان (ایمان والوں) سے کہیں گے کہ کیا (دنیا میں) ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟

منافقین پکاریں گے کہ تم لوگ کدھر نکل گئے ہو! ہم بھی دنیا میں تمہارے ساتھ نمازیں پڑھتے تھے، روزے رکھتے تھے، زکوٰۃ و خیرات دیتے تھے۔ پھر ہمیں اس گھپ اندھیرے میں دوزخ کے عذاب اور اس تپش میں چھوڑ کر تم کیوں نکل گئے ہو؟ ہم نے تمہارے ساتھ عمر بسر کی تھی۔ مومنین کہیں گے، فرمایا: قَالُوۡا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمۡ فَتَنۡتُمۡ اَنۡفُسَكُمۡ وَتَرَبَّصۡتُمۡ وَارۡتَبۡتُمۡ وَغَرَّتۡكُمُ الۡاَمَانِىُّ حَتّٰى جَآءَ اَمۡرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمۡ بِاللّٰهِ الۡغَرُوۡرُ ﴿۱۴﴾ وہ کہیں گے ہاں! ولیکن تم نے اپنے آپ کو گمراہی میں ڈال رکھا تھا اور (ہمارے لیے حوادث کے) منتظر رہے اور شک کیا کرتے تھے۔ اور تم کو (تمہاری) خواہشات نے دھوکا میں ڈال رکھا تھا یہاں تک کے اللہ کا حکم آ پہنچا۔ اور تم کو دھوکا دینے والے (شیطان) نے اللہ کے بارے دھوکا میں ڈال رکھا تھا۔

مومنین کہیں گے، بے شک تم ہمارے ساتھ رہے اور ظاہراً ہمارے جیسے اعمال کیے لیکن تمہارے اندر ایمان نہیں تھا۔ تم نے تو اپنے آپ کو خود مصیبت میں ڈال دیا۔ تم تو یہ سوچتے رہتے تھے کہ جب تک مسلمانوں کے پاس حکومت و اقتدار ہے اُن سے فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے لہٰذا مسلمان بنے رہنا چاہیے۔ تم سوچتے تھے کہ اگر مسلمانوں کی جگہ کوئی اور حکومت آ گئی تو تم اُن کے ساتھ مل جاؤ گے۔ تمہارا تو یہ حال تھا کہ تم سوچتے تھے کہ مسلمان حکومت میں ہیں تو ہم خود کو مسلمان ظاہر کریں گے اور اگر (خدانخواستہ) کافروں نے ان سے ریاست چھین لی تو ہم اُن کے ساتھ مل جائیں گے بلکہ تم تو مسلمانوں کی تباہی کے خواب دیکھا کرتے تھے۔ تم موقع پرست تھے تم نے اسلام کو اقتدار میں دیکھا تو مسلمانوں کا روپ دھار لیا اگر کفر غالب آ جاتا تو تم ادھر شامل ہو جاتے۔ تمہیں امید تھی کہ مسلمانوں کی چھوٹی سی ریاست ہے جن کے پاس مادی و افرادی وسائل بھی کم ہیں تو بالآخر کافر اسے نابود کر دیں گے۔ تمہیں تو ہماری بقا میں شک تھا اور تمہاری خواہش اور امید یہی تھی کہ کافر مسلمانوں کو ختم کر دیں گے۔ تمہیں خواہشاتِ نفس نے بھٹکا دیا تھا

تمہارا نفس دنیا پر ریجھا ہوا تھا تم دنیوی منافع کے طلبگار رہتے۔ تم نے زندگی اسی طلب میں بسر کی حتیٰ کہ اللہ کا حکم آ گیا، موت آ گئی۔ اسی منافقت میں تم موت سے ہمکنار ہو گئے۔ تمہاری بے معنی اور فضول امیدوں نے، جو شیطان نے تمہیں دلا رکھی تھیں تمہیں اللہ سے دور کر دیا۔ تم نے اپنی جانوں کے لیے مصیبت خرید لی۔

آج کے دور میں ایسے لوگ بھی ہیں جو وطنِ عزیز کے لیے خلوص سے محنت کرتے ہیں تا کہ مسلمانوں کی بھلائی اور بہتری ہو جبکہ ایسے بھی ہیں جن کی سوچ مختلف ہے وہ کہتے ہیں ہمیں تو پیسہ کمانے سے غرض ہے۔ اگر اس ملک کو ہمسایہ ملک نے یا کسی اور قوم نے فتح کر لیا تو بھی ہمیں کیا فرق پڑتا ہے، ہمیں تو نوکری کرنی ہے، کرتے رہیں گے، آج کے منافقین کی سوچ بھی یہی ہے کہ وطنِ عزیز کی ریاست چل نہیں سکے گی۔ فلاں ملک اسے چلنے نہیں دے گا، فلاں ملک اسے فتح کر لے گا، وغیرہ وغیرہ۔

منافقین اور کفار کا انجام:

فرمایا: فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ مَأْوَاكُمُ النَّارُ ۖ هِيَ مَوْلَاكُمْ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿١٥﴾ سو آج کے دن نہ تم سے معاوضہ لیا جائے گا نہ کافروں سے تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے کہ وہی تمہارے لائق ہے اور وہ بری جگہ ہے۔

فرمایا اب آج کے روز اس کا کوئی مداوا نہیں ہو سکتا۔ دنیا میں جس دولتِ دنیا کے لیے تم نے مسلمانی کا لبادہ اوڑھے رکھا، آج وہ دے کر بھی تم جان نہیں چھڑا سکتے۔ آج کسی منافق کو معاوضہ لے کر چھوڑا جائے گا نہ کسی کافر کو۔ یہاں کافر کا ذکر آ گیا کہ کافر بھی کہیں گے کہ ہم نے دنیا میں بھلائی کے کام کیے تھے ہسپتال بنوایا تھا، کنواں بنوایا تھا، درسگاہ بنوائی تھی تو اس کا کچھ معاوضہ مل جائے اور یہاں سے نکلنے کا سبب بن جائے۔ مگر ایسا نہیں ہوگا۔ آج کوئی عذر نہ چل سکے گا اور تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا۔ تمہاری منزل دوزخ ہے کہ تمہارا عقیدہ اور کردار اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اسے جہنم میں ہی پھینکا جائے۔ جہنم بہت ہی برا ٹھکانہ ہے، بہت تکلیف دہ جگہ ہے۔ یاد رہے، ان منافقین میں وہ لوگ بھی شامل سمجھے گئے ہیں جو مطلب برآری کے لیے قرآن کے معانی اور دینی مسائل میں تبدیلی کرتے ہیں۔

ذکرِ قلبی:

یہ سارے حالات بیان کر کے ارشاد ہوتا ہے، فرمایا: أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَن تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ۔۔۔ کیا ایمان والوں کے لیے ایسا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے لیے نرم ہو جائیں اور جو (قرآن) حق کی طرف سے نازل ہوا ہے۔

یہ سارے حقائق کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے سن لینے کے بعد مسلمانوں میں سستی کیوں آئے۔ کیا ابھی مومنوں پر وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل خلوص، خشوع، عجز و نیاز سے بھر جائیں اور اُن میں عظمتِ الٰہی طاری ہو کر اُنہیں اللہ کی یاد کی طرف لے جائے؟ وہ اللہ کا ذکر کرنے لگ جائیں، ایسا کب کریں گے؟ وہ جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ کو خلوص سے مانتے ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کو مانتے ہیں تو اُسی خلوص سے اطاعت کب کریں گے؟ کس دن کا انتظار کر رہے ہو؟ تمہارے پاس کیا سند ہے کہ کب تک دارِ عمل میں جیتے رہو گے اور کب تک فرصتِ عمل پاؤ گے۔ انسان زندہ تو ہوتا ہے لیکن بیماریاں آ جاتی ہیں، بینائی چلی جاتی ہے، ہاتھ پاؤں شل ہو جاتے ہیں، زبان بند ہو جاتی ہے۔ تم کس وقت کا انتظار کر رہے ہو۔ تمہارے دل میں خشوع کب پیدا ہو گا جو تمہیں اللہ کی یاد کی طرف لے جائے؟ ایمان لانا بھی ذکرِ الٰہی ہے۔ اللہ کی اطاعت اور اتباعِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم کی حد میں رہ کر بات کرنا بھی ذکرِ الٰہی ہے۔ تلاوت و تسبیحات، نماز، روزہ بھی ذکرِ الٰہی ہے۔ حقیقی ذکر تب ہو گا جب قلب ذاکر ہو جائے، جب وجود کا ہر ذرّہ ذاکر ہو جائے تو یہ کب کرو گے؟ تم اس بات پر کب عمل کرو گے جو کتاب اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے، جو حق ہے! اس بارہ میں ہرگز سستی نہ کرو۔ کیا تم پر وہ وقت نہیں آیا کہ تمہارا دل لرز جائے کہ فرصتِ عمل ختم ہو رہی ہے میں کب عمل کروں گا اور یہ خشوع تمہیں اللہ کی راہ میں لگا دے!

دین کو ثانوی درجے میں رکھنا قساوتِ قلبی کا سبب ہے:

فرمایا: وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ ۔۔۔ اور اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو (ان سے) پہلے کتاب ملی تھی پھر اُن پر طویل زمانہ گزر گیا تو اُن کے دل سخت ہو گئے۔

مومنوں کو نصیحت کی جا رہی ہے تم اس حق بات پر عمل کرو جو اللہ نے نازل فرمائی ہے اور یہود و نصاریٰ کی طرح کا رویہ نہ اپناؤ۔ جن امتوں کو پہلے کتابیں ملیں، انہوں نے اُن پر عمل کرنے کو، دین کو ثانوی درجے میں رکھا اور دنیاداری کو اوّلیت دی تو مرورِ زمانہ کا شکار ہو گئے۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا وہ عمل سے دور ہوتے گئے حتیٰ کہ وہ کتابیں صرف زبانی کہنے کی حد تک رہ گئیں لیکن اُن کے مطابق عقیدہ رہا نہ عمل رہا۔ جب دین پر عمل ترک کر دیا تو دل سخت ہو گئے، پتھر بن گئے اور فرمایا: وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُونَ ﴿١٦﴾ اور ان میں اکثر نافرمان ہیں۔ جب دل سخت ہو گئے تو ان میں سے اکثریت گناہ میں مصروف ہو گئی اور اب انہیں قبولِ حق کی توفیق نہیں ہو رہی۔ ان کی مثال سے مسلمانوں کو سمجھایا جا رہا ہے تم خود کو عملی مسلمان ثابت کرنے میں ہرگز دیر نہ کرو۔ سب سے اوّلیت اس کام کو دو ورنہ پہلی امتوں نے یہی کہا تھا کہ بڑی عمر پڑی ہے عمل کر لیں گے، عبادت کر لیں گے۔ تم ایسا ہرگز نہ کرنا تم اہلِ کتاب کی

طرح نہ ہو جانا جنہیں اللہ نے کتابیں دیں اور وہ وقت کے ساتھ اُن سے دور ہوتے گئے۔ اس دوری سے اُن کے دل سخت ہو گئے اور وہ سرتاپا گناہ میں غرق ہو گئے۔

صدیق اور شہید:

فرمایا: اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ یُحۡیِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ؕ قَدۡ بَیَّنَّا لَکُمُ الۡاٰیٰتِ لَعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۷﴾ جان رکھو! کہ اللہ ہی زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ فرماتے ہیں۔ یقیناً ہم نے اپنی نشانیاں تم کو کھول کر بیان فرما دیں تاکہ تم سمجھو۔

اس نظام پر غور کرو کہ اللہ کریم زمین کو مردہ ہونے کے بعد زندہ فرماتا ہے۔ زمین جب خشک ہو جاتی ہے اور سبزے ختم ہو جاتے ہیں تو ایک چٹیل میدان بن جاتی ہے۔ اللہ کریم اُسے پھر نئی زندگی عطا کر دیتے ہیں۔ بارشیں برستی ہیں تو سبزہ اُگتا ہے، پھول کھلتے ہیں، پھل لگتے ہیں، کھیتیاں اُگتی ہیں یعنی کائنات میں موت و حیات کا یہ کھیل جاری و ساری ہے۔ ہر لمحہ چیزیں پیدا ہو رہی ہیں اور فنا بھی ہو رہی ہیں۔ اگر غور کرو تو اس نظام میں بہت دلائل ہیں کہ بندہ عقل سے کام لے۔ یہ ایک ایسا نظام ہے جو بغیر انقطاع کے چل رہا ہے چیزیں بن بھی رہی ہیں مٹ بھی رہی ہیں۔ کون ہے جو اسے چلا رہا ہے؟ یہ نظام عظمتِ الٰہی پر گواہ ہے اور اس میں بے شمار دلائل ہیں تاکہ تم دانش سے کام لو اور سمجھ لو کہ عقلمندی صرف اطاعت اور اتباع میں ہے۔ فرمایا: اِنَّ الۡمُصَّدِّقِیۡنَ وَ الۡمُصَّدِّقٰتِ وَ اَقۡرَضُوا اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا یُّضٰعَفُ لَهُمۡ وَ لَهُمۡ اَجۡرٌ کَرِیۡمٌ ﴿۱۸﴾ بے شک خیرات کرنے والے مرد اور عورتیں اور جو خلوص سے اللہ کو قرض دیتے ہیں، وہ ان کے لیے بڑھا دیا جائے گا اور اُن کے لیے پسندیدہ صلہ ہوگا۔

صدقہ و خیرات کیا ہے؟ کسی بھی چیز کو اللہ کے نام پر خرچ کرنا صدقہ ہے تو اگر سارا کردار اللہ کے حکم کے مطابق ڈھل جائے، ہر نعمت اور کوشش اللہ کی راہ میں خرچ کی جائے تو ہر عمل نیکی، عبادت اور صدقہ بن جاتا ہے۔ ایسا صدقہ کرنے والے مرد اور عورتوں کا معاملہ اللہ کے ساتھ ایسا ہے گویا وہ اللہ کو قرض دے رہے ہیں۔ اُن کے اعمال گویا ربِ کریم پر قرض ہیں جن کو اللہ کریم اپنی شان کے مطابق کئی گنا اضافے کے ساتھ لوٹائیں گے۔ اُن کے لیے بہت خوبصورت اور بہت بڑا اجر ہے جو انہیں خوش کر دے گا۔ فرمایا: وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖۤ اُولٰٓئِکَ هُمُ الصِّدِّیۡقُوۡنَ ٭ۖ وَ الشُّهَدَآءُ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ۔۔۔ اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں وہی اپنے پروردگار کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں۔

جن لوگوں کو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا نصیب ہوا جو اللہ کی عظمت اور اُس کے رسولوںؑ کی نبوت و رسالت کا اقرار کرتے ہیں۔ ایمان سے مراد یقین ہوتا ہے جس کا تقاضا اطاعت کرنا ہے۔ جو بات

محض تسلیم کی جائے لیکن اس پر عمل نہ ہو تو وہ ماننا نہ ماننے کے برابر ہے۔ فرمایا، جن لوگوں نے انبیاؑ کی بات مانی اللہ پر ایمان لائے اور اتباع رسالت کیا وہ اللہ کے نزدیک صدیقین میں سے ہیں، شہدا میں سے ہیں۔

ہر مومن ایک درجے میں صدیق بھی ہے اور شہید بھی ہے کہ وہ سچائی کا دامن بھی تھامے ہوئے ہے اور عظمتِ الٰہی پر گواہ بھی ہے۔ اس کے درجے کا مدار اس کے کردار پر ہے کہ وہ کتنی محنت اور مجاہدہ کرتا ہے۔ جس طرح ظاہری طور پر بھی ہر ایک میں حیات ہے لیکن ایک شخص لاغر و لاچار ہے جو بستر پر پڑا ہے۔ وہ بھی زندہ ہے اور ایک شخص بڑے بڑے کام کر رہا ہے، بھاگ دوڑ کر رہا ہے وہ بھی زندہ ہے۔ اسی طرح عنداللہ ایک درجے میں ہر مومن صدیق اور شہید ہے لیکن ہر ایک کا درجہ اس کے خلوص اور اللہ کی عطا سے الگ ہے۔ گویا ہر مسلمان جو اللہ کی اطاعت کرے اور مصلحت اندیشی نہ کرے، ایثار و عمل میں سستی نہ کرے تو اسے ایک درجے میں صداقت بھی نصیب ہے اور شہادت بھی نصیب ہے۔ دین کے ارکان چھوٹتے ہی تب ہیں جب انسان مصلحت پسندی کا شکار ہوتا ہے اور یہ ایک ایسی مصیبت ہے جس نے بے شمار لوگوں کو گمراہ کر رکھا ہے۔ انسان اسی سوچ میں الجھا رہتا ہے کہ دین پر عمل کرے گا تو لوگ کیا کہیں گے یا بے دین طبقہ ناراض ہو جائے گا یا ایذا دے گا۔ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں سے پوچھا کہ تمہارے سامنے لوگ غلط کام کرتے ہیں تو تم منع کیوں نہیں کرتے؟ اُنہوں نے عرض کی، ہم لوگوں کے شر سے بچنے کے لیے خاموش رہتے ہیں تو امیر المومنینؓ نے فرمایا پھر تم صدیق اور شہید نہیں ہو۔ اگر تم برائی پر خاموش رہتے ہو تو پھر تم صدیق اور شہید نہیں ہو۔ گویا مصلحت اندیش اس میں شامل نہ ہوں گے۔

ایسے لوگ جو صدیق اور شہید ہیں اُن کے لیے، فرمایا: لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ ۔۔۔ ان کے لیے ان (کے اعمال) کا صلہ ہوگا اور ان کا (خاص) نور ہوگا۔

یہ بات گزر چکی ہے کہ ہر نیکی اور عبادت ایک روشنی اور نور پیدا کرتی ہے اور ہر برائی ظلمت اور تاریکی پیدا کرتی ہے جو دنیا میں بھی نتائج پیدا کرتی ہے اور آخرت میں تو وہ روشنی مومنین کے ہاتھ میں ہوگی۔ پل صراط پر منافقین کا نور بجھ جانے پر وہ مومنین سے کہیں گے کہ ہمیں اپنے نور سے فائدہ اٹھانے دو تو مومنین اُنہیں کہیں گے کہ واپس جاؤ جہاں نور تقسیم ہو رہا ہے۔ اس سے یہ بھی مراد ہے کہ مومنین کہیں گے کہ ہم تو دنیا سے نور لے کر آئے ہیں۔ تم وہاں وقت ضائع کرتے رہے، تم نے نور حاصل نہیں کیا ہم نے وہاں سے حاصل کر لیا تھا۔ تم اگر جا سکتے ہو تو وہاں سے لے آؤ۔ فرمایا، اللہ کریم انہیں بہت بڑا معاوضہ اور نور عطا فرمائیں گے۔ اس کے برعکس، فرمایا: وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿١٩﴾ اور جو لوگ کافر ہوئے اور ہماری آیات کو جھٹلایا یہی لوگ دوزخی ہیں۔ فرمایا دوسرا طبقہ وہ ہے جس نے اللہ کی آیات کو نظر انداز کر دیا، جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کی آیات کے منکر ہوئے، وہ جہنم کے باسی ہیں۔ انہیں دوزخ میں رہنا ہوگا۔

و آخر دعونا۔

سورۃ الحدید رکوع 3 آیات 20 تا 25

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِعْلَمُوْۤا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ
فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ
فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطٰمًا ؕ وَفِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ
وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۲۰﴾
سَابِقُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ
وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ
مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۱﴾ مَاۤ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِى
الْاَرْضِ وَلَا فِىْۤ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ
عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۚ ﴿۲۲﴾ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَاۤ اٰتٰىكُمْ ؕ
وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ۙ ﴿۲۳﴾ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ
بِالْبُخْلِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِىُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۴﴾ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا
بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ
وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ
يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِىٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۵﴾

جان لو! کہ دنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشا، اور (ایک ظاہری) زینت اور ایک دوسرے پر فخر کرنا اور مال اور اولاد میں ایک کا دوسرے سے خود کو زیادہ بتانا ہے اس

کی مثال بارش کی ہے (کہ برستی ہے تو) اس سے اُگنے والی کھیتی کسانوں کو بھلی لگتی ہے پھر وہ خشک ہو جاتی ہے تو تُو اس کو زرد رکھتا ہے پھر وہ چُورا چُورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں شدید عذاب ہے اور اللہ کی طرف سے بخشش اور رضامندی ہے اور دنیا کی زندگی محض دھوکے کا سامان ہے ﴿۲۰﴾ اپنے پروردگار کی بخشش کی طرف دوڑو اور جنت کی طرف کہ اس کا عرض آسمان اور زمین کے عرض کی طرح ہے ان لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لاتے ہیں یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہیں اسے (اپنا فضل) عطا فرمائیں اور اللہ بڑے فضل کے مالک ہیں ﴿۲۱﴾ کوئی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے اور نہ تمہاری جانوں میں مگر وہ ایک کتاب (لوحِ محفوظ) میں لکھی ہے پیشتر اس کے کہ ہم اس کو پیدا کریں بے شک اللہ کے لیے یہ آسان (کام) ہے ﴿۲۲﴾ تاکہ جو چیز تم سے جاتی رہے اس پر غم نہ کرو اور جو چیز تم کو عطا فرمائیں اس پر اتراؤ نہیں اور اللہ کسی اترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں فرماتے ﴿۲۳﴾ جو لوگ بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل (کنجوسی) کی تعلیم دیتے ہیں اور جو شخص (حق سے) منہ پھیرے گا تو بے شک اللہ بے نیاز ہیں وہی تعریف کے سزاوار ہیں ﴿۲۴﴾ ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب نازل فرمائی اور ترازو (قواعدِ عدل) تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں اور ہم نے لوہے کو پیدا فرمایا اس میں شدید ہیبت (جنگ کے اعتبار سے) ہے اور (اس کے علاوہ) لوگوں کے اور بھی (طرح طرح کے) فائدے ہیں اور تاکہ اللہ جان لے کہ کون بن دیکھے اس کی اور اُس کے پیغمبروں کی مدد کرتا ہے بے شک اللہ طاقت والے (اور) زبردست ہیں ﴿۲۵﴾

تفسیر و معارف

دنیا کی زندگی کی حقیقت:

فرمایا: اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَھْوٌ وَّزِیْنَۃٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَیْنَکُمْ وَتَکَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ

وَالۡاَوۡلَادِ۔۔۔ جان لو! کہ دنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشا اور (ایک ظاہری) زینت اور ایک دوسرے پر فخر کرنا اور مال اور اولاد میں ایک کا دوسرے سے خود کو زیادہ بتانا ہے۔ فرمایا، خوب سن لو اور ذہن نشین کر لو کہ دنیا کی زندگی ایک کھیل تماشا ہے۔ اگر اللہ کے حکم کے مطابق نہ گزاری جائے تو محض فضول کام ہے جسے ہم بچپن میں بہت شوق سے مختلف کھیل کھیلا کرتے تھے۔ مل کر چھوٹے چھوٹے گھر بناتے تھے پھر کوئی چور بن جاتا اور ایک بچہ سپاہی بن جاتا۔ کوئی گلی ڈنڈا کھیلتا کوئی گیند سے کھیلتا۔ جب آدمی جوان ہوتا ہے تو اُسے بچپن کے سارے کام فضول لگتے ہیں۔ آدمی غور کرے کہ وہ بچپن میں کتنے کھیل کھیلتا تھا، اور کہانیاں سنتا سناتا تھا۔ ہر وقت کسی نہ کسی کھیل میں مصروف ہوتا تھا۔ ماں باپ کھانا کھلا رہے ہیں، پکڑ پکڑ کر کپڑے تبدیل کر رہے ہیں پھر کسی کھیل میں کپڑے میلے کر کے آ جاتا تھا یہ سب تماشے بچپن میں لگے رہتے تھے۔ جب جوان ہوتا ہے تو اُسے وہ ساری باتیں فضول لگتی ہیں کہ دیکھو کیسی فضول سی باتیں تھیں۔ اسی طرح جوانی کی حرکتیں بڑھاپے میں فضول لگتی ہیں اور احساس ہوتا ہے کہ یہ تو وقت کا ضیاع تھا، فضول باتیں کیں۔ موت کے بعد پوری زندگی کی سمجھ آ جائے گی کہ یہ تو سارا کھیل تماشا ہی تھا۔ جیسے کھیل وقتی طور پر ہوتا ہے، کھیل ختم ہو گیا بات ختم ہو گئی۔ مرنے کے بعد پتا چل جائے گا کہ دین کے خلاف جتنی زندگی گزاری جائے وہ محض ایک تماشا تھا۔ یہ محض ظاہری زیب و زینت اور ایک دوسرے پر فخر کرنے کے لیے ہے۔ جیسے آج کل کے مقبول کھیل ہیں۔ اُن میں جو جیت جاتا ہے وہ بڑے فخر سے سینہ تانے پھرتا ہے کہ میں جیت گیا۔ آخرت میں اس کا کیا فائدہ ہوگا؟ انسان کی ابدی زندگی میں کیا اثر ہوگا۔ کچھ بھی نہیں! وہ ایک کھیل تھا، وقتی طور پر ایک جیت تھی۔ اسی طرح کوئی سمجھتا ہے کہ اس کے پاس اتنی دولت ہے، اتنی اولاد ہے، مکان ہیں، جائیدادیں ہیں یا میرا اتنا بڑا عہدہ ہے لیکن جب موت آتی ہے تو سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح یہ دنیا کی زندگی بھی کھیل تماشا ہے۔ یہاں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ دنیا کیا ہے۔

چیست دنیا از خدا غافل بدن
نی قماش و نقرہ و فرزند و زن

اللہ سے غافل ہونے کا نام دنیا داری ہے۔ اللہ سے جو غافل ہو گیا وہ خواہ غریب ہے، فقیر ہے، وہ دنیا دار ہے جبکہ مال دار ہونا یا صاحب اولاد ہونا، صاحبِ اقتدار ہونا دنیا داری نہیں ہے۔ اگر اللہ کے حکم کے مطابق کوئی جائز کمائے اور زیادہ کما لے یا اللہ نے عہدہ دیا ہے تو انصاف کرے۔ اللہ کے احکامات کے مطابق زندگی بسر کرے تو وہ دنیا دار نہیں ہے۔ دنیا، اللہ کو بھول جانے کا نام ہے اور یہ سب کام پھر آخرت میں بہت فضول لگیں گے۔

دنیا تو یہی کچھ ہے کہ کوئی مال پر فخر کرتا ہے کوئی اولاد پر، کوئی اپنے عہدے پر فخر کرتا ہے لیکن جب موت آتی ہے تو نہ عہدہ رہتا ہے نہ مال و دولت کام آتا ہے نہ اولاد کام آتی ہے۔ سب کچھ چھوٹ جاتا ہے۔ فرمایا: کَمَثَلِ

غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ؕ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۔۔۔ اس کی مثال بارش کی ہے (کہ برستی ہے تو) اس سے اُگنے والی کھیتی کسانوں کو بھلی لگتی ہے۔ پھر وہ خشک ہو جاتی ہے تو تو اس کو زرد دیکھتا ہے پھر وہ چُورا چُورا ہو جاتی ہے۔ اور آخرت میں شدید عذاب ہے اور اللہ کی طرف سے بخشش اور رضامندی ہے۔

جب بارش ہوتی ہے تو انکار کرنے والے، ناشکر گزار کافر بھی خوش ہوتے ہیں کہ اس سے بڑی فصلیں ہوں گی، پھل لگیں گے اور خوب آمدن ہوگی۔ کافر انہی میں الجھ جاتا ہے اور اس کی خوشی غفلت کا سبب بنتی ہے۔ جبکہ خوش مومن بھی ہوتا ہے۔ مگر اس کی خوشی اللہ کا شکر ادا کرنے کا سبب بنتی ہے۔ پھر کھیتیوں پر جوبن آتا ہے اور پھر اُن کی سرسبزی پیلاہٹ میں تبدیل ہو کر بالآخر سوکھ کر ٹوٹ پھوٹ جاتی ہے اور پھر سے خاک میں مل جاتی ہے۔ یہی مثال انسانی زندگی کی ہے انسان پیدا ہوا جوبن آیا، بوڑھا ہوا اور مر گیا لیکن آخرت میں جب اعمال کے نتائج ظاہر ہوں گے تو کفر پر بہت دردناک عذاب ہوں گے۔ جنہوں نے ناشکری کی اُنہیں شدید عذاب ہوگا۔ اس کے برعکس جنہوں نے اللہ کے حکم کے مطابق زندگی بسر کی، جائز حلال طریقے سے نعمتوں سے استفادہ کیا اُن کے لیے اللہ کی رضا اور بخشش ہوگی۔ اس لیے کہ شکر گزار بھی اللہ کا شکر کما حقہ ادا نہیں کر سکتا۔ جتنی نعمتیں عطا ہوتی ہیں اتنا شکر ادا ہو ہی نہیں سکتا، اس میں کمی رہ جاتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ شکر گزار سے بھی غلطیاں، کوتاہیاں سرزد ہوتی ہیں تو اللہ کریم کی مغفرت اُن کو تھام لیتی ہے۔ اس کی بخشش اسی لیے ہے کہ جو دامانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ رہے اُس سے جو بھول چوک ہو جائے اُسے معاف فرمادے اور اُس سے راضی ہو جائے۔ ورنہ، فرمایا: وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿٢٠﴾ اور دنیا کی زندگی محض دھوکے کا سامان ہے۔

دنیا کی زندگی ایک دھوکا ہے، دکھاوا ہے۔ جس چیز نے آخر فنا ہو جانا ہے اس پر فخر کیسا اور اس سے محبت کیسی! دنیا کے پیچھے وقت ضائع کرنے سے کیا حاصل؟ انسان کا کردار دائمی ہے جس کے اچھے یا برے نتائج بھگتنا پڑیں گے تو پھر کیوں نہ دنیا میں انسان نیکی اختیار کرے تاکہ عنداللہ اچھے نتائج حاصل کرے۔ اخروی زندگی دائمی اور ابدی ہے۔ جو جہنم چلا گیا وہ ابدی عذاب میں داخل ہو گیا جہاں مرے گا نہ کبھی عذاب ختم ہوں گے۔ جو اللہ کی مغفرت کو پالے گا اسے بھی ابدی حیات نصیب ہوگی اور جنت کی نعمتوں میں ہمیشہ رہے گا۔ وہاں نعمتوں کو دوام ہوگا تو پھر دنیا کی وقتی لذتوں کے لیے دائمی نعمتوں کو کیوں قربان کیا جائے؟

نیکیوں میں سبقت لے جاؤ:

فرمایا: سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۔۔۔ اپنے پروردگار کی بخشش کی طرف دوڑو اور جنت کی طرف کہ اس کا عرض آسمان اور زمین کے عرض کی طرح ہے۔ انسانی

معاشرے میں دیکھا گیا ہے کہ عمومی طور پر ایک دوڑ لگی رہتی ہے۔ ہر طبقے میں، ہر قسم کے لوگوں میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی دھن سوار رہتی ہے۔ ایک سیاستدان دوسرے سیاستدانوں سے آگے نکل کر حکومت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ایک امیر آدمی دوسروں سے زیادہ امیر ہونا چاہتا ہے۔ ہر کوئی چاہتا ہے کہ اس کی شہرت دوسروں سے زیادہ ہو۔ اُس کے پاس اپنی برادری والوں سے زیادہ وسائل زندگی ہوں۔ یہ سبقت صرف امیروں میں نہیں ہے بلکہ گداگروں میں بھی یہ خواہش پائی جاتی ہے کہ ایک جھگی والا خود کو دوسری جھگی والے سے زیادہ بہتر یا بڑا ثابت کرنا چاہتا ہے ہر طبقے میں یہ مسابقت کا جذبہ موجود ہے تو فرمایا اگر آگے ہی نکلنا ہے تو اللہ کی بخشش کی طرف بڑھو ایک دوسرے سے نیکیوں میں آگے نکلو۔ یہ مقابلہ کرو کہ میں دوسروں سے زیادہ نیکیاں کمالوں۔ دوسروں سے زیادہ رضائے الٰہی اور قربِ الٰہی پالوں اور جنت میں دوسروں سے زیادہ اعلیٰ مقام پالوں۔ یہ مقابلہ کرو کہ جنت میں دوسروں سے زیادہ اعلیٰ گھر ملے۔ آخرت کو جیتنے میں مسابقت کرو کہ میں زیادہ مجاہدہ کروں۔ دوسروں سے زیادہ حلال حرام کی تمیز کروں، زیادہ حلال ذرائع اختیار کروں اور اللہ کی راہ میں زیادہ مال خرچ کروں تا کہ آخرت میں دوسروں سے آگے نکل جاؤں۔ یہ ہے سبقت۔ دنیا کی مسابقت کا کیا ہے بادشاہ مرے یا فقیر دونوں ایک ہی مٹی میں دفن ہو جاتے ہیں۔ بادشاہ کے محل ساتھ نہیں جاتے قبر میں وہی کفن کا کپڑا نصیب ہوتا ہے۔ کسی کو قبر بھی نصیب نہیں ہوتی۔

فرمایا، انسانی مزاج ہے یہ دوسروں سے خود کو نمایاں رکھنا چاہتا ہے تو اگر مسابقت ہی کرنی ہے تو نیکیوں میں کرو۔ مجاہدے میں دوسروں سے آگے نکلو۔ اپنے پروردگار کی بخشش اور اس کی جنت کی طرف سبقت حاصل کرو جس کا عرض ارض وسما سے زیاہ ہے جبکہ طول کتنا وسیع ہے یہ اللہ ہی بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۔۔۔ ان لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ جنت تو تیار ہی اُن لوگوں کے لیے کی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولوںؑ پر ایمان لاتے ہیں یعنی اُنہیں مان کر اُن کی اطاعت کرتے ہیں۔ گویا اللہ کو اللہ ماننا، تب ہے جب ہر کام میں اللہ کی اطاعت کی جائے۔ اسی طرح نبیؐ کو نبیؐ ماننا بھی تب ہے جب ہر بات میں نبیؐ کی اطاعت کو مقدم رکھا جائے ورنہ زبانی کہتے رہنا کہ میں نے مانا اور عمل نہ کیا جائے تو یہ انکار کے برابر ہے۔

اللہ کا فضل کیا ہے:

فرمایا: ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۱﴾ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہیں اسے اپنا فضل عطا فرمائیں۔ فرمایا اللہ کا فضل اور کرم یہ ہے کہ کوئی نیکی میں سبقت لے جائے۔ اُس کے ایمان ویقین کا درجہ زیادہ ہو، اعمال میں سبقت لے جائے۔ وہ جسے چاہتا ہے توفیق عطا کر دیتا ہے اپنا کرم کر دیتا ہے۔ اس کے

فضل سے وہ لوگ جو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں اس کی مغفرت اور جنت کی دائمی نعمتوں کو پا لیتے ہیں۔ وہ بہت بڑے فضل کا مالک ہے۔ انسان اپنی حیثیت کے مطابق عمل کرتا ہے لیکن اس پر جو بدلہ اللہ کریم عطا فرماتے ہیں وہ اتنا بڑا ہوتا ہے کہ انسان سوچ بھی نہیں سکتا۔ یہ اللہ کا فضل ہے اور وہ جسے چاہے عطا کرے۔

ہمارے معاشرے میں تو جو چوری سے، رشوت سے پیسہ کما کر عالیشان گھر بناتے ہیں اس کے اوپر ''ھذا من فضل ربی'' لکھ دیتے ہیں۔ یہ فضلِ ربی نہیں ہے۔ ہم کسی کو دولتمند دیکھتے ہیں تو خواہ وہ کافر ہو، بدکار ہو ہم کہتے ہیں یہ بڑا خوش قسمت ہے، اس پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔ فرمایا، یہ خوش قسمتی نہیں ہے۔ اللہ کا کرم نیکیوں کی توفیق کا عطا ہونا ہے۔

زندگی کا نظام طے شدہ ہے:

فرمایا: مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۲۲﴾

کوئی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے اور نہ تمہاری جانوں میں مگر وہ ایک کتاب (لوحِ محفوظ) میں لکھی ہے پیشتر اس کے کہ ہم اس کو پیدا کریں۔ بے شک اللہ کے لیے یہ آسان (کام) ہے۔

دنیا کا ایک طے شدہ نظام ہے اور ہر ایک کو اس کا نصیبہ ملتا ہے۔ اگر زمین پر کوئی مصیبت آتی ہے، زلزلہ آتا ہے، قحط آتا ہے یا سیلاب آتے ہیں یا قتل و غارت گری ہوتی ہے یا تمہاری ذات پر کوئی مصیبت آتی ہے تو یہ اللہ کا طے شدہ فیصلہ ہے۔ دنیا بنانے سے پہلے دنیا کا سارا نظام طے کر کے لوحِ محفوظ میں لکھ دیا گیا تھا۔ جو مصیبت بھی دنیا میں یا تمہاری ذات پر آتی ہے وہ پہلے سے لوحِ محفوظ میں موجود تھی۔ کون کب پیدا ہوگا، کب مرے گا دنیا میں کتنا نفع پائے گا، کتنا نقصان اٹھائے گا، کیسی صحت پائے گا، کتنی بیماری جھیلے گا یہ سارے فیصلے ہو چکے۔ یہ قضائے مبرم ہے۔ اللہ کے لیے یہ فیصلے دنیا بنانے سے پہلے کر لینا کوئی مشکل بات نہیں تھی۔

دنیا میں بھی دیکھا جائے تو ایک شخص جو ایک کارخانہ بناتا ہے پھر اس میں قیمتی مشینری نصب کرواتا ہے، اُس نے بھی پہلے سے طے کر رکھا ہوتا کہ اس میں کتنا مال بنایا جائے گا۔ اس کے اندازے غلط بھی ہو سکتے ہیں لیکن ہر کوئی اندازہ کر کے ہی کوئی کام شروع کرتا ہے۔ ربِّ کریم نے کائنات بنائی تو اس کے اندازے غلط نہیں ہوتے۔ اس کے فیصلے بالکل صحیح صحیح طے کیے جاتے ہیں۔ فرمایا: لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ ۔۔۔ تاکہ جو چیز تم سے جاتی رہے اس پر غم نہ کرو۔

انسان کو دکھ ہوتا ہے کہ میرا فلاں عزیز فوت ہو گیا، میرے مال میں نقصان ہو گیا، میری صحت خراب ہو گئی۔

اسی غم میں ساری زندگی مبتلا رہتے ہو۔ فرمایا، یہ تو طے شدہ فیصلے ہیں جو نافذ ہونے ہی تھے۔ اگر کوئی عزیز فوت ہوگیا یا مال چلا گیا تو اس پر آنسو بہانے کی بجائے یہ سمجھ لو کہ وہ تمہارا تھا ہی نہیں اسے جانا ہی تھا کہ جس کی تھی اس نے واپس لے لی۔

ایک صحابیؓ کو اپنے بچے سے بہت پیار تھا جو پانچ یا چھ سال کا تھا۔ وہ کام کے سلسلے میں باہر گئے ہوئے تھے۔ اُن کی غیر حاضری میں بچہ فوت ہوگیا۔ اُن کی اہلیہؓ نے اُسے نہلا کر لیٹا دیا اور وجود کو چادر سے ڈھانپ دیا۔ جب وہ واپس آئے تو اُن کی اہلیہ نے حسبِ معمول انہیں ہنسی خوشی خوش آمدید کہا ہاتھ منہ دھلایا اور کھانا پیش کیا۔ جب وہ کھانا کھا چکے تو اُن سے پوچھا کہ اگر کوئی ہمیں کوئی چیز یا دولت مستعار دیتا ہے اور ہم اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ پھر وہ اپنی چیز مانگ لیتا ہے تو کیا اُسے واپس نہیں کرنی چاہیے؟ انہوں نے فرمایا یہ کیسے ہوسکتا ہے جس کی چیز ہے اُسے واپس دینی چاہیے۔ اہلیہ نے پوچھا کیا وہ چیز واپس کر کے ہمیں دکھی ہونا چاہیے، رونا پیٹنا چاہیے؟ انہوں نے فرمایا، اس میں رونے پیٹنے کی کیا بات ہے اس کا احسان ہے جتنا عرصہ اس نے دیے رکھی اور ہم نے فائدہ اٹھالیا۔ اہلیہ نے کہا کہ وہ بیٹا جو اللہ نے دیا تھا، اس نے لے لیا ہے۔

فرمایا، دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ ایک طے شدہ پروگرام کے تحت ہوتا ہے اور وہ لوحِ محفوظ میں بھی درج ہے۔ کائنات اس کی اپنی ہے۔ اس میں جو چیز تم سے چلی جائے اس پر بیٹھ کر آنسو نہ بہاتے رہو۔ اس کا صدمہ نہ لیا کرو، اس کے لیے تڑپتے نہ رہا کرو۔ جس کی تھی اس نے واپس لے لی۔ فرمایا: وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۔۔۔ اور جو چیز تم کو عطا فرمائیں اس پر اتراؤ نہیں۔

جو کچھ تمہیں عطا فرمایا ہے مال ہے اولاد ہے یا عہدہ ہے سب اُسی کا ہے۔ اس میں اکڑنے کی کوئی بات نہیں ہے کہ تمہارا اس میں کوئی کمال نہیں ہے۔ جو چلا گیا وہ بھی اُس کا مال تھا اس پر دکھی ہونے کی ضرورت نہیں اور جو آگیا وہ بھی اُس کا مال تھا اس پر دکھی ہونے کی ضرورت نہیں اور جو آگیا وہ بھی اُس کا مال ہے، اس پر فخر کرنے کی ضرورت نہیں۔

دکھی ہونا ایک فطری بات ہے لیکن ایسا دکھ نہ ہو جو اللہ سے شکایت پیدا کر دے اور اللہ کی نافرمانی شروع کرا دے۔ اسی طرح مال اور اولاد کو دیکھ کر فطری خوشی ہوتی ہے لیکن ایسی نہ ہو کہ جس میں انسان ان نعمتوں پر اترانے لگے اور نافرمان ہوجائے۔ اس لیے کہ، فرمایا: وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ﴿۲۳﴾ اور اللہ کسی اترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتے۔

اللہ کریم کو یہ بات پسند نہیں کہ کوئی اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھے اور شیخیاں بگھارتا پھرے کہ اس کے پاس بہت کچھ ہے اور فخر کرے۔

اس کے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ کی عطا ہے جس پر اکڑنے کا کوئی جواز نہیں بلکہ شکر ادا کرنے کا مقام ہے۔ انسان کو چاہیے کہ ہر حال میں اللہ کی رضامندی کے کاموں میں مشغول رہے اگر نقصان ہو جائے تو اس میں اس قدر نہ کھو جائے کہ اللہ یاد نہ رہے اور اگر نفع ہو تو اللہ کی عظمت کو فراموش نہ کر دے کہ اکڑنے لگے۔ اللہ کریم شیخی بگھارنے والوں کو پسند نہیں کرتے جو، فرمایا: الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۴﴾ جو لوگ بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل (کنجوسی) کی تعلیم دیتے ہیں۔ اور جو شخص (حق سے) منہ پھیرے گا تو بے شک اللہ بے نیاز ہیں وہی تعریف کے سزاوار ہیں۔

فرمایا، لوگ ایسے بدنصیب ہیں کہ دکھ آئے تو بھی اللہ سے روگرداں ہو جاتے ہیں اور آسانیاں آئیں تو اپنی بڑائی میں مبتلا ہو کر اکڑتے ہیں۔ اسی فخر میں مبتلا ہو کر اللہ کی نافرمانی شروع کر دیتے ہیں۔ اگر کوئی چیز چلی جائے تو روتے رہیں گے اللہ کی یاد بھلا دیں گے اور عجیب عجیب ناشکری کے کلمات کہتے ملیں گے۔ شکوے کریں گے۔ فرمایا، یہ کائنات اللہ کی ہے، اُس کا اپنا نظام ہے۔ ہر چیز تمہارے پاس اس کی امانت ہے اس پر شکر کرو۔ اگر وہی چیز واپس لے لے تو بھی اُس کا شکر کرو اور اگر کچھ دے دے تو اس میں اکڑنے کی کیا بات ہے؟ اگر وہ واپس لے لے تو تم کیا کر لو گے! جو لوگ بخل کرتے ہیں کنجوسی کرتے ہیں یعنی کوئی چیز چلی جائے تو اس پر روتے رہتے ہیں شکر نہیں کرتے، یہ بخل ہے۔ دوسری طرف جن کو کوئی نعمت عطا ہو وہ اس پر اکڑتے رہتے ہیں اور اللہ کا شکر نہیں کرتے۔ اُن کی کنجوسی یہ ہے کہ وہ اللہ کا احسان نہیں مانتے اور دوسروں کو بھی یہی سکھاتے ہیں۔ انسان مدنی الطبع ہے اور ایک دوسرے سے سیکھتا ہے، خصائل حاصل کرتا ہے۔ ایک دوسرے کے رواج اپناتا ہے۔ فرمایا، جو اللہ کی عظمت کا منکر ہو گیا جس نے اللہ کا شکر ادا نہ کیا تو اللہ بے نیاز ہے، لائقِ تعریف ہے۔ اللہ کسی کی اطاعت کا محتاج نہیں ہے۔ ساری دنیا ولی اللہ ہو جائے تو اُس کی شان بڑھتی نہیں اور خدانخواستہ ساری دنیا منکر ہو جائے تو اُس کی شان میں کوئی کمی نہیں آتی۔ وہ بندوں کے کردار کا محتاج نہیں ہے۔ بندے اپنے کردار کا نتیجہ خود بھگتیں گے۔ اگر کوئی شکر کرتا ہے تو اس کا اچھا نتیجہ پالے گا اور اگر ناشکری کرتا ہے تو اس کے نتائج خود بھگتے گا۔ لوگوں کی بدنصیبی یہ ہے کہ انہیں شکر کی توفیق نہیں ہوتی اور دنیا کی محبت انہیں اس قدر اسیر کر لیتی ہے کہ عظمتِ الٰہی سے بھی بیگانہ ہو جاتے ہیں۔

بعثتِ انبیاؑ ورسلؑ، نزولِ کتاب اور میزان:

فرمایا: لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۔۔۔ ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب نازل فرمائی اور ترازو (قواعدِ عدل) تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔

اللہ کریم نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ سب سے اعلیٰ مخلوق جسے سب سے بہتر قوتِ بیان عطا فرمائی، لکھنا پڑھنا، سوچنا، سمجھنا سب جانتا ہے۔ اللہ کی عظمت کے دلائل کائنات کے ذرّے ذرّے میں بکھرے پڑے ہیں۔ اللہ قادر تھا وہ انسان کو مکلف کر دیتا کہ وہ خود کائنات کے اثرات دیکھ کر اللہ کی عظمت کا اقرار کرے اور جو نہیں کرے گا جہنم میں پھینکا جائے گا۔ یہ کام بنی آدم کے لیے کتنا مشکل ہوتا! یہ اللہ کریم کا احسان ہے کہ اس نے بنی آدم پر مسلسل اپنے انبیاؑ مبعوث فرمائے جنہیں واضح دلائل اور معجزات عطا فرمائے۔ انسان تو ایسا عجیب ہے کہ انبیاؑ کی دعوت اور کتابوں کے نزولؑ کے بعد بھی کفر پر جما رہتا ہے تو اگر انبیاؑ بھی نہ ہوتے تو یہ کتنے اندھیروں میں گم ہو جاتا۔ فرمایا، ہمارا احسان ہے کہ ہم نے ہر قوم کی طرف، مسلسل انبیاؑ بھیجے اور انہیں واضح دلائل اور معجزات عطا فرمائے۔ گویا کسی نبیؑ کو کسی قوم پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا تھا جو اُن پر مسلط ہو کر حکم دیتا کہ کھڑے ہو جاؤ اب بیٹھ جاؤ بلکہ انبیاؑ نے ہمیشہ دلائل سے بات کی۔ اللہ کے عطا کردہ معجزات پیش کیے، عظمتِ الٰہی کی بات کی اور ہر بات مدلّل کی۔ آج کے دور کا ایک فتنہ یہ بھی ہے کہ کہا جاتا ہے کہ مسلمان جو کہتے ہیں، اسلام جو دعوت دیتا ہے وہ سمجھنا عقلاً محال ہے حالانکہ حق یہ ہے کہ ہر نبیؑ کی دعوت انسانی عقل وخرد کے اعلیٰ معیار کے مطابق تھی۔ دین سارے کا سارا عقلی دلائل کے ساتھ ہے۔ اگر کوئی شخص کسی دینی حکم اور اس کی مصلحت کو عقلاً نہیں سمجھ پاتا تو اس کی عقل کا قصور ہے۔ سارا دین دلائل کے ساتھ ہے ہاں اگر لوگوں کی عقلیں مسخ ہو کر انسانی نہ رہیں تو الگ بات ہے۔ فرمایا، ہم نے انبیاؑ کو معجزات بھی عطا فرمائے اور ان کے ساتھ کتابیں نازل فرمائیں اور ایک میزان یعنی نظامِ عدل ہر نبیؑ کو دیا۔ میزان، ترازو کو کہتے ہیں یعنی انہیںؑ یہ ترازو دیا تاکہ انصاف کے ساتھ ہر ایک کے حقوق متعین فرما دیں۔ ہر بندے کے تعلقات دو طرح کے ہیں۔ اس کا ایک تعلق اللہ سے، اپنے مالک سے ہے اور دوسرا تعلق اللہ کی مخلوق کے ساتھ ہے۔ اللہ کے ساتھ تعلق میں توازن یہ ہے کہ عقیدہ اور عمل درست رہے۔ مخلوق کا مخلوق کے ساتھ تعلقات میں توازن یہ ہے کہ ہر کوئی اپنے حقوق لے لیکن دوسروں کے حقوق کا بھی لحاظ رکھے، اُنہیں disturb نہ کرے بلکہ اُن کے حقوق ادا کرے۔ نزولِ کتب کا مقصد مخلوق سے اللہ کا تعلق اور مخلوق کا مخلوق سے تعلق میں توازن تھا اور ان کی تصدیق کے لیے انبیاؑ کو معجزات عطا فرمائے

گئے۔ تمام انبیاؑ نے جس دین کی طرف دعوت دی وہ سارا اسلام تھا۔ جس کی بنیاد توحید پر تھی اور نبیؑ کا معجزہ اسلام کے غلبے کے لیے ہوتا تھا۔ ایسا کوئی کام جو عقل کو عاجز کر دے اور یہ ماننا پڑے کہ یہ اللہ نے کیا ہے قدرتِ باری کے سوا ممکن نہیں، اُسے معجزہ کہتے ہیں۔ یہ خرقِ عادت نبیؑ کے ہاتھ پر صادر ہو تو معجزہ کہلائے گی اور بااتباعِ نبیؑ ولی سے ظاہر ہو تو کرامت کہلاتی ہے۔

فرمایا، ہم نے انبیاؑ و رُسل کو دنیا میں کتاب اور میزان کے ساتھ بھیجا یعنی دنیا و آخرت کے تمام علوم و اعمال میں حق و انصاف، صداقت و عدل قائم کرنے کے لیے تاکہ لوگوں میں انصاف اور راست بازی قائم کریں۔ فرمایا: وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۔۔۔ اور ہم نے لوہے کو پیدا فرمایا اس میں شدید ہیبت (جنگ کے اعتبار سے) ہے اور (اس کے علاوہ) لوگوں کے اور بھی (طرح طرح کے) فائدے ہیں۔

جہاد:

اللہ کریم فرماتے ہیں ہم نے لوہا پیدا فرمایا جس سے اسلحہ بنتا ہے جو جنگ میں کام آتا ہے اور بہت سے لوگ اس کا کاروبار بھی کرتے ہیں۔ اسے لوگوں کے لیے ذریعہ معاش بھی بنا دیا گیا ہے۔ جنگی اسلحہ کی ایجاد کا مقصد ایسی جنگ نہیں جو لوگوں کو محکوم بنانے کے لیے یا اُن کے حقوق چھیننے کے لیے ہو۔ اسلام میں جنگ کا یہ تصور نہیں ہے۔ اسلام میں جہاد ہے۔ معاشرے کے کچھ افراد اگر اعتدال پر نہ رہیں، تعلیم سے نہ مانیں اور دوسروں کے حقوق چھینتے رہیں انبیاؑ کے لائے ہوئے نظامِ عدل کو نہ مانیں تو پھر ان سے جہاد ہوگا اور تب تک جنگ ہوگی جب تک وہ ظلم سے باز نہیں آجاتے۔ وہ اپنے عقیدے پر قائم رہیں لیکن اس نظامِ عدل میں جو انسانوں کے حقوق متعین کیے گئے ہیں ان پر عمل کریں۔ یاد رہے، عقیدے پر کبھی جنگ نہیں ہوتی کہ تم مسلمان ہو جاؤ ورنہ ہم تم سے لڑیں گے۔ یہ جہاد نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ حساب اللہ کریم خود لیں گے۔ ہم اسلام کی تبلیغ کر سکتے ہیں لیکن ہم اسلام منوآنے کے مکلف نہیں ہیں۔ اگر کوئی مسلمان نہیں ہونا چاہتا، نہ ہو لیکن اُسے انسانی معاشرے میں جو انصاف پر مبنی اقدار ہیں اُن کے مطابق رہنا ہوگا۔ اگر اس میں خرابی کرے گا تو اُس سے جہاد کیا جائے گا۔ فرمایا، لوہے سے لوگوں کو بے شمار نفع پہنچتا ہے اس سے لوگوں کا کاروبار بھی چلتا ہے، استعمال کی چیزیں بنتی ہیں اور جنگی اسلحہ بھی بنتا ہے جس سے جہاد کیا جاتا ہے، برائی کو روکا جاتا ہے۔ دنیا کے کاروبار میں کام آتا ہے تو دنیوی فائدہ دیتا ہے اور جہاد میں کام آئے تو اُخروی فائدہ یعنی آخرت کے انعامات کا سبب ہے۔ گویا فولاد میں دونوں جہاں کا منافع رکھا ہے۔ فرمایا: وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۔۔۔ اور تاکہ اللہ جان لیں کہ کون بن دیکھے اس کی اور اُس کے پیغمبروں کی مدد کرتا ہے۔

فرمایا یہ آزمائش ہے کہ کون اللہ کی اطاعت خلوصِ دل سے کرتا ہے، اُس کے نبیؐ کا اطاعت شعار بن جاتا ہے اور کون اللہ کی اور اللہ کے رسولوںؑ کی مدد کرتا ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں جب تم میرے حکم کے مطابق دین پر عمل کرتے ہو، دوسروں تک بات پہنچاتے ہو، محنت و مشقت کرتے ہو تو وہ ایسا شمار کیا جاتا ہے جیسے تم میرا کام کر رہے ہو، میری مدد کر رہے ہو حالانکہ وہ کسی کی مدد کا محتاج نہیں۔ ہم جب دین کا کام کرتے ہیں تو اپنی اخروی نجات، دنیوی فائدے کے لیے کرتے ہیں وہ کریم بندے کی مزدوری کو اہمیت دینے کے لیے فرماتا ہے کہ جو کام سنت کے مطابق کرتے ہو وہ تمہارا نہیں، میرا کام ہے، تم کر رہے ہو میں اس کا بدلہ دوں گا۔ کون ہے جو میرے انبیاؑ کی مدد کرتا ہے؟

انبیاؑ کی مدد کیا ہے؟ کیا انہیں پیسے دینا مدد ہے؟ نہیں انبیاؑ کی مدد بھی اسی کو کہا گیا ہے کہ کون اُن کا پیغام دوسروں تک پہنچانے کے لیے محنت کرتا ہے اور اپنے آپ پر نافذ کرنے کے لیے کوشش کرتا ہے۔ جو خود عمل نہیں کرتا وہ دوسروں کو دعوتِ عمل کیسے دے گا!

فرمایا، کون ہے جو اللہ پر ایمان بالغیب لاتا ہے؟ جو محض نبیؐ کی گواہی پر عظمتِ الٰہی کا اقرار کر لیتا ہے۔ اس نے خود اللہ کو دیکھا نہ سنا صرف اس کی قدرت کے مظاہر دیکھتا ہے اور نبیؐ کی شہادت پر اُنؐ کی دعوت پر غائبانہ ایمان لے آتا ہے یعنی اللہ اُن لوگوں سے خوب آگاہ ہے اور انہیں کبھی ضائع نہیں فرمائے گا۔

فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیۡزٌ ﴿۲۵﴾ بے شک اللہ طاقت والے (اور) زبردست ہیں۔ یہ جان لو کہ اللہ کو تمہاری نیکیوں کی احتیاج یا تمہاری نمازوں کا انتظار نہیں ہے۔ یہ سب تمہارے انعامات کے لیے ہے۔ یہ تمہارے لیے زندگی کا کمال ہے۔ اللہ قوی ہے، طاقت والا ہے اور عزیز ہے، ہر چیز پر غالب ہے۔ اُسے تمہاری عبادات یا مجاہدوں سے مدد نہیں ملتی۔ وہ ہمارے اپنے کام آتی ہیں۔

سورۃ الحدید رکوع 4 آیات 26 تا 29

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٢٦﴾ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٢٧﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٨﴾ لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿٢٩﴾

اور یقیناً ہم نے نوح اور ابراہیم (علیہما السلام) کو بھیجا اور ان کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب جاری فرمائی تو ان میں سے بعض تو ہدایت یافتہ ہوئے اور ان میں سے اکثر نافرمان تھے ﴿۲۶﴾ پھر ان کے پیچھے یکے بعد دیگرے اور رسولوں کو بھیجتے رہے اور ان کے بعد عیسیٰ (علیہ السلام) بیٹے مریم (علیہا السلام) کے، کو بھیجا اور ان کو انجیل عطا فرمائی اور جن لوگوں نے ان کی پیروی کی ہم نے ان کے دلوں میں شفقت اور مہربانی پیدا فرمادی اور لذات سے کنارہ کشی تو انہوں نے خود ایک نئی بات شروع کرلی ہم نے اس بات کو ان پر واجب نہ کیا تھا مگر (انہوں نے) اللہ کی رضامندی

پانے کے لیے (اس کو شروع کیا تھا) سوانہوں نے اس کی پوری رعایت نہ کی جیسا کہ چاہیے تھی سو ان میں سے جو لوگ ایمان لائے ان کو ہم نے ان کا اجر دیا اور زیادہ ان میں نافرمان ہیں ﴿۲۷﴾ اے ایمان رکھنے والو! (عیسیٰ علیہ السلام پر) اللہ سے ڈرو اور اس کے پیغمبر پر ایمان لاؤ وہ تم کو اپنی رحمت سے (ثواب کے) دو حصے عطا فرمائیں گے اور تم کو ایسا نور عطا فرمائیں گے کہ تم اس کو لے کر چلتے پھرتے ہو گے اور تم کو بخش دیں گے اور اللہ بخشنے والے رحم کرنے والے ہیں ﴿۲۸﴾ تا کہ اہلِ کتاب کو معلوم ہو جائے کہ ان کو اللہ کے فضل کے کسی حصہ پر (بھی) کچھ اختیار نہیں اور یہ کہ فضل اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہتے ہیں اسے (اپنا فضل) عطا فرماتے ہیں اور اللہ بہت بڑے فضل کے مالک ہیں ﴿۲۹﴾

تفسیر و معارف

حضرت نوح علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک:

فرمایا: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِىْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۶﴾ اور یقیناً ہم نے نوح اور ابراہیم (علیہما السلام) کو بھیجا اور اُن کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب جاری فرمائی تو اُن میں سے بعض تو ہدایت یافتہ ہوئے اور ان میں سے اکثر نافرمان تھے۔

ہم نے مخلوق کی ہدایت و اصلاح کے لیے نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھیجا۔ حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر بطورِ خاص فرمایا کہ وہ آدمِ ثانی ہیں۔ ان کے زمانے میں صرف وہ افراد طوفان سے محفوظ رہے تھے جو اُن کی کشتی میں سوار ہوئے۔ اُن میں سے بھی سوائے حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد کے، کسی کی نسل نہیں چلی۔ روئے زمین پر جتنے لوگ آباد ہیں، وہ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اسی لیے انہیں آدمِ ثانی کہا جاتا ہے۔ اُن کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مبعوث فرمایا جن کی نسلوں میں نبوت کو جاری فرمایا تا آنکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اُن کی نسل مبارک سے قیامت تک کے لیے مبعوث ہوئے۔ گویا اب دنیا کا ماحول قیامت تک کے لیے نورِ نبوت سے دمک رہا ہے کوئی استفادہ کرے یا نہ کرے یہ اس کے اپنے نصیب کی بات ہے۔

فرمایا، ہمارا یہ احسان ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں نبوت کو برقرار رکھا اور مسلسل کتابیں نازل فرماتے رہے۔ اُن کی اولاد میں بہت سے ہدایت یافتہ اور نیک تھے۔ اُن کی اولاد میں انبیاؑ بھی ہوئے، صلحا، اولیاء، اور علما بھی ہوئے۔ مرورِ زمانہ کے ساتھ پھر بہت سے لوگ گناہ میں بھی مبتلا ہو گئے۔ دنیا میں بہت سی چیزیں انسان کے لیے آزمائش بن جاتی ہیں۔ دولت کی طمع اقتدار اور لالچ بھی بڑی آزمائش ہیں لیکن سب سے بڑا امتحان لوگوں کی عقیدت ہے۔ جب لوگ پیچھے لگ جاتے ہیں اور عقیدت میں ہاتھ پاؤں چومنا شروع کر دیتے ہیں تو بندہ اپنے آپ کو خدا سمجھ بیٹھتا ہے اور پھر اللہ اور اللہ کے رسول علیہ السلام کا اتباع چھوڑ کر گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ فرمایا: ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا۔۔۔ پھر ان کے پیچھے یکے بعد دیگرے اور رسولوں کو بھیجتے رہے۔

فرمایا جب لوگ گمراہ ہوئے تو ہم نے نئے نبیؑ بھیج دیے اور یہ ہمارا احسان ہے کہ ہم نے مخلوق کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑا حتیٰ کہ، فرمایا: وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ۔۔۔ اور ان کے بعد عیسیٰ (علیہ السلام) بیٹے مریم (علیہا السلام) کے، کو بھیجا اور اُن کو انجیل عطا فرمائی۔

فرمایا پھر اُس سلسلۂ نبوت کو جاری رکھتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا یعنی یہاں تک سلسلۂ نبوت کو پہنچا دیا۔ اس سے آگے صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی نبوت کا ذکر ہے اور کسی کا تذکرہ اللہ کریم نے نہیں فرمایا۔ چنانچہ یہ ختمِ نبوتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی بہت بڑی دلیل بھی ہے۔

اتباعِ نبویؐ کا صلہ:

فرمایا: وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً۔۔۔ اور جن لوگوں نے اُن کی پیروی کی ہم نے ان کے دلوں میں شفقت اور مہربانی پیدا فرما دی۔

جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اطاعت کی، اُن کا اتباع کیا اُن کے دلوں میں اللہ کریم نے نرمی، شفقت اور رحمت ڈال دی گویا اتباعِ نبوت سے قلب برکاتِ نبوت اخذ کر لیتا ہے۔ انسان کو اپنا مزاج بھی پرکھنا چاہیے کیونکہ اتباعِ نبوتؐ سے انسان محبت کرنے والا بن جاتا ہے۔ وہ لوگوں سے محبت کرتا ہے۔ انسان کی انسان سے محبت کیا ہے؟ اس محبت کا تقاضا خیر خواہی ہے کہ دوسروں کو گناہ سے بچانے والا بن جائے، اُن کا نقصان نہ ہونے دے۔ ہم جس سے محبت کرتے ہیں اس کو نقصان سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ ہم سے اس کا نقصان برداشت نہیں ہوتا تو آخرت کا نقصان تو سب سے بڑا نقصان ہے۔ محبت کا تقاضا ہے کہ دوسروں کو اس نقصان سے بچایا جائے۔ فرمایا، جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اتباع کیا انہیں ہم نے مخلوق کے لیے مہربان بنا دیا، اُن کے

دلوں میں محبت اور جذبہء ترحم (رحمت) کو جگہ دی۔

رہبانیت:

فرمایا: وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَٰهَا عَلَيْهِمْ ۔۔۔اور لذات سے کنارہ کشی تو انہوں نے خود ایک نئی بات شروع کر لی۔ ہم نے اس بات کو ان پر واجب نہیں کیا تھا۔

رہبانیت کیا ہے؟ لوگوں نے جب محسوس کیا کہ لوگوں کے ساتھ تعلقات اور لین دین سے، میل ملاقات سے دین میں خلل آ رہا ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسائیوں نے یہ طریقہ ایجاد کیا کہ سب لذاتِ دنیا اور لوگوں سے ملنا ترک کر دیا جائے۔ سب سے الگ تھلگ رہ کر زندگی گزار دی جائے تاکہ کوئی جھوٹ بولنے کا موقع آئے نہ جھگڑا کرنے کا۔ کھانے پینے کا تکلف بھی نہ رہے، جو مل جائے جڑی بوٹیاں وغیرہ اُن سے پیٹ بھر لیا جائے۔ فرمایا، یہ حکم اللہ نے نہیں دیا تھا بلکہ لوگوں نے از خود شروع کیا اور اُن کا مقصد تھا، فرمایا: إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ ۔۔۔ مگر (انہوں نے) اللہ کی رضامندی پانے کے لیے (اس کو شروع کیا تھا)۔ اُن کا خیال تھا کہ ہم اس طرح ترکِ لذات سے اللہ کو راضی کر لیں گے۔ چونکہ معاشرہ بہت برا ہو گیا ہے تو اس سے کٹ جائیں گے چیزوں کی لذت غفلت لاتی ہے، لالچ پیدا کرتی ہے لہٰذا کم کھانا، کم سونا اور کم بولنا، کسی سے نہ ملنا اختیار کیا جائے۔ شادی نہ کرنا اولاد نہ ہونا گھر بار نہ ہونا، یہ ترکِ دنیا رہبانیت تھی جو انہوں نے اللہ کو راضی کرنے کے لیے خود شروع کی۔ فرمایا: فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۔۔۔ سو انہوں نے اس کی پوری رعایت نہ کی جیسا کہ چاہیے تھی۔ فرمایا رہبانیت انہوں نے از خود اختیار کی تھی ہم نے اُن پر فرض نہیں کی تھی لیکن پھر اس کا حق ادا نہ کر سکے۔ حالانکہ انہوں نے اللہ کی رضا پانے کے لیے اسے اختیار کیا تھا تو پھر چاہیے تھا کہ اس کا حق ادا کرتے۔ انہوں نے ترکِ دنیا کو ہی حصولِ دنیا کا ذریعہ بنا لیا۔ میلے کچیلے کپڑے پہن کر روکھا سوکھا کھا کر پیسے ہی جمع کرتے کرتے مر گئے۔ آج بھی وطنِ عزیز میں بہت سے گداگر ایسے ہیں جو بظاہر تارکِ دنیا ہیں۔ میلے کچیلے کپڑے پہن کر سارا دن سڑکوں پر بھیک مانگتے ہیں لیکن درحقیقت اتنے امیر ہیں کہ لاکھوں کی گاڑیاں رکھی ہوئی ہیں۔ ملازم اور ڈرائیور ہیں جو انہیں گداگری کرنے والی جگہ پر صبح چھوڑ جاتے ہیں اور شام کو گاڑی پر لینے آ جاتے ہیں۔ انہوں نے بھی ترکِ دنیا کو حصولِ دنیا کا ذریعہ بنا لیا۔

اسی طرح گاؤں میں ایک پیر صاحب ہوا کرتے تھے آج بھی اُن کا مقبرہ مشہور ہے اور لوگ بہت نذرانے چڑھاتے ہیں۔ انہوں نے یہ طریقہ شروع کیا کہ سارا سال روزہ رکھتے تھے سوائے عیدین کے تو جب بوڑھے اور کمزور ہو گئے تو بھی روزہ نہیں چھوڑتے تھے۔ اتنے ضعیف ہو گئے اور نوبت یہاں تک آ گئی کہ عصر کے بعد آواز نکلنا بند

ہوجاتی سانس لینا مشکل ہوجاتا تو ملازم روغنِ بادام سے رگوں کی مالش کیا کرتے تو بمشکل روزہ پورا کرتے۔ اُن کے کسی بے تکلف دوست نے علیحدگی میں بات کی کہ بیماری میں تو فرض روزہ بھی ساقط ہوجاتا ہے اور فدیہ دیا جاسکتا ہے پھر تم زبردستی روزے کیوں رکھتے جارہے ہو؟ جب مرید کہتے کہ حضرت آپ ضعیف ہوگئے ہیں روزہ نہ رکھا کریں تو کہتے مالک نے تو اپنی مزدوری کرانی ہے، مشقت لینی ہے اُسے کیا ہم کمزور ہیں یا طاقتور! وہ جو بے تکلف دوست تھا اس نے علیحدگی میں کہا کہ یہ تم نے کیا مصیبت گلے ڈال رکھی ہے تو کہنے لگے میں اس لیے بھوک کاٹ رہا ہوں تاکہ میری اولاد صدیوں تک عیش کرے۔ وہی ہوا آج اُن کے مقبرے پر روپے شیرینیاں بارش کی طرح برستے ہیں۔ کروڑوں کی آمدن ہے جس کے چھ سات خاندان وارث بنے ہوئے ہیں۔ گویا وہ شخص اس مقصد کے لیے ترکِ دنیا کررہا تھا تاکہ اس کی اولاد اس سے دنیا کمائے۔

فرمایا، عیسائی ترکِ دنیا کا حق ادا نہ کرسکے۔ فرمایا: فَاٰتَیۡنَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡہُمۡ اَجۡرَہُمۡ ۚ وَ کَثِیۡرٌ مِّنۡہُمۡ فٰسِقُوۡنَ ﴿۲۷﴾ سو اُن میں جو لوگ ایمان لائے ان کو ہم نے ان کا اجر دیا اور زیادہ ان میں نافرمان ہیں۔

فرمایا جو ان میں ایمان والے تھے وہ اس پر قائم رہے، انہوں نے محنت کی تو یقیناً اللہ کریم انہیں اس کا انعام دیں گے لیکن ان میں اکثریت بدکاروں کی نکلی جنہوں نے ترکِ دنیا کو بھی حصولِ دنیا کا ذریعہ بنالیا۔ یہ ایسے عجیب لوگ تھے۔

بعثتِ عالی کے بعد سب کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری ہے:

فرمایا: یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ اٰمِنُوۡا بِرَسُوۡلِہٖ یُؤۡتِکُمۡ کِفۡلَیۡنِ مِنۡ رَّحۡمَتِہٖ۔۔۔

اے ایمان رکھنے والو! (عیسیٰ علیہ السلام پر) اللہ سے ڈرو اور اس کے پیغمبر پر ایمان لاؤ وہ تم کو اپنی رحمت سے (ثواب کے) دو حصے عطا فرمائیں گے۔

فرمایا اے ایمان والو، اللہ سے تعلق قائم رکھو اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ تو تمہیں دوگنا اجر ملے گا چونکہ بات عیسائیوں سے ہورہی ہے۔ فرمایا، تم نے دینِ عیسوی پر عمل کیا تم ایمان والے تھے لیکن اب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوگئے ہیں تو اب صرف دینِ عیسوی کو ماننا اسلام نہیں رہے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک تو وہی اسلام تھا لیکن اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اسلام کی بنیاد ہے۔ تم اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لاکر حقِ اطاعت ادا کرو گے تو دوگنا اجر پاؤ گے۔ اُن نیکیوں کا اجر بھی پاؤ گے جو تم نے عیسائی ہوتے ہوئے کیں اور جو مسلمان ہو کر کرو گے ان کا بھی اجر پاؤ گے۔ اگر تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاؤ گے تو تمہارا

پہلا ایمان بھی مقبول نہیں رہے گا اور پہلی نیکیاں بھی ضائع ہوجائیں گی۔ علمائے حق لکھتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں بھی اگر لوگ رواداری میں نیکی کرتے ہیں کسی کو کھانا کھلا دیا یا مدد کر دی اور پھر وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آتے ہیں تو اُن کی حالتِ کفر میں کی ہوئی نیکیاں بھی قبول ہوجاتی ہیں۔ اُن پر بھی اجر ملتا ہے حالانکہ اس وقت اُن کا اللہ پر ایمان تھا نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ ہی آخرت پر ایمان تھا۔ یہ اللہ کی رحمت ہے کہ انہیں دوگنا اجر دیا جائے گا اور فرمایا: وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ۔۔۔ اور تم کو ایسا نور عطا فرمائیں گے کہ تم اس کو لے کر چلتے پھرتے ہوگے۔

فرمایا، تم کو ایسا نور عطا ہوگا جس سے دارِ دنیا میں تمہارا دل روشن رکھے گا۔ تم اس کی روشنی میں زندگی بسر کرو گے، تمہیں نیک اعمال کی توفیق ہوگی۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کو کشف ہوجائے بلکہ یہ ایک کیفیت ہے جو انسان کے اندر سما جاتی ہے۔ اسے برائی سے نفرت ہوجاتی ہے اور جہاں برائی ہو رہی ہو بندہ وہاں بیٹھ نہیں سکتا اٹھ جاتا ہے۔ یہ کیفیت گناہ سے بچنے میں بھی معاون ہوتی ہے اور نیکی کی طرف بھی لے کر جاتی ہے۔ جہاں نیکی ہو رہی ہو وہاں بندہ دلچسپی سے بیٹھتا ہے۔ یہ نور قبر میں بھی کام آئے گا، یومِ حشر یہی نور پل صراط سے گزارنے کا سبب ہوگا۔ فرمایا، تم اتباعِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کرو گے تو تمہیں یہ نور عطا کر دیا جائے گا۔ اس کے باوجود اگر تم سے کوئی بھول چوک ہو جائے گی تو فرمایا: وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۸ اور تم کو بخش دیں گے اور اللہ بخشنے والے رحم کرنے والے ہیں۔

اللہ کریم سب سے زیادہ انعامات دینے والے اور خطاؤں کو بخشنے والے ہیں اللہ کریم درگزر کرنے والے اور ہر ایک پر رحم کرنے والے ہیں۔

فرمایا: لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ۔۔۔ تاکہ اہلِ کتاب کو معلوم ہوجائے کہ ان کو اللہ کے فضل کے کسی حصہ پر (بھی) کچھ اختیار نہیں اور یہ کہ فضل اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہتے ہیں اسے (اپنا فضل) عطا فرماتے ہیں۔

عیسائیوں کو یہ وہم ہو گیا تھا کہ نبوت صرف بنی اسرائیل میں ہی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حضرت اسحٰق علیہ السلام اور ان سے حضرت یعقوب علیہ السلام تک آئی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام اسرائیل بھی تھا اس لیے اُن کی اولاد کو بنی اسرائیل کہتے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام بھی نبی تھے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک نبوت بنی اسرائیل میں ہی رہی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسلِ مبارک میں سے تھے۔ اللہ کریم نے جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو اہلِ کتاب بگڑ گئے کہ نبوت تو ہمیشہ سے بنی اسرائیل میں چلی آ رہی تھی یہ بنو اسمٰعیل میں کیسے چلی گئی؟ ہم نہیں مانتے۔ فرمایا، اللہ کے کرم کو بانٹنے والے تم نہیں ہو۔ یہ اللہ کی مرضی جب

تک اُس نے چاہا یہ کرم بنی اسرائیل میں رکھا جب چاہا بنو اسمٰعیل کو دے دیا۔ یہ تو اس کی عطا ہے اس کا انعام ہے۔ اُس نے اپنے انبیاءؑ مبعوث فرمانے ہیں اس معاملے میں تم فیصلہ کرنے والے کون ہوتے ہو! ساری کی ساری مہربانیاں، سارا احسان و کرم اس کے اپنے دستِ قدرت میں ہے جسے چاہے نواز دے۔ اس نے ابراہیم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک سارے نبیؑ بنی اسرائیل میں سے بھیجے۔ اب اس نے بنو اسمٰعیل کو ایک ایسی ہستی سے نوازا جو ان سب کی امام ہے سب پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ بہت بلند ہے۔ یہ اللہ کا کرم ہے جسے چاہے عطا کر دے۔ فرمایا: وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿٢٩﴾ اور اللہ بہت بڑے فضل کے مالک ہیں۔

اللہ کریم بے پناہ احسانات کرنے والے مہربان ہیں اور یہ اُن کا اپنا فیصلہ ہے۔ یہ لوگوں سے پوچھ کر تو نہیں کیا جائے گا۔ اس میں تمہاری اجارہ داری تو نہیں ہے۔ اگر نبوت بنی اسرائیل میں رہی تو یہ بھی اس کا احسان تھا اس کا اپنا فیصلہ تھا، تمہاری مرضی سے نہیں رہی تھی۔ اب اگر بنو اسمٰعیل سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا ہے تو یہ فیصلہ بھی اس کا اپنا ہے۔ تمہیں اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے۔ یہ سب اس کے اپنے دستِ قدرت میں ہے۔ وہ بہت بڑا کریم اور رحم کرنے والا ہے۔